غایۃ التبجیل وترك القطع فی التفضیل

مسئلہ افضلیت

"اکابرینِ اُمت کی نظر میں"

تصنیف: محدثِ کبیر شیخ محمود سعید ممدوح مصری

ترجمہ: فاضل محقق علامہ علی محمد حسینی حیدر آباد

زاویہ

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ لاہور

غایۃ التبجیل وترك القطع فی التفضیل

کا ترجمہ

مسئلہ افضلیت اکابرینِ اُمّت کی نظر میں

- تصنیف : محدثِ کبیر شیخ محمود سعید ممدوح مصری
- ترجمہ : فاضل محقق علامہ علی مُحمّد حسینی حیدر آباد
- تلمیذ : حضرت مفتی سیّد شاہ حسین گردیزی
- نظرثانی : علامہ ظہور احمد فیضی چشتی
- تقدیم : حضرت علامہ پیر سیّد زاہد حسین رضوی

زاویہ پبلشرز

8-C دربار مارکیٹ - لاہور

Ph: 042-37248657- 37112954

Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466

Email:zaviapublishers@gmail.com

2012ء

بار اول............1000

ہدیہ............

زیر اہتمام............نجابت علی تارڑ

کمپوزنگ............ایمان گرافکس (عبدالقادر)

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

﴿ملنے کے پتے﴾

راولپنڈی کے سول ڈسٹری بیوٹر

اسلامک بک کارپوریشن

فضل داد پلازہ - اقبال روڈ - کمیٹی چوک ○ راولپنڈی 051-5536111

سلام بک شاپ، مین ایم اے جناح روڈ، کراچی	021-32212167
مکتبہ برکات المدینہ حیدر آباد، کراچی	021-34219324
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
مکتبہ سبحانیہ، اردو بازار، لاہور	0315-4318640
مکتبہ نعیمیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور	0300-4986439
کتب خانہ حاجی نیاز احمد، بیرون بوھڑ گیٹ، ملتان	0313-8461000
مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ، اوکاڑہ	0321-7083119
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد	0321-3025510
مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ	055-4237699
مکتبہ المجاهد بھیرہ شریف	048-6691763

اِنتِسَاب

فقیہ اجل، متکلم انجل، محقق دوراں،

نمونہ اسلاف، ترجمان اہلبیت علیہم السلام،

مفتی سید شاہ حسین گردیزی دامت فیوضہ العالیہ

کے نام

فہرست

سخن اولیں

از علامہ پیر سید زاہد حسین رضوی فاضل جامعہ رضویہ، فیصل آباد

عالم اسلام کے نامور محقق محسن اہلسنّت محدثِ کبیر علامہ محمود سعید ممدوح مدظلہ العالی کی تصنیفِ لطیف ''غایۃ التبجیل وترک القطع فی التفضیل'' اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک شاہکار ہے، اس میں تفضیل کے جملہ پہلوؤں اور اہلِ اسلام کے مختلف نظریات کو انتہائی محنت کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے، امام باقلانی، امام آمدی، امام مازری، امام قرطبی، امام سعد الدین تفتازانی، قاضی عیاضی مالکی، سید سند شریف جرجانی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہم الرحمۃ جیسی قد آور شخصیات مسئلہ تفضیل کی ظنیت کی قائل ہیں، اگرچہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان قطعیت کی طرف ہے تاہم انہوں نے جس قاعدے پر قطعیت کی بنیاد رکھی ہے وہ اہلسنت کا نظریہ ہی نہیں۔ اہلسنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے۔ جبکہ معتزلہ اور روافض کے نزدیک خلیفہ کا افضل ہونا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک اگر افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جائے تو یہ ناجائز ہے۔ امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و قال النظام والجاحظ ان الامامة لا يستحقها
الا الافضل ولا يجوز صرفها الى المفضول...
واجتمعت الروافض على انه لا يجوز امامة
المفضول الا سليمان بن جرير الزيدی.

(اصول الدین صفحہ ۲۹۴)

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ نظام اور جاحظ معتزلیوں کے نزدیک خلافت کا حقدار صرف افضل شخص ہی ہے افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔ جبکہ روافض کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ افضل ہی ہونا چاہیے اور اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو ظالمانہ و غاصبانہ قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ)

شرح عقائد مع نبراس میں ہے:

ولا يشترط ان يكون افضل اهل زمانه خلافا للشيعة و غرضهم ابطال خلافة من عدا الائمة الاثنى عشر۔ (صفحہ:۳۲۰)

اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کے لیے اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں، بخلاف روافض کے اُن کے نزدیک خلافت کے لیے افضلیت شرط ہے اور اُن کی غرض یہ ہے کہ ائمہ اثنا عشر کے علاوہ دیگر خلفاء کی خلافت کو باطل قرار دیا جائے۔ امام اشعری نے جس اصل پر قطعیت کی بنیاد رکھی تھی وہ چونکہ اہلسنت کا نظریہ نہیں تھا اس وجہ سے اُن کے متبعین اور دیگر ائمہ اعلام نے ان کے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔ بعض احباب نے اجماع کے قول کی بنیاد پر قطعیت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اس لیے اس حوالہ سے عرض ہے کہ اجماع سے قطعیت اس وقت ثابت ہوگی جب اجماع قطعی ہوگا اور اجماع قطعی وہ اجماع ہوتا ہے جو نقل متواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے:

الاجماع القطعی کالاجماع الغیر السکوتی المنقول بطریق التواتر۔ (شرح نخبۃ الفکر، صفحہ:۴۴۳)

جب یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس سے قطعیت ہرگز ثابت نہیں کی جا سکتی نیز شروع سے آج تک مسئلہ افضلیت اختلافی چلا آ رہا ہے۔ کسی دور میں بھی کسی ایک

ہستی کی افضلیت پر اجماع نہیں ہوا۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور اتباع تابعین رضی اللہ عنہم میں اس حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے تھے جس کی تفصیل آپ زیر نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتب میں یہ صراحت ہے کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہوا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ بعض اوقات اکثریت کے قول کو بھی اجماع کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سب کا اتفاق و اجماع نہیں ہوتا۔ مثلاً فقہ حنفی کی معروف کتاب ھدایہ شریف میں ہے کہ امام کے پیچھے قرات کے منع ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔

• علیه اجماع الصحابه۔ (ھدایہ اولین صفحہ: ۱۲۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرات خلف الامام کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے محشی لکھتے ہیں اگر اجماع صحابہؓ ہوتا تو امام شافعی کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صاحب ہدایہ بھی جانتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماع صحابہ نہیں ہوا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اجماع کا دعویٰ کیوں فرمایا، محشی اس موقع پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ۸۰ صحابہ کرامؓ کے منع قرات کا ذکر کر کے توجیہ فرماتے ہیں:

سَمَّاهُ اجماعًا باعتبار الاكثر وقد روى منع القراة عن ثمانين نفراً من الصحابة۔

مفہوم یہ ہے کہ قرأت خلف الامام کے منع ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تو نہیں ہوا البتہ ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔ اس لیے اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ نے اسے اجماع قرار دیا ہے۔ افضلیت سے متعلق اجماع کا معنی بھی یہی ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لَعَلَّهٗ اراد بالاجماع۔ اجماع اکثر اہلِ السنۃ والجماعۃ یعنی امام ابومنصور بغدادی نے افضلیت پر اجماع کا جو قول کیا ہے اس سے مراد اکثر اہلسنت کا اتفاق

ہے۔(شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۶)

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اجماع اس وقت قطعیت کا فائدہ دیتا ہے جب اس کے خلاف کوئی بھی روایت موجود نہ ہو حتیٰ کہ اگر روایت شاذہ بھی اجماع کے خلاف آجائے تو بھی وہ ظنیت پیدا کر دیتی ہے اور اجماع سے قطعیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

علم اصول فقہ مقرر و مبرھن شدہ است اجماع دلیل قطعی است ولیکن نہ بجمیع انواع واقسامش بلکہ قطعی آں قسم است کہ درآنجا خلاف اصلاً نبود و آنکہ دروے خلافے بود اگرچہ شاذ و نادر باشد ظنی بود و از قطعیت برآید۔ (تکمیل الایمان صفحہ ۶۱)

اور مسئلہ زیر بحث میں اجماع ہوا ہی نہیں، صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم میں مختلف نظریات پائے جاتے تھے، احادیث مبارکہ میں تعارض بھی وجود ہے۔اس قدر اختلاف کے باوجود کیسے قطعیت کا قول درست قرار دیا جاسکتا ہے۔آپ تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔سردست ہم آپ کے سامنے ردِروافض میں لکھی جانے والی ایک اہم کتاب کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

مُلا علی قاری حنفی اپنی تصنیف "شَمُّ الْعَوَارِض فِی ذَمِّ الرَّوَافِض" میں افضلیت کی بحث میں لکھتے ہیں:

قولُ جمهورِ اهل السنة ان ابابکر افضل.

ترجمہ: ''جمہور اہل سنت کے نزدیک جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔''

امام ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات پائی وہ سب سے افضل ہیں۔وقال

بعض المشائخ:

اِنَّ عَلِيًّا فی آخِرِ اَمْرِہ و اِنتِهاء عُمْرِہ صَارَ اَفْضَلَ مِن اَبی بکر و غیرہ لِزِيَادَةِ المکاسبِ العلمية والمراتب المُعلمية۔

بعض مشائخ اہلسنت کا مذہب ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ اپنی آخری عمر مبارک کے حصے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے افضل ہو گئے تھے کیونکہ آپ سے بعد میں علمی کمالات زیادہ ظاہر ہوئے اور آپ کے علوم سے زیادہ لوگ مستفیض ہوئے ان تمام اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد ملا علی قاری ایک فیصلہ کن عبارت تحریر کرتے ہیں:

فهذا الاختلاف بين الطوائف الاسلامية دليل صريح على ان مَسْأَلَةَ التفضيل ليست من الامور القطعية لان الاحاديث المروية مع كونها ظنية متعارضة مانعة من كونها من الامور القطعية على انه ليس فيها تصريح بان افضلية من اىّ الحيثية ليعلم انه بمعنى الاكثر ثواباً عندالله فى العقبى او بمعنى الا علمية مآبا عند الخلق فى الدنيا فترك الغور فى هذا المبحث هو الاولى لان المدارَ على طاعة المولىٰ و لقوله تعالىٰ تلك أُمّة قَد خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَت وَ لَكُم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ (البقرۃ، آیت: ۱۳۴) اى بل تُسألُون عَن تحسين اعمالكم و تنزيين

احوالکم و لقوله علیه الصلوٰة والسلام اِنّ من

حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ ترکه مالا یَعنِیهِ۔

(شم العوارض صفحہ: ۱۰۷ تا ۱۱۰ مطبوعہ دار الاثریۃ اردن ۲۰۰۸ء)

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان مسئلہ تفضیل میں اختلاف اس بات کی روشن اور کھلی دلیل ہے کہ مسئلہ افضلیت قطعی نہیں ہے، فضائل میں آنے والی احادیث ظنی الدلالۃ ہیں ایک دوسرے سے متعارض بھی ہیں جو مسئلہ کو قطعی ہونے سے روک رہی ہیں۔ نیز ان روایات میں یہ وضاحت بھی نہیں فرمائی گئی کہ کون کس حیثیت سے افضل ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آخرت میں کس کے اعمال کا اجر و ثواب اللہ پاک کے نزدیک زیادہ ہوگا یا مخلوق کو یہ پتہ چل سکے کہ دنیا میں کس کے اعمال کا زیادہ ثواب ہے۔

لہٰذا اس میں بحث و مباحثہ چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ افضلیت کا دارومدار خالق کی اطاعت پر ہے وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کس نے اس کی اطاعت زیادہ کی ہے، ان برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا ہر بندے نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا لہٰذا اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہیے، اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اس قسم کی بحثوں سے اجتناب کرنا چاہیے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری فیصلہ دیا ہے کہ اس مسئلہ میں غور و فکر اور بحث و گفتگو سے پرہیز کرنی چاہیے بعض صوفیاء نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قبلت النصح فامسك عن التصرف فی امرهم واجعل محبتك لِكُل علی السواء وامسك عن التفضيل و ان خامر باطنك فضل احدهم علی الآخر فاجعل ذالك من جملة اسرارك فلا يلزمك اظهاره ولا يلزمك ان تحب احدهم اكثر من الآخر

بل یلزمك محبة الجمیع والاعتراف بفضل الجمیع و یکفیك فی العقیدة السیلمة ان تعتقد صحة خلافة ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم۔

ترجمہ: ''اگر تم میری نصیحت قبول کرو تو صحابہ کرام کے معاملے میں دخل دینے سے اجتناب کرو۔ ان میں سے ہر ایک ہستی سے برابر محبت کرو اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے باز آجاؤ اگر کسی ایک کی فضیلت کا تمہارے دل پر غلبہ ہے تو اس کو اپنے دل کا راز بنالو اس کا اظہار تمہارے لیے ضروری تو نہیں ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں ان سے محبت زیادہ رکھو۔ بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم سب سے محبت رکھو سب کی فضیلت و بزرگی کو تسلیم کرو۔ اور صحیح عقیدہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے درست ہونے کا اقرار کرو۔ ان کی خلافتوں کو برحق تسلیم کرو۔''

(اعلام الھدیٰ، صفحہ: ۵۳)

اعلام الھدیٰ کا ترجمہ ایک سو تین سال پہلے ۱۳۳۰ھ میں مطبع قیصری دہلی سے عربی متن کے ساتھ چھپا تھا ہم نے اس قدیم عربی متن سے یہ اقتباس لیا ہے۔ نیز حاشیہ نبراس میں قاضی برخوردار ملتانی علیہ الرحمۃ نے صفحہ: ۴۸۷ پر یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔

اس حوالے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے وہ صحابہ کرامؓ کی فضیلت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عنداللہ جس صحابی کو جو فضیلت حاصل ہے کسی کو اس کا علم نہیں ہے بس ہر شخص اپنے اپنے دلائل پیش

کرتا ہے لیکن دلائل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔"

(شرح جوامع الکلم صفحہ:۱۹۸)

حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۸۲۵ ھ میں ہوا ہے اور آپ نے اس مسئلہ میں توقف کو ترجیح دی ہے۔ سکندر نامہ حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ عرصۂ دراز تک درس نظامی کے نصاب میں شامل رہا ہے۔ اس کے ایک شعر کی شرح میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ محققین کے ایک طبقہ کے نزدیک مساوات اور عدم تفضیل کا مذہب راجح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مساوات وعدم تفضیل یکے بر دیگرے ہمیں مذہب اہل تحقیق است۔

(سکندر نامہ صفحہ:۱۵)

فتویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال ہوا کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

تفضیلیہ دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ لوگ ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور ان کے طریقہ اور روش کی اتباع کرنے، شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں جو مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے مگر حضرت علی کی محبت اور پیار میں نہایت سرگرم ہیں اور آپ کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہلسنت سے اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ ماتریدیہ میں اختلاف ہے اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بعض علماء وصوفیاء اسی روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق

محدث اور سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا۔

(فتاوی عزیزی فارسی صفحہ: ۱۸۳)

اس فتویٰ سے چند امور ثابت ہوئے:

1. حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے شیخین کریمین کو افضل جاننا جمہور اہلسنت کا مذہب ہے، جمہور اہلسنت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مفضول مانتے ہوئے آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔
2. بعض صحابہ، اولیاء و صوفیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھتے رہے ہیں اور شیخین سے محبت و عقیدت کا اظہار فرماتے رہے۔
3. ان دونوں گروہوں کا آپس میں اس مسئلہ میں اختلاف اشعری ماتریدی اختلاف کی طرح ہے کوئی بھی ان میں سے بدعتی و گمراہ نہیں ہے۔
4. جو شخص تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسنِ عقیدت رکھتا ہو اور حضرت علی کو ان سے افضل سمجھتا ہو وہ اہلسنّت ہے صحابہ و اولیاء کا پیروکار ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

امام اہلِ سنّت، مجددِ دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سید کی تعظیم و توقیر کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ سید تفضیلی ہو، تب بھی اُس کی تکریم و احترام لازمی اور ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمائیے!

سوال: ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال و اخلاق خراب ہیں اور باعثِ ننگ و عار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سید کے مقابل کوئی غیر مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال ہو تو اس کو اس سید پر بحیثیت اعمال کے ترجیح ہو

سکتی ہے کہ نہیں؟ شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟
بیّنوا توجروا۔ (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی، ہاں اگر اس کی بدمذہبی حدِ کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت، وہی نہ رہی۔

قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ

(القرآن الکریم، سورۂ ہود، آیت: ۴۶)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”اے نوح (علیہ السلام) وہ یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لیے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔“ (ت)

شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

(القرآن الکریم، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ ت“

مگر یہ فضل ذاتی ہے فضل نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے سادات کرام

کی انتہائے نسب حضور سید عالم ﷺ پر ہے، اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس ﷺ کی تعظیم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(حوالہ جلد ۲۲ صفحہ ۴۲۳)

گولڑہ شریف کا فتویٰ

دربارِ عالیہ گولڑہ شریف میں صدر مدرس و مفتی حضرت شیخ الحدیث مشتاق احمد چشتی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان سے جب مسئلہ تفضیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے سجادہ نشین حضور پیر سید شاہ عبد الحق گیلانی مدظلہ العالی کے ارشاد پر درج ذیل فتویٰ عنایت فرمایا۔

تاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

حسبِ ارشاد قبلہ پیر سید شاہ عبد الحق صاحب مدظلہٗ

۱ ہم جمہور اہلسنت کے مسلک کے مطابق تفضیل شیخین کے قائل ہیں البتہ اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے فضائل مانتے ہوئے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتا ہے تو ہم اسے اہلسنت والجماعت سے خارج نہیں سمجھتے کیونکہ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو حضرت مولا علی t کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے۔

(ملاحظہ ہو، مناقب الائمۃ الاربعہ، شیخ ابو بکر باقلانی صفحہ: ۳۰۶)

۲ حضرت امیر معاویہ صحابی رسول ﷺ ہیں اور الصحابة كلهم عدول في الرواية کے حکم میں داخل ہیں۔

مشتاق احمد

دار الافتاء جامع غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف

سابق شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان

شیخ محمود سعید ممدوح عرب کے عظیم محدث اور اہلسنّت کے محسن ہیں بالخصوص

شیخ ناصر الدین البانی کے رد میں آپ نے اہلسنّت کے لیے بڑا کام کیا ہے کہ مسئلہ زیارت نبوی اور توسل کی احادیث پر رفع المنارۃ کے نام سے آپ کی تحقیقی تصنیف کا اردو ترجمہ حضرت مفتی اکرام اللہ زاہد اور حضرت علامہ غلام عباس رضوی کے قلم سے ہوا ہے اور مطبوعہ ہے۔البانی کے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ کے رد میں آپ کی ۶ جلدوں پر مشتمل کتاب،التعریف لمن قسم السنن والآثار الی صحیح و ضعیف ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔

قارئین زیر نظر مسئلہ میں آپ کے دلائل کو ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ فرمائیں اور امید ہے کہ شرح صدر کا باعث ہوگا۔

فقیر

سید زاہد حسین رضوی

۵ مئی ۲۰۱۲ء

عرضِ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیشِ نظر اوراق شیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب "غاية التبجيل وترك القطع فى التفضيل" کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہیں۔ شیخ ممدوح عالم عرب کے ایک جید، متبحر اور مشہور و معروف عالم دین ہیں۔ اہلِ سنت کی حقانیت پر آپ کی متعدد تصانیف منصہ شہود پر آچکی ہیں جن کی بدولت اہل سنت میں آپ کا مقام و مرتبہ انتہائی اعلیٰ ہے۔ پاکستان کے متعدد علماءِ اہلِ سنت کے ساتھ آپ کے مضبوط روابط و مراسم ہیں۔

شیخ ممدوح کی جملہ تصانیف کے مطالعہ سے اُن کی جلالتِ علمی، عمیق و روشن فکر، باریک بینی اور گہری بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کی کتب دلیل و برہان، وسعتِ علمی، تحقیق و تدقیق، طویل ابحاث، علمی دیانت داری اور اصابت رائے سے مزین ہیں۔ شیخ ممدوح وسیع ذہن و قلب کے مالک ہیں، اُن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ یہ اُن کی خصوصیت ہے کہ وہ تعصب، تنگ نظری، انانیت، بیجا مخالفت، طعن و تشنیع، عیب جوئی اور تنقیص و اہانت سے بالا رہتے ہیں۔

یہ موضوع جس پر شیخ محمود سعید ممدوح نے دادِ تحقیق دی ہے انتہائی نازک، حساس اور پیچیدہ ہے اور بلاشبہ وہ اس سے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ

ہوئے ہیں۔

افضلیت علی علیہ السلام کا قول قدیم قول ہے جو صحابہ، تابعین، محدثین، مؤرخین، اور صوفیہ کے مابین مشہور و معروف ہے۔ درحقیقت کسی بھی صحابی کی افضلیت پر کوئی قطعی یقینی اور حتمی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص افضلیت علی کا قائل ہے تو اسے بدعتی، گمراہ، فاسق و فاجر یا رافضی قرار دینا اور اس کی تنقیص و اہانت اور عیب جوئی کرنا جائز نہیں۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مسئلہ تفضیل میں اختلاف تھا، لہٰذا کسی بھی صحابی کی افضلیت قطعی نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی شخص افضلیت علی یا افضلیت عمر یا کسی اور صحابی کی افضلیت (احادیث و آثار اور دلائل و براہین کی روشنی میں) کا قائل ہے تو اسے مورد الزام یا خطاوار ٹھہرانا غلط ہے۔ یہی اس کتاب کا لب لباب و ما حصل ہے۔

شیخ ممدوح کی کتاب پر سید علی بن عبد الرحمن ہاشمی حسنی کا سیر حاصل مقدمہ، متعدد علماء اہل سنت کی تقاریظ اور خود فاضل مصنف کے علمی مقدمہ کی موجودگی میں کتاب کے متعلق مزید کچھ اظہارِ خیال کرنا سراسر تکرار کا باعث ہوگا۔

شیخ ممدوح نے اپنے مؤقف کو دیانت دارانہ اور علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ اختلاف کرنے والے کو چاہیئے کہ اس کتاب کا جواب بزبان عربی تحریر کر کے شیخ ممدوح کو ضرور ارسال کرے تاکہ موضوع کے مزید پوشیدہ نکات سامنے آسکیں۔ ممکن ہے بعض علماء و محققین کو شیخ ممدوح کے مؤقف، افکار و نظریات اور تحقیقی نتائج سے اتفاق نہ ہو اور ایسا ہر محقق کے ساتھ ہو سکتا ہے، تاہم اس کتاب کا قاری یقیناً اس امر کی گواہی دینے پر مجبور ہوگا کہ شیخ ممدوح نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے پیش نظر موضوع پر اتنا مواد اکٹھا کر دیا ہے جو سالہا سال کی جستجو کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس کتاب کے ایک ایک عنوان کے تحت فراہم کی گئی معلومات پر ضخیم کتب تصنیف کی جا سکتی ہیں۔

اظہارِ تشکر

راقم السطور کی یہ پہلی تلمیذانہ کوشش ہے۔موضوع کی پیچیدگی وحساسیت کے پیش نظر میری یہ کوشش رہی ہے کہ مفہوم کی ادائیگی کے لیے بالکل ایک نیا متن مرتب نہ ہو اور دوسری جانب کتاب کے لفظی خدوخال سے وابستگی کی وجہ سے مفہوم بھی خلط ملط نہ ہو۔میں اپنے اساتذۂ کرام کا انتہائی ممنون وشاکر ہوں کہ انہوں نے متعدد مشکل مراحل پر میری راہنمائی فرمائی۔رب قدوس سے دعا ہے کہ وہ ان کے علم وعمل اور تمام امورِ خیر میں برکتیں عطا فرمائے،اور اہل سنت پر شیخ ممدوح کا سایہ تادیر قائم رکھے اور علماءِ اہلِ سنت کو خارجیوں،ناصبیوں،یزیدیوں اور دشمنان صحابہ واہل بیت کے شرور سے محفوظ فرمائے۔

آمین بجاہ طٰهٰ ویٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاکپائے علی بن ابی طالب علیہ السلام

علی محمد حسینی

فاضل:الجامعة العليمية الإسلامية،

ساکن:امانی شاہ کالونی،لطیف آباد نمبر ۱۱،حیدرآباد،سندھ

0321-3799546

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

از قلم سید علی بن سید عبد الرحمن الہاشمی الحسنی

مذہبی مشیر برائے رئیس متحدہ عرب امارات

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو ہمارے آقا، اللہ کے انبیاء و رسولوں کے خاتم، محمد بن عبد اللہ پر، آپ کی اولاد، آپ کے اصحاب اور آپ سے محبت کرنے والوں پر، حمد و صلوٰۃ کے بعد:

خدا کے فضل اور اس کی توفیق و عنایت سے میں نے بسہولت علامہ فہامہ شیخ محمود سعید ممدوح کی تصنیف کا مطالعہ کیا۔ میں نے مصنف کی کتاب کو مخطوط شکل میں بغور پڑھا ہے جسے شیخ نے "غاية التبجيل و ترك القطع فی التفضيل" کے خوبصورت نام سے موسوم فرمایا ہے۔ تصنیفی میدان میں یہ شیخ کی چند مفید و یکتائے زمانہ تصنیفات میں سے ہے۔

میں نے اس کے مقدمہ اور ابواب کا مطالعہ کیا، کتاب کو اسم با مسمّٰی پایا جس کی ہمارے بھائی شیخ محمود سعید ممدوح کو توفیق بخشی گئی۔

"غاية التبجيل" کسی چیز کی انتہاء و غایت یعنی اس کی نہایت، سو یہ اہل بیت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انتہائی اور اعلیٰ تعظیم و توقیر سے

عبارت ہے۔ "و ترك القطع فی التفضيل" یعنی تمہارا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق مسئلہ تفضیل میں قطعیت سے اجتناب کرنا، کیونکہ تفضیل امر غیبی ہے جو واضح وصحیح نصوص کا محتاج ہے جو تاویل کی محتمل نہیں ہوتیں۔ ملتِ اسلامیہ نے اپنے مختلف مذاہب کے سبب اس مسئلہ میں اجتہاد کیا ہے، چنانچہ مسئلہ تفضیل میں تمہارا ایک مذہب کو قطعی قرار دینا، مخالفین پر اس کو واجب کرنا اور مخالفت کرنے والے پر بدعتی ہونے کا حکم لگانا، غلط ہوگا۔

شیخ محمود سعید ممدوح نے اللہ کی عنایت وتوفیق سے اپنی اس تصنیف میں متعدد ائمہ علم و دین، مثلاً امام باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام آمدی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام سعد تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم، کے کثیر اقوال کے ذریعے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ مذاہب اسلامیہ میں مسئلہ تفضیل ایک ظنی مسئلہ ہے جس کے متعلق کوئی بھی رائے قطعی نہیں ہے، اور یہ کتاب اس مضبوط بحث کے ثمرات میں سے ایک عظیم ثمر اور مختلف اسلامی مذاہب کی راہِ قربت میں ایک یکتا ومنفرد علمی بنیاد ہے۔ لہٰذا ہم ہمیشہ خالصۃً اللہ جل شانہ کی خاطر اتحاد بین المسلمین کے جذبہ کے تحت علمی مذاکرہ جات اور بحث ونظر کی دعوت دیتے رہیں گے۔

اس عمدہ تحقیق کے ذریعے برادر مصنف کو باہمی قربت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد رکھنے کی توفیق نصیب ہوئی اور اُنہوں نے واضح کردیا کہ مذہب میں مشہور بات اُسی مذہب کے ائمہ کے اقوال کے خلاف بھی ہوتی ہے۔ پس اس سے عیاں ہوا کہ ہم متعدد مسائل میں ایسی عالمانہ ابحاث کے محتاج ہیں۔

کتاب کا مقدمہ اپنے ابواب کے ساتھ مستقل ومنفرد ابحاث پر مشتمل ہے۔ سو مقدمہ مسئلہ مفاضلہ کے اس اہم پہلو پر ہے کہ یہ مسئلہ فروعی ہے یا اعتقادی؟

پھر مؤلف نے ایسی متعدد قرآنی آیات کو بیان فرمایا ہے جو عدالت صحابہ کو

ظاہر کرتی ہیں۔ پھر آپ نے ہمیں متعدد ائمہ اہل سنت و جماعت کی اعتراف کردہ
حقیقت کی جانب متوجہ کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کی
فضیلت میں اسقدر کثیر و مضبوط احادیث جمع نہیں ہوئیں جس قدر امام علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت
میں وارد ہوئیں۔ پھر آپ نے اپنے مقدمے کے اختتام پر معزز قاری کو یہ بات یاد
دلائی کہ حق کی پیروی اشخاص کی آراء کی پیروی سے زیادہ بہتر ہے۔ ایسے ہی ہمارے
امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "ہر ایک کا قول قبول اور رد کیا جاتا ہے سوائے اِس
صاحبِ حجرہ کے، اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مقدسہ کی طرف اشارہ فرمایا"۔

1. جب ہم کتاب کے پہلے باب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اِس باب کو مرکزی فکر کے لیے مخصوص کیا ہے، پس وہ خصوصی طور پر اس بیان سے متعلق ہے کہ مسئلہ تفضیل اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اعتقادی مباحث سے نہیں ہے۔ مصنف اس باب میں امام ابن عبد البر المالکی الاندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں امام ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس امر پر اتفاق کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز محشر اپنے بندوں سے یہ سوال نہیں کرے گا "مَنْ أَفْضَلُ عِبَادِيْ" (میرے بندوں میں سے افضل کون؟)

باب اِوّل ائمہ علماءِ روایت و درایت کی نقول سے بھرا ہوا ہے، اور اسی میں مصنف نے امام باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ قول نقل کیا ہے جو اس باب میں قوی تر ہے کہ:

> "بیشک تفضیل میں کلام کرنا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں خطا مجتہد کو نہ فسق تک پہنچاتی ہے اور نہ ہی اس سے برأت کو واجب کرتی ہے، اس لیے کہ روایت کردہ فضائل کی اکثریت فضیلت کے بیان میں باہم متعارض ہے اور قبولیتِ اسلام میں

سبقت، جہاد اور اس کے علاوہ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں اُن سب میں تاویل کی گنجائش موجود ہے۔"

جیسا کہ مصنف نے امام باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ان کی کتاب کے صفحہ (۵۱۳/۵۱۴) سے نقل کیا ہے۔

رہے وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم صحابہ میں سے کسی ایک کی افضلیت کی قطعیت میں توقف کرتے ہیں یا اُن سب کے فضیلت میں برابر ہونے کی قطعیت میں توقف کرتے ہیں تو بلاشبہ وہ لوگ حق کے زیادہ قریب اور دلائل میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔"

خدا کی قسم یہ واضح قول ہمارے ساتھیوں کے لیے کافی ہے۔ لیکن مؤلف نے قاری کو واضح وصریح، متعدد دلائل کے ساتھ سیراب کرنا چاہا ہے، وہ تلاش وتحقیق کرتے ہیں، ایک فائدے کے بعد دوسرا فائدہ لاتے ہیں۔ قاری جوں جوں آگے بڑھتا ہے تو اس کی حیرت کتاب ومصنف کے بارے میں بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مصنف نے محض نقول کی بھرتی نہیں کی بلکہ روایات کا تجزیہ، تصحیح، تضعیف اور توجیہ بھی بیان فرمائی ہے۔

❷ پھر مصنف ہمیں دوسرے باب کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور وہ انتہائی شاندار ہے۔ مصنف نے ہمیں امام ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کی روایات سے آگاہ کیا ہے کہ:

"ہمارے امام مالک رحمہ اللہ کے شیوخ پر مشتمل مدینہ منورہ کے علماء کی ایک جماعت اور ان کے شیوخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی فضیلت کے تقابل میں توقف اختیار کرتے تھے"۔ پھر بیان کیا کہ امام الظاہریہ، امام داود بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس کی تائید میں دو عظیم امام ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور محمد بن علی المازری رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال پیش کیے ہیں۔

مؤلف نے اپنی قوتِ بیان واصابت رائے کی بدولت اس باب کے آخر میں اہل سنت کی دلیل افضلیت پر ایک اشکال قائم کیا ہے اور علماء سے علمی دیانت داری کی بنا پر اس اشکال کا حل طلب کیا ہے۔اس انداز سے وہ باہمی مشارکت کی طلب اور کنارہ کشی اور تنہائی سے اجتناب کے خواہاں ہیں۔

◆ ۳ پھر مصنف تیسرے باب کی طرف منتقل ہوئے ہیں اور وہ خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم کے ساتھ مخصوص ہے۔اس باب میں مؤلف کا موقف ایک عالم، محقق اور باریک بین کا موقف ہے۔جو دوسروں کی بے جا مخالفت کو خاطر میں نہیں لاتا اور اسی قول کو اختیار کرتا ہے جس کو وہ درست سمجھتا ہے بلکہ قول کی تحقیق اور توجیہ بھی کرتا ہے،اور مجھے مصنف کے،شیخ محی الدین ابن العربی قدس اللہ سرّہ سے نقل کردہ قول نے بہت مسرور کیا۔شیخ اکبر فرماتے ہیں:

"امامت میں ایک شخص کا تقدم دوسرے شخص پر محض زمانہ کے تقدم کے باعث ہے اور اس سے فضیلت کا تقدم لازم نہیں آتا،بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملّتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم فرمایا ہے لیکن اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ سے بڑھ کر اتباع کے حقدار ہیں بلکہ یہ حکم صرف تقدمِ زمانی کے باعث ہے۔کیونکہ زمانہ کے لیے بھی تقدم کا حکم حاصل ہوتا ہے زمانہ کی جہت سے نہ کہ مرتبہ کی جہت سے۔"

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہی صورت رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کی ہے،سو بلا شبہ حکمت الٰہی نے خلافت کی ترتیب خلفاء کرام کی وفات اور امورِ خلافت کے ان اہم معاملات کے مطابق رکھی جو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم

میں سے ہر ایک کے لیے لازمی تھے۔ باوجود اس کے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے خلیفہ کے وقت خلافت کی اہلیت کا حامل تھا۔ اللہ عزوجل کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ چاروں خلفاء میں سے ہر ایک کو لازمی طور پر حکومت ایک خاص ترتیب سے ملے گی جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے اگر خدا بعد میں آنے والے خلیفہ کو مقدم کرنے کا فیصلہ کرتا تو بیشک پہلے خلیفہ کو معزول کر دیتا یہاں تک کہ خلفاء میں سے وہ فرد جس کے لیے اللہ نے اس خلیفہ کے بعد حکومت لازمی کر دی تھی، وہ حکومت سنبھال لیتا۔
خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب خلافت میں ان کی عمروں کا اعتبار ہے تاکہ کوئی بھی خلیفہ حق حکومت رکھتے ہوئے معزول نہ ہو، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل ہیں۔"

پھر شیخ محمود سعید نے متعدد ائمہ اہل سنت مثلاً ابو منصور بغدادی، ابو بکر باقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ اور ابن بطال اندلسی سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل کی موجودگی میں مفضول (کم درجہ والا) کی امامت کو جائز سمجھتے تھے۔

مختلف اسلامی مذاہب کی باہمی قربت کے لیے یہ قول بہترین آغاز ہے، اور اس بات کی وضاحت ہے کہ ایک وسیع علم کا حامل عالم، یقیناً ایسے کم علم والے سے ممتاز ہے جو جامد رائے رکھتا ہے، فقط اُسی کو حق مانتا ہے اور اختلاف سے اعراض برتتا ہے۔

مؤلف نے تیسرے باب کے اتمام سے قبل ہمیں امام حسن علیہ السلام کی افضلیت کے حوالے سے ایک بہترین نکتہ بتایا ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ جو حضرات خلافت کو افضل کے لیے خاص مانتے ہیں ان پر اس سوال کا جواب دینا لازم ہے کہ ترتیب خلافت میں حسن بن علی علیہما السلام پانچویں ہونے کے باوجود افضلیت میں متأخر کیوں ہیں؟

❹، ❺ مؤلف نے افضل کے تعین میں چوتھے اور پانچویں ابواب میں علماء کے مختلف مذاہب کا ذکر کیا ہے جن کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔ پھر ایک فصل ان حضرات کے اقوال پر قائم فرمائی جو نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں وصال یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل ہیں۔

پھر مؤلف نے اگلے باب میں تعیین افضل پر انیس اقوال ذکر فرمائے ہیں اور یہ کتاب کا اہم ترین باب ہے۔

مؤلف (خدا انہیں جزائے خیر عطا فرمائے) ایک حاشیہ میں یہ بیان کرنا نہیں بھولے کہ بعض ائمہ کا رجحان اس طرف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امت پر فضیلت صرف سابقین اور انصار کے واسطے ہے ورنہ امت میں کبھی ایسے ذی شان لوگ بھی آتے ہیں جو پچھلے لوگوں سے بھی افضل ہوں، اور یہ بہت پیچیدہ و گنجلک علمی مباحث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حل میں مؤلف کی مدد فرمائے، انہیں ثابت قدم رکھے اور انہیں سیدھی و معتدل راہ پر چلائے۔

مؤلف نے مسئلہ تفضیل میں اختلاف امت کے حوالے سے مخصوص باب کو امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے شروع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قاضی عبدالجبار شافعی سے اس کا ہم معنیٰ قول ذکر کیا ہے۔ پھر مؤلف نے مختلف اقوال کو بیان کرنا شروع کیا اور محض ایک ناقل کی طرح صرف نقل پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایک باریک بین محقق کی طرح ماوراء نصوص کو اچھی طرح جانچتے ہوئے ان کی تصحیح اور تضعیف کی، مسئلہ کی خوب جانچ پڑتال اور اس کی توجیہ کی، موافقت کے مقام پر موافقت اور اختلاف کی جگہ پر اختلاف کیا۔ یہی جید محققین کا طریقہ کار ہے جو (بوجہ جمود) ہم میں مفقود ہو گیا ہے۔ ان شاء اللہ قارئین کرام عنقریب جب مؤلف کی ذہانت و فطانت اور دلائل پیش کرنے کی مہارت پر مطلع ہوں گے تو مسرور ہوں گے۔

فاضل مصنف اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ذکر کے وقت محبت سے لبریز نظر آتے ہیں اور اُن پر وہ مودّت غالب آجاتی ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس باب کی خوشگوار باتوں میں سے مؤلف کا ایک وضع کردہ عنوان "تنویر الأفئدة الزكية بتفضيل البضعة النبوية" (۱) ہے۔ جس میں انہوں نے متعدد ائمہ اہل سنت کے حوالے سے سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے احترام اور اُنہیں مقدّم ماننے کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمایا کہ

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے"۔

مؤلف نے اس بحث اور باب کو اس اثبات کے ساتھ مکمل فرمایا کہ سیدتنا فاطمہ علیہا السلام تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں اور ان کی والدہ سیدتنا اُمنا خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے افضل ہیں۔

آپ نے اس باب کے حاشیہ میں اہل کساء کی افضلیت پر علامہ سید سمہودی کی ایک منفرد بحث کو شامل کیا ہے۔

اور میں اسی مناسبت سے استاذ محقق وفقہ اللہ تعالیٰ کو رسالہ "تنوير الأفئدة الزكية بتفضيل البضعة النّبوية" الگ شائع کرنے کی درخواست کرتا ہوں جو یقیناً ایک منفرد علمی تحفہ ہوگا۔

جس چیز سے اس باب کی مضبوطی میں مزید اضافہ ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مصنف نے مسئلہ تفضیل کے باب میں مختلف مذاہب کو نقل کرنے میں بڑی حد تک امام ابو بکر باقلانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کیا ہے۔

۶ پھر ہم چھٹے باب کی طرف آتے ہیں اور یہ اس کتاب کے موتیوں میں سے ایک موتی ہے۔ علم و معرفت کے طلبگار علماء محققین اور اربابِ بحث و نظر کے

---

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ کی افضلیت میں پاکیزہ قلوب کی ضیاء ہے۔

اس کو محقق لیے باعث فخر ہے۔ یہ بابِ کشادگی اور باعثِ فتوح وقربت ہے۔ جو امام علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس باب کی بابت ہماری رائے نے ان حضرات کے ذکر کے لیے مخصوص کیا ہے۔ کے مطابق غالب گمان یہی ہے کہ فاضل محقق نے تحقیق و چھان بین میں بہت مشقت وصعوبت اٹھائی یہاں تک کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت پر مطلع ہو گئے۔ اس باب میں مفید تحقیقات ہیں جن سے استفادہ کے لیے اذہان وقلوب کا وسیع ہونا لازمی ہے۔ لیکن جو شخص اس عالم میں یکہ وتنہا چلنے پر راضی ہو تو یہ باب اسے کچھ فائدہ نہ دے گا، یہ باب اہل حق وانصاف کے حق میں ہی مفید ہے۔

اور اس باب کا اہم ترین نتیجہ یہ ہے کہ مصنف نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو دَور اول کی بنیاد سے مضبوط کیا ہے اور یہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا مذہب ہے جیسا کہ امام ابن عبد البر، امام باقلانی، ابن حزم اور دوسرے ائمہ دین نے اس بات کی تصریح کی ہے، اور اس کتاب میں محض مسئلہ تفضیل کی پیچیدگی کا حل ہی نہیں بلکہ فاضل محقق (خدا اُن کی نگہبانی فرمائے) نے ہم پر نقول وتحقیقات کے دروازے کشادہ کر دیئے ہیں۔

اس باب میں مصنف کے پیش کردہ دلائل میں سے ایک واضح دلیل وہ ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند (ج ۵ ص ۳۵۰) میں اور فضائل الصحابہ (رقم ۱۱۸۰) میں، نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الخصائص" (رقم ۹۷) میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکل الآثار میں (ج ۴ ص ۱۶۰) صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی اپنے والد سے روایت کردہ طویل حدیث سے مصنف نے ایک حصہ نقل کیا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''پس کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد میرے نزدیک علی رضی اللہ عنہ
سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔''

اور اس باب میں سے ایک دلیل وہ ہے جسے خلال رحمہ اللہ تعالیٰ نے "السنّة" (رقم ۴۵۲) میں نقل کیا۔ حضرت معاویہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک شخص حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ مسجد نبوی میں تھے، اس نے کہا: اے ابوذر! کیا آپ مجھے اس شخص کے متعلق نہیں بتلائیں گے جو آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو وہی شخص محبوب ترین ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں رب کعبہ کی قسم، بیشک میرے نزدیک لوگوں میں محبوب ترین شخص وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین تھا اور وہ یہ بزرگ ہیں۔ یہ بتاتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ فرمایا جو اُن کے سامنے نماز ادا فرما رہے تھے''۔

صوفی، علامہ، مؤرخ، امام عبداللہ یافعی اشعری کے اشعار نے مجھے مبہوت کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی مدحت کرتے ہوئے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1. ظلمتوں کو مٹانے اور روشن کرنے والے اپنے بدرمنیر رسول ﷺ سے علم نبوّت اور منصبِ نیابت پانے والے۔
2. ان کی روشن سنتوں کے پرچم بیضا کو تھامنے والے، اور بدعتوں کی کجی کو درست کرنے والے۔
3. حسن وحال کو نکھارنے کی خاطر ہر پیچیدہ بات کے چہرے سے دبیز پردے اٹھانے والے۔
4. علم اسرار کے پوشیدہ برتن، مخفی رازوں کے منبع، حکمتوں کے گھاٹ اور سیرابی کے مرکز۔

۵ اگر پوچھا جائے کہ کس نے جام بھر لیا؟ تو کہو اُس نے جو ناپنے والا، نڈر شیر اور محاسن و کمالات میں بلند تر ہے، یعنی ابو الحسن۔

۶ تینوں خوبیوں کو جمع کر لیا، (۱) رضاءِ الٰہی سے سعادت مند ہوا، یہ مرفوع حدیث سے ثابت ہے مرسَل سے نہیں۔

۷ (۲) ساتھ ہی یہ ارشاد کہ ''تو مجھ سے ہے'' اللہ اُن سے محبت کرتا ہے، یہ تیسری خوبی ہوئی، اپنے ہم جنسوں میں ولایت میں اول ہے۔

۸ ان کے فضائل میں تمہیں صحیح روایات ہی کافی ہیں، ان کے فضائل میں عالی رتبہ ہستی ﷺ نے جیسے موتی پروئے کسی دوسرے کے لیے نہیں پروئے۔

اس طرح میں نے دیکھا کہ شیخ مختلف و متعدد مصادر و مراجع سے نصوص نقل کرتے ہیں تا کہ محلِ بحث صحابی (اوپر مذکور، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جمیع صحابہ پر تفضیل کا قول کرنے والوں سے ثابت ہو جائے، اور اسی طرح مصنف نے جلیل القدر صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو تفضیلیوں سے ثابت کیا ہے۔

اور جب ہم اہل علم کو تمام مستند و ثقہ اسلامی مذاہب کے متعلق ابوابِ بحث کھولنے کی ترغیب دلائیں گے تو محقق شخص مسئلہ تفضیل کے باب میں معتزلی مذاہب کو بھی نقل کرنا نہیں بھولے گا۔ مسئلہ تفضیل کے متعلق قاضی عبد الجبار اسد آبادی معتزلی شافعی (المغنی ج۲۰ جز ۲ ص ۱۲۰) میں فرماتے ہیں:

''لیکن ہمارے اکثر بغدادی شیوخ حضرت علی علیہ السلام کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانتے ہیں، اور اس معاملے میں اُنہوں نے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک اعمال اور فضائل کا موازنہ ہے۔ پس وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہر فضیلت کے مقابلے پر حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کو لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ فضیلت و امتیاز کے بیان میں وہ دو طریقے اختیار

کرتے ہیں یا تو وہ امتیاز و فضیلت کو کثرت فضائل سے یا بوجہ سبب تعظیمی کے مقرر کرتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ اس مسئلہ میں وہ ان احادیث پر اعتماد کرتے ہیں جو اس باب میں روایت کی جاتی ہیں، مثلاً حدیث الطیر وغیرہ، لیکن ہمارے شیخ ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے معاملے میں، ان احادیث کی بناء پر جن کی صحت یقینی ہے، قطعیت کے قائل ہیں۔ پھر وہ اعمال کے باہمی موازنے کو بھی اس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے فضائل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر بوجہ کثرت اور بوجہ اسباب تعظیم امتیاز و فضیلت حاصل ہے۔

اور اس باب میں پیش کردہ دلائل بہت زیادہ ہیں اور میں نے اس بات کو منتخب کیا ہے جس میں بہت سے دلائل ہیں۔ شیخ محمود سعید ممدوح نے اُسے بیان کیا ہے۔ (تاریخ دمشق ج ۳، ص ۳۱۱) میں ابن عساکر کی ابن ابی خیثمہ تک سند کے ساتھ از احمد بن منصور بن سیار از عبد الرزاق مروی ہے انہوں نے فرمایا:

> "ایک دفعہ معمر نے کچھ کہا اور مسکرائے اس وقت ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا اور میں آپ کے سامنے تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ تو معمر نے کہا کہ مجھے اہل کوفہ پر بڑی حیرت ہے گویا کہ حبِ علی ہی کوفہ کی اساس و بنیاد ہے۔ میں نے جس معتدل شخص سے گفتگو کی تو اسے افضلیت علی علیہ السلام کا قائل پایا۔ سفیان ثوری بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبد الرزاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے مَعْمَر سے اس بارے میں کچھ کہا تو انہوں نے مجھے اس طرح دیکھا گویا میں نے اس بات کو بڑی جسارت سمجھا ہو۔ تو معمر نے کہا: تو کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ علی علیہ السلام میرے نزدیک شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو میں اسے

ڈانٹوں گا نہیں جبکہ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضلیت کا بھی اقرار کرے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عمر سیدنا علی اور ابو بکر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں تو میں اسے بھی نہیں جھڑکوں گا۔ امام عبد الرزاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات وکیع کو بتائی اور ہم اکیلے تھے تو وکیع نے اس بات کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے، اور فرمایا: سفیان کا ہمارے ساتھ اسقدر قریبی تعلق نہ تھا۔ لیکن انہوں نے **معمر** پر اس بھید کو ظاہر کر دیا جسے وہ ہم سے چھپاتے رہے"۔

اس روایت میں بہت سی مشکلوں کا حل ہے۔ پس یہاں مکمل علمی اور تحقیقی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ جو خدمتِ دین کی راہ میں خالصۃً کشادگی و وسعت کے لیے نمو پاتی ہے۔

◆۷ پھر فاضل محقق (اللہ رب العزت انہیں ہدایت و اصابت رائے کی دولت سے ہمیشہ مالامال رکھے) معز زقاری کو ساتویں باب میں اس امر کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دینا، ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا مذہب ہے۔

◆۸ پھر اسی مناسبت سے مصنف نے ساتویں باب کے بعد آٹھویں باب کو رکھا جو اجماع کے دعووں کی تحقیق کے ساتھ مخصوص ہے، اور مؤلف نے اس باب کو آٹھویں نمبر تک مؤخر کیا کیونکہ مصنف نے مسئلہ تفضیل میں کیے گئے اجماع کے دعووں کے خلاف مکمل طور پر پچھلے ابواب میں فیصلہ کر دیا تھا۔ سو مصنف کی اس قدر مفید و جامع ابحاث کے بعد ہمیں اس باب کی حاجت نہیں تھی۔ لیکن فاضل مصنف نے یہ چاہا کہ اجماع کے دعووں کا باب بند کر دیا جائے اور ہر شبہ کو دور کر دیا جائے تو آپ نے علماءِ اصول کی تعریفات کی

روشنی میں اجماع کے دعووں کا سختی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اجماع کی اصطلاح مسئلہ تفضیل پر منطبق نہیں ہوتی اور کثیر مجتہدین اہل بیت، صحابہ کرام اور تابعین عظام، رضوان اللہ علیہم کی موجودگی میں مسئلہ تفضیل کے متعلق اجماع کے وجود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۹ ایک موتی سے دوسرے موتی کی طرف منتقل ہوتے ہوئے مؤلف ہمیں نویں باب تک لے جاتے ہیں، اور اس باب کو انہوں نے ان اقوال کے جائزے کے لیے مخصوص کیا ہے جو بعض علماء سے صادر ہوئے ہیں۔ بعض اوقات یہ اقوال ان کی جانب غلط منسوب ہوتے ہیں یا انہوں نے وہ باتیں خاص پیرایوں میں ارشاد فرمائی ہوتی ہیں یا ان اقوال کو ظاہر کرنے میں ان کی کچھ اغراض تھیں۔ جیسا کہ انکا یہ قول کہ: ''جس شخص نے علی کو عثمان پر مقدم کیا تو اس نے مہاجرین اور انصار کی تنقیص و توہین کی''۔

خدا کی قسم بیشک مہاجرین کی ایک جماعت وہ تھی جس نے حضرت علی کو حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم مانا ہے۔ تو یہ باتیں کیوں کی جاتی ہیں جو باہمی جھگڑے اور اختلاف کی خلیج میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں؟ فاضل محقق نے اس باب میں ان موضوعات کا گہری و روشن فکر اور انتہائی احتیاط کے ساتھ جائزہ لیا ہے، اور کامل ادب کے ساتھ اس باب میں بھی باقی ابواب کی طرح مصنف کو ان عمدہ اوصاف کی موافقت نصیب ہوئی ہے۔ وہ امام ابن کثیر، ابن تیمیہ اور امام ذہبی سے بحث کرتے ہیں لیکن اسلامی آداب کے التزام، متقدمین علماء کے فضل کے اعتراف اور ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

⑩ پھر مصنف (حدیث واثر کا عمیق جائزہ) کے زیر عنوان دسویں باب کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہ حدیث جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث ۳۶۵۵) کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم کسی کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے۔ پھر ہم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یکساں مانتے تھے اور ان کے مابین فضیلت کا تقابل نہیں کرتے تھے۔"

اور امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین فرد ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں اور اگر میں چاہتا تو تمہیں تیسرے فرد کا نام بھی بتاتا۔"

حدیث مذکور کے متعلق محقق شیخ محمود سعید ممدوح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پُر اشکال ہے اور بالاتفاق اس کا ظاہر متروک ہے۔ یہ تو قرآن مجید کے بھی خلاف ہے جس نے سابقون الاوّلون کو فضیلت بخشی اور جس نے فتح مکہ سے قبل انفاق وقتال کرنے والوں کو فضیلت عطا کی پھر یہ اس تواتر کے بھی مخالف ہے جو سنت مبارکہ میں بکثرت بعض صحابہ کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر، گروہی اور انفرادی طور پر فضائل وکمالات دینے سے متعلق ہے۔

پھر یہ باقی عشرہ مبشرہ، خلفاء اربعہ، اہل کساء اور اُمّہات المؤمنین کی افضلیت میں وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کے بھی خلاف ہے۔

پھر فاضل محقق نے اس حدیث کے مفہوم میں بعض علماء کی عبارات اور ان کے اتفاق کو بیان کیا ہے کہ بیشک یہ حدیث متروک الظّاھر ہے اور فاضل محقق کی دلیل یہاں بہت اچھی ہے، اہل نظر وارباب استدلال کو اس سے غفلت برتنا جائز نہیں ہے۔

اسی لیے میں نے مؤلف کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی اس حدیث کے خلاف رائے رکھتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کو بکثرت ظاہر کیا کرتے تھے۔ امام عبد الرزاق نے "المصنف" (ج ۱۱، ص ۲۳۲، رقم ۲۰۴۰۸ میں)، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "فضائل الصحابة" (رقم ۱۰۱۲) میں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "الخصائص" میں (رقم الحدیث ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶) صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، حضرت علاء بن صرار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

> "وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے غزوہ احد میں پسپائی دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا پھر ان سے کچھ بھول ہوئی تو لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ پھر اس شخص نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ان کے متعلق نہ پوچھ، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ نہیں دیکھا؟"

پھر اثر علی کی باری آئی تو مصنف نے ثابت کر دیا کہ وہ قول تو بطور کسر نفسی اور خود کو پست ظاہر کرنے کے لیے صادر ہوا تھا۔ جیسا کہ ہمارے آقا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان مبارک ہے:

> "میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں"۔

⑪ پھر "خلفاء ثلاثہ اور اہل بیت اطہار" کے زیر عنوان گیارہویں باب کا مرحلہ آتا ہے۔ مصنف نے خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فضائل کی ابتداء کی ہے۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چند مناقب کو بیان فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے بعض مناقب کو بیان

کرتے ہوئے ان کا تذکرہ فرمایا۔ مصنف کے ساتھ اس باب میں یقیناً توفیق الٰہی شامل حال رہی ہے۔ اس ذکر خیر پر کتاب کو اس لیے اختتام پذیر کیا گیا تاکہ کوئی بے وقوف شخص مصنف کو برے خیالات کے ساتھ متہم نہ کرے، اور مصنف نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے تو وہ باعتبار ترتیب خلافت کے ہے۔ پھر مصنف نے پانچویں نمبر پر خلیفہ راشد امام حسن علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے اور اس طرح مصنف اپنی گہری بصیرت، اپنی باریک و مربوط بحث، اپنی وسیع معلومات کے ذریعے باہمی بحث سے استدراک کو پیدا کرنے کی صلاحیت اور اپنے شاندار اظہار بیان کے ذریعے، جسے ہر ماہرِ علمِ بیان تسلیم کرے گا، ہمیں آگے لے جاتے ہیں۔

پھر مصنف نے اس مفید باب کا اختتام متعدد ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے تذکرے پر کیا۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی الفت و محبت واجب ہے، اور ان کو برا کہنا یا ان کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہونا حرام ہے۔ مصنف نے یہاں خصوصی طور پر حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کیونکہ جس شخص نے علی ؑ کو برا کہا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا، اور اس مقام پر شیخ کی قوت ادراک ورائے ظاہر ہوتی ہے، اور شیخ کی دلیل نے محققین کو ان تمام باتوں کا استدراک کرنے کے لائق بنایا جو مسئلہ تفضیل کے حوالے سے۔ بہت سے محققین کی نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

اور کتاب کے حسن اختتام کے لیے امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ قصیدہ نقل کیا ہے، جس کے مَطْلَع میں وہ ارشاد فرماتے ہیں:

1. علی کے چاہنے والے کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے، جس نے شرافت و بزرگی کے بلند ترین مرتبے کو پایا ہے۔

- اور یہ تحفہ ہر سچے شخص کے قلب کو زندہ کر دے گا، اس کا دل عمدہ عمارت میں اترنے والے کی محبت سے لبریز ہے۔
- اور ہر بھری محفل کو اس لہجہ و فصاحت کے ساتھ پکارتا ہے، کہ ہر سو بہترین مشک کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔
- یہ دو جہانوں کی خوشبو سے نہیں ہے مگر دونوں جہانوں کو اس نے بہترین خوشبو سے مہکا دیا ہے۔
- اس کی نشر و اشاعت سے اپنی سماعتوں کو تقویت دو، اور نظم کے ہر جام کو خوب چوس کر سیراب ہو جاؤ۔
- ہمارا امام علی علیہ السلام احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں مخلوق پر سبقت لے گیا جب وہ بچہ تھا۔

آخر میں مَیں برادر فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح کے لیے اپنی جانب سے انتہائی تعظیم کا اظہار اور مسئلہ تفضیل میں ان کی منفرد بحث پر بہت فخر و خوشی محسوس کرتا ہوں اور اہل بیت اطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان کی سچی محبت پر ان کی تعریف کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہ بحث اتحاد بین المسلمین کے داعی علماء کے لئے خصوصی طور پر اور جلیل القدر ائمہ کرام کے متبعین کے لئے عمومی طور پر ایک پل اور دروازے کا کام دے گی، تمام حضرات کو اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

بے شک اسلام علم اور مفید و بامقصد راہ نمائی کرنے والے مباحثے کی طرف بلاتا ہے۔ رہا مخالفین پر طعن و تشنیع کرنا یا عیب جوئی و نکتہ چینی کرنا یا کافر و بدعتی قرار دینا تو بیشک یہ جائز نہیں۔

اور جب صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم مسئلہ تفضیل میں اختلاف کرتے تھے تو ہم

کیوں ان کی مخالفت کریں اور یہ دعویٰ کریں کہ مسئلہ تفضیل قطعی ہے، اور مخالف کو بدعتی ٹھہرائیں یا اسے بری نیت اور برے خیال سے تکلیف دیں حالانکہ ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے۔

اور جبکہ ہم اہل بیت اطہار علیہم السلام سے محبت کرنے والوں میں سے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام اپنے جد اعلیٰ سیدنا علی علیہ السلام کو ہر ایک پر مقدم مانتے تھے تو ہم کیوں ان کے عقیدے پر کار بند شخص کی مخالفت کریں؟

اللہ تعالیٰ ہمارے برادر فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح مدّ ظلہ العالی کو ان کی مضبوط بحث کا صلہ عطا فرمائے۔

میں ایسے متعدد علماء کو جانتا ہوں جو شیخ کی فراوانیٔ علم کے ساتھ ساتھ ان کی نرم خو طبیعت، حسنِ نیت اور علما و صلحاء کے تقوی و پرہیزگاری سے آراستہ ان کے کردار کے معترف ہیں۔ میں نے شیخ کی بعض دوسری کتب کا مطالعہ بھی کیا ہے اور مجھے بہت خوشی ہوئی بلکہ میں نے دیگر لوگوں کی طرح ان کتب سے استفادہ کرنے والا ہوں۔ فاضل مصنف (اللہ انہیں مزید تصنیف و تالیف کی توفیق عنایت فرمائے) کی چند تالیفات درج ذیل ہیں۔

1. رفع المنارة لتخريج أحاديث التوسّل والزيارة.
2. ألتعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف.
3. الإحتفال لمعرفة الرواة الثقات الّذين ليسوا في تهذيب الكمال.
4. كشف الستور عما أشكل من أحكام القبور
5. تنبيه المسلم الى تعدى الألباني على صحيح مسلم.

اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی ابحاث اور تمام امور میں اپنی خاص توفیق ان کے شامل حال فرمائے اور انہیں اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے ساتھ اللہ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو انہیں دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا اور یہی لوگ عقل والے تھے۔

وصلی اللہ وسلم وبارك علی سیدنا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعين۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين۔

اپنے بے نیاز رب کی مغفرت کا امیدوار

سید علی بن سید عبد الرحمٰن الہاشم الحسنی

مشیر برائے عدالتی و دینی امور، دفتر رئیس مملکت، ابوظہبی

۷ صفر ۱۴۲۵ھ/ بمطابق ۲۸ مارچ ۲۰۰۴

معزز و مقتدر ائمہ دین کی تقاریظ

تقریظ اوّل

علامہ، فقیہ، سید سالم بن عبد اللہ بن عمر شاطری باعلوی الحسنی مدظلہ العالی

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے علم کی بناء پر لوگوں کو بلند کیا، اور جہل کے سبب دوسروں کو ذلیل کیا اور علم کو چراغ بنایا جس سے جہل کے اندھیروں میں ہر گھڑی اور ہر لمحہ ہدایت لی جاتی ہے، اور میں درود و سلام بھیجتا ہوں اپنے آقا سید المرسلین محمد ﷺ پر جن کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے'' اور درود و سلام ہوں آپ کی تمام آل اور آپ کے تمام اصحاب پر اور قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والوں پر۔ أما بعد:

میں نے اپنی بصارت و سماعت کو اس کتاب پر صرف کیا ہے۔ جس کا عنوان "غاية التبجيل و ترك القطع فى التّفضيل" ہے۔ یہ شیخ، فاضل، علامہ جو اس بات کے اہل ہیں کہ انہیں ہر وصفِ حسن، اور استحقاقِ مدح کے لائق سمجھا جائے، جلیل القدر عالم محمود سعید بن ممدوح کی تصنیف ہے، اللہ انہیں اسلام و مسلمین کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں نے اس کتاب کے بعض اجزاء کو بغور پڑھا ہے اور چند اجزاء سے کل پر استدلال کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مصنف نے اس

کتاب میں جو بحث کی ہے اور اس کے اکثر حصے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے پر فضیلت کے ساتھ جو مخصوص کیا ہے اور موضوع کو جن مختلف زاویوں سے جانچا ہے اور اختلافِ علماء کو بیان کیا ہے اور کتاب کو انصاف سے مزین کیا ہے اور کسی گروہ کی عدم تقلید و تقیید سے آراستہ کیا ہے، بالیقین اس کتاب سے عالم وغیر عالم دونوں فائدہ اٹھائیں گے۔ مؤلف نے اپنے اسلوب کی بدولت اس مسئلہ میں عدم موافقت اور تعصب کے باب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ آپ نے تمام اختلافات اور اقوال کھول کر قاری کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ اب قاری کو اختیار ہے کہ وہ جس قول کو پسند کرتا ہو اسے انصاف کے ساتھ قبول کر لے۔ میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب سے امت کو فائدہ پہنچائے اور اس کو خالصتاً رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنائے اور ہمیں حق کی بطور حق پہچان اور اس کا اتباع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں باطل کو بطور باطل سمجھائے اور اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرمائے اور اسے ہم پر مشتبہ نہ کرے کہ ہم خواہشات نفسانی کا اتباع کرنے لگیں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم،

والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ الفقیر الی اللہ

سالم عبد اللہ عمر الشاطری

عفا اللہ عنہ آمین

۷ رجب، ۱۴۲۴ھ/ بمطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۳ء۔

تقریظ ثانی

علامہ، داعی الی اللہ، سید ابوبکر عدنی بن علی المشہور باعلوی الحسینی

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نصرت حق کے لیے افراد کو قدرت عطا کی انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدوں کو سچا کر دکھایا اور صلوٰۃ وسلام ہو امت کے سر دار محمد بن عبد اللہ ﷺ پر کہ آپ اس کے حق دار ہیں اور حق آپ ﷺ ہی سے شروع ہوتا ہے اور آپ ﷺ پر ہی ختم ہوتا ہے، اور آپ کی اولادِ اطہار اور آپ کے صحابہ خیار پر جب تک رات و دن کی گردش باقی ہے۔

اہل بیت کے قضیے اور ملّت اسلامیہ کی زندگی کے سفینۂ نجات نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت وافر حصہ پایا ہے، اور ہر اہل علم و معرفت نے اس موضوع کے مختلف مشہور پہلوؤں کو اپنی جانب سے دلیل و برہان سے مزین کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ اللہ کا اپنی مخلوق میں یہ طریقہ ہے کہ وہ مفاہیم کی حد بندی و صقالت (تزئین) کرتا ہے۔ خصوصاً جب اس عمل کا صدور سادات واشراف کے ساتھ خلوص دل سے محبت کرنے والے اہل انصاف کے ہاتھوں میں ہو، اور اُنہی ہستیوں میں سے ایک اِس مفید و حیرت انگیز کتاب کے مصنف ہیں جنہوں نے اس کتاب میں بہت سی نادر باتیں پیش کی ہیں۔ فاضل مصنف نے اس کتاب پر مسلسل وانتھک جدو جہد اور تحقیق کی ہے، جس کی بدولت آپ نے اس کتاب کو حسّی و معنوی طور پر اس فن میں کی گئی دیگر ابحاث

سے منفرد وممتاز کرلیا ہے کیونکہ ہمارے بزرگ، فاضل مصنف اپنے علم پر کامل رسوخ اور اپنے قلم کے استعمال پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ پس آپ نے کام کا آغاز کیا اور خوش اسلوبی سے مکمل کیا، باریک بینی کی بساط بچھائی اور خوب طویل بحثیں کیں، اس کے ساتھ ساتھ کسی بھی مقام پر آپ نہ تو ژولیدگی بیان کا شکار ہوئے اور نہ ہی کمزور پڑے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اہل بیت کرام، اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اگر میری بہت زیادہ مصروفیات نہ ہوتیں تو میں مصنف کی تحریر کردہ ایک ایک فصل کے بارے میں اپنی رائے قلمبند کرتا لیکن میں نے قرأت اور مطالعے پر ہی اکتفاء کیا ہے میں اپنی تقریظ کو انتہائی حقیر پاتا ہوں حالانکہ سمندر تو اپنی اصل اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے بہت وسیع وعمیق ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ جس نے ہمارے بزرگ محمود سعید ممدوح کے ہاتھوں سے یہ عظیم الشان خدمت لی۔ ہم ان کے لیے توفیق الٰہی کی دعا کرتے ہیں اور اس راہ میں ہماری سچی محبتیں ان کیساتھ ہیں۔ ہم ان کی تمام ابحاث سے مکمل طور پر اتفاق کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ روز محشر ان کے لیے عظیم اجر اور مشہور ثناء ہوگی ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے یہ اللہ کا فضل ہے اور خدا ہی کافی جاننے والا ہے۔ (اللّٰھم آمین)

کتبہ الفقیر إلی اللہ، داعی إلی اللہ و رسولہ
پیشہ ورانہ اسلامی تعلیمی وتربیتی اداروں کے جنرل سیکریٹری

أبو بکر عدنی بن علی مشھور

تقریظ ثالث

علامہ، داعی الی اللہ، سید عمر بن محمد بن
سالم بن حفیظ باعلوی الحسینی

بھلا جس کا سینہ اللہ نے کھول دیا دین اسلام کے لیے سو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت عطا کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

اللہ کی رحمت و سلامتی ہو اپنے حبیب اور انتہائی شفیق بندے پر اور آپ کی منبع فضیلت و عظمت اولاد پر اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت و دعوت دینے والے آپ کے جملہ اصحاب پر اور ہر اس شخص پر جو نیکی، پیار، محبت اور تعظیم کے ساتھ آپ کی پیروی و اتباع کرے بعد حمد و صلوٰۃ:

میں نے علامہ، صاحب نجابت و فضیلت، محدث، عظیم الشان سند اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والوں کے سلسلے سے متصل، حاکم ذو الجلال کی عنایات سے موصوف و معزز، شیخ، فاضل و ماجد محمود سعید بن ممدوح کی تصنیف "غاية التبجيل و ترك القطع في التفضيل" کے کچھ ابواب کو بغور پڑھا ہے، میں نے اسے کامل جواب، وسیع و وافر علم، کافی و مکمل تحقیق، شافی علاج اور انصاف سے لبریز پایا۔ ایسا مسئلہ (تفضیل) جس میں ظن بروئے کار ہے اور صدیوں تعصب کی وجہ سے اس اختلافی مسئلے

سے پراگندگی، فرقہ واریت، تکلیف دہ باتوں اور آپس کی دوریوں نے جنم لیا ہے، یہ کتاب تمام گروہوں اور دلوں کو یکجا کرنے کی راہ استوار کرے گی، اور ہر وہ مؤمن جس کے دل میں دولتِ ایمان مضبوط کی گئی، جو رحمٰن کے حبیب ﷺ کی عظمت پر یقین رکھتا ہے وہ ان کے اہل بیت علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتخابات کے راز کو اس یقین کی بدولت بخوبی جانتا ہے جس نے اپنے حبیب ﷺ کو چنا اور خصوصیت عطا فرمائی۔ اسی یقین کی بناء پر اور رب الارباب اور اس کے حبیب افضل و اعلیٰ سید الاحباب ﷺ کی وجہ سے ایمان، اہل بیت اطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم اور ان کی سچی محبت پر ابھارتا ہے۔

بلاشبہ اس مبارک کتاب اور عمیق بحث میں مشترک آراء کی تائید اور تقویت ہے جو ملت اسلامیہ کے مختلف گروہوں کے صاحبانِ عدل واعتدال کو یکجا کرتی ہے۔ یہ ہر صحابی و اہل بیت کے ہر فرد کی محبت، وجوبِ تعظیم، اور ہر خلیفہ راشد کی حکومت کی صحت اور اس کے اثبات کی حامل ہے۔ جو شخص بھی کسی امر کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی کی افضلیت کا قائل ہے تو اسے بدعتی و فاسق نہ گردانا جائے، چنانچہ جو شخص کسی کی رائے سے اختلاف کرتا ہے تو اس اختلاف کو اس شخص کی تنقیص و اہانت اور عیب جوئی کا ذریعہ نہ بنائے۔ کیونکہ ان میں سے کسی کی افضلیت کے متعلق نص صریح، دلیل قطعی اور یقینی ثبوت موجود نہیں ہے، اور بلاشبہ پرہیزگار اور محتاط افراد کا طریقہ مسئلہ تفضیل میں توقف اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیخ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہیں کامل و عالی مرتبت اور صاحب فضیلت بنائے، انہیں کشادگی و اجر عظیم عطا فرمائے اور اُن کی کتاب سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے، دنیا و آخرت کی وہ تمام بھلائیاں جس کی انہوں نے امید و توقع کی، اس سے بھی زائد عطا فرمائے۔

صاحبِ معرفت ومحبت، امام عبداللہ بن علوی بن محمد الحداد کیا خوب فرماتے ہیں:

۱ رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاکیزہ گھرانہ ہے، انکی محبت، موذت کی طرح واجب ہے۔

۲ وہی اپنے نبی ﷺ کے بعد حاملین دین ہیں، اور وراثت کی بدولت وہی زیادہ مجد و شرف والے ہیں۔

۳ ان کے نیک سیرت اور معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار کے امام ہیں، جو نصرت دین پر کمر بندر ہے۔

۴ ان سے منہ نہ موڑ، بیشک وہ مطلع ہدایت ہیں، اور انہوں نے قرآن وسنت کا علم امت تک پہنچایا ہے۔

۵ ان کی تنقیص وتوہین کرنے والا اپنے دین کو منہدم کرتا ہے، اور خصومت و ظلم اور بدعت میں اپنے آپ کو پھنسانے والا ہے۔

اور یہ تقریظ ہم نے عارف باللہ، نبی ﷺ کی وراثت میں کامل، امام محمد بن عبداللہ شیخ ابوبکر بن سالم کے گھر کے آنگن میں رقم کی، جسے حبیب حسن بن احمد بن علی بن شیخ ابوبکر بن سالم نے قائم فرمایا تھا، اور ہم ان کی طرف اور اُن کے وسیلہ سے ان کے جدامجد امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی طرف اسناد کرتے ہیں کہ ہم نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نبوی گھرانہ کی اولادِ طاہرہ علیہم السلام کی موذت، تعظیم اور توقیر ورثے میں پائی ہے۔

كتبه عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ ابن الشيخ أبوبكر

ليلة الجمعة ٨ رجب، ١٤٢٤ھ/ ٤/ ٩/ ٢٠٠٣ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو جس پر چاہے اپنی نعمتوں سے فضل فرماتا ہے اور اسی نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت بخشی، اللہ کی رحمتیں، سلامتی اور برکتیں ہوں ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور ان کی اولاد پر جو تمام اولادوں سے بہتر، پاکدامن، پرہیزگار، قرآن کے ساتھی اور حوض کوثر کی جانب بلا شبہ سبقت لے جانے والے ہیں، اور راضی ہو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے مناقب جلیہ، فضائل علیہ اور خصائص بھیہ (قیمتی) والے اُن اصحاب سے جو تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے ہیں، اور نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والوں سے اور تمام اہل ایمان سے اور ان کے ساتھ ہم سے بھی راضی ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد:

یہ بحث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان باہمی فضیلت سے متعلق ہے، اس تصنیف کا مقصد اس مسئلہ میں قطعیت کو ترک کرنا ہے کیونکہ مسئلہ تفضیل ایک ظنی مسئلہ ہے، اور میں نے اسے متعدد ابواب میں تقسیم کیا ہے، اور مقدمہ درج ذیل فوائد پر مشتمل ہے:

پہلا فائدہ

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے مابین ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا ایک قدیم طریقہ ہے۔ اللہ رب العزت نے بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی، ارشادِ

الٰہی ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ۔

ترجمہ: ''اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی''۔(بنی اسرائیل:۵۵)

اور اس نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت بخشی، ارشاد خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

ترجمہ: ''یہ پیغمبر ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔

(البقرۃ:۲۵۳)

اور اس نے بعض فرشتوں کو بعض سے افضل بنایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

ترجمہ: ''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی''۔(الحج:۷۵)

اور بیشک اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو چنا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں باب الفضائل میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بیشک اللہ نے بنو اسماعیل میں سے کنانہ کو چنا، اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے مجھے چنا''۔(مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷، مسلم رقم ۲۲۷۶)

یہ حدیث مختلف طرق (سندوں) سے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا۔ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب سے بہتر، افضل اور نیک و صالح ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اکثر مقامات پر مدح و ثنا اور صفاتِ حسنہ کے ساتھ اُن کا ذکر کیا ہے۔

سورہ فتح میں ارشاد الٰہی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہیں سجدوں کے نشان، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا''۔ (الفتح:۲۹)

۲ سورہ حشر میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۚ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور ان مفلسان تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج کر دیئے گئے ہیں خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے چاہنے والے اور اللہ اور اس کے رسول کے معاون و مددگار ہیں، یہی لوگ سچے ہیں ۔اور جو مہاجرین سے پہلے گھر میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو حاصل ہے اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش نہیں پاتے اور ان کو اپنے نفوس پر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود انہیں ضرورت ہی ہو،اور جو شخص حرص نفس سے محفوظ کیا گیا تو ایسے لوگ فلاح پانیوالے ہیں اور جو ان کے بعد آئے، دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے

ہمارے دل میں کینہ نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار
تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔" (الحشر: ۸، ۹، ۱۰)

◆ سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: "جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے راضی ہو گیا اور جو ان کے قلوب میں تھا وہ اس نے جان لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت فرمائی اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور خدا غالب حکمت والا ہے۔" (الفتح: ۱۸، ۱۹)

◆ سورۃ التوبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: "جن لوگوں نے سبقت کی پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے راضی ہوا، اور وہ خدا سے راضی ہوئے، اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کئے ہیں جن کے

نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے"۔(التوبۃ:۱۰۰)

۵ سورۂ انفال میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: "اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے مسلمان ہیں ان کے لئے (خدا کے ہاں) بخشش اور عزت کی روزی ہے"۔(الأنفال:۷۴)

۵ سورۂ توبہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: "لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب نے اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ جہاد کیا انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے"۔(التوبۃ:۸۸،۸۹)

یہ آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور جنت کو ثابت کر رہی ہیں اور

صفاتِ حمیدہ اور مناقب رفیعہ کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں ہمارے سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے۔ پہلی آیت اہل حدیبیہ اور دوسری آیت تمام مہاجرین وانصار اور ان کے بعد آنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔ تیسری آیت ان مہاجرین وانصار کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت فرمائی، یعنی بیعت رضوان جو حدیبیہ کے مقام پر وقوع پذیر ہوئی تھی۔ چوتھی آیت پہلے ایمان لانے والے قدیم مہاجرین وانصار اور نیکو کاری کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والوں کی مدحت میں نازل ہوئی، جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی معاونت فرمائی۔ چھٹی آیت ظاہر کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب جنہوں نے اپنی جان اور اپنے اموال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا ان کے لیے باغات اور عمدہ چیزیں ہیں اور وہی حقیقی فلاح پانے والے ہیں۔

دوسرا فائدہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب اور فضائل وواقعات کی حامل احادیث بہت زیادہ ہیں۔ انہیں کتب صحاح، سنن اور مسانید میں ضمناً ذکر کیا گیا ہے۔ بعض مصنفین نے تو ایک فضیلت پر ہی مستقل کتب تصنیف کیں اور بعض کے پیش نظر کسی جماعت کی فضیلتیں رہیں، جیسے فضائل خلفاءِ راشدین، یا فضائل عشرہ مبشرہ وغیرہ، یا انہوں نے کسی ایک صحابی کے خصائص ومناقب کو جداگانہ طور پر بیان فرمایا۔ لیکن ان میں سے کچھ افراد نے کسی خاص صحابی کی شان میں وارد خاص جز کو جداگانہ طور پر رقم فرمایا جیسے حدیث موالات، حدیث مؤاخات، حدیث الطیر، حدیث الرایۃ (پرچم خیبر والی حدیث) یا حدیث رد الشمس وغیرہا۔

اور باب فضائل میں وارد ہونے والی اکثر احادیث مبارکہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

کی شان میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حضرت علی علیہ السلام کی مدح و تعریف میں وارد ہوئی ہیں۔ حفاظِ حدیث کی جماعت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

چنانچہ "الاستیعاب" میں حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل اور اسماعیل بن اسحاق قاضی مالکی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: اسانید حسنہ کے ساتھ کسی صحابی کی فضیلت میں اتنی احادیث مروی نہیں ہیں جس قدر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں مروی ہیں۔" (الاستیعاب ج ۳ ص ۲۱۳)

اور یہی بات امام احمد بن شعیب بن علی نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ ابو علی نیشاپوری رحمہما اللہ تعالیٰ کے نام کا اضافہ فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۱)

تیسرا فائدہ

اور بیشک وہ اہم باتیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہیں کئی اقسام پر مشتمل اور کثیر ہیں، مثلاً صحبت کی تعریف، اس کے اثبات کے طریقے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انساب، ان کی عدالت، ان کی مرویات، ان کے طبقات، ان کے فضائل، ان کی فقہ اور فقہاء، ان کے مابین فضائل کا تقابل، ان کے احوال اور الگ الگ ان کے اسماء وغیرہ کا تذکرہ۔

اور ان مباحث کی اہمیت کا متفاوت (کم، زیادہ) ہونا ان کے فوائد اور نتائج کے تابع ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلقہ مباحث کے نتائج بہت عظیم ہیں، وہ علوم شرعیہ اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہیں، کیونکہ وہی حضرات وحی اور نزولِ قرآن کے وقت حاضر تھے۔

میں ان میں سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا ماسوا اُس کے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

درمیان فضیلت کے تقابل کے متعلق ہے۔ اہلِ سنت کے جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سابقین مہاجرین مقدم ہیں اور ان میں سے عشرہ مبشرہ مقدم ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے خلفاء اربعہ مقدم ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پارۂ جسم اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان کا محل ومقام اور ان کی فضیلت و برتری خاص ہے جو انہیں اس بحث سے خارج کر دیتی ہے۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی فضیلت کا کسی بھی طبقے کے درمیان کوئی بڑا فائدہ نہیں رہتا، سوائے ان لوگوں کے جو افضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور یہ ایک شاذ مذہب، خیالی قول، نصوص متواترہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کے خلاف ہے۔ جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔ سر دست یہ واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان باہمی فضیلت کی بحث کو امامتِ عظمیٰ کے ساتھ خصوصی ربط کی وجہ سے اہلِ تشیع کے نزدیک انتہائی اہمیت حاصل ہے۔

چوتھا فائدہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان باہمی فضیلت کی بحث کو جداگانہ طور پر ایک جماعت نے رقم کیا ہے۔

1. ان میں سے ایک حافظ، مجتہد، صاحب نظر عمیق ابو محمد ابن حزم الظاہری ہیں۔ اُن کا رسالہ چھپا ہوا ہے، انہوں نے اسے اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں ضمناً نقل کیا ہے۔
2. عالم بے مثال محمد معین سندی، مصنف "دراسات اللبيب فی الأسوة الحسنة بالحبيب" متوفی سنہ ۱۱۶۱ھ رحمہ اللہ کا ایک رسالہ "الحجّة الجلية فی ردّ من قطع بالأفضلية" کے نام سے ہے۔ آپ نے اہل سنت کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ وہ آحاد المتن ظنّی الدّلالة

اور باہم ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ درآنحالیکہ تعارض، تساقط کا موجب ہے، اور شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی علیہ السلام پر فضیلت نہ دینے والے یا علی علیہ السلام کو شیخین پر فضیلت دینے والے پر بدعتی ہونے کا حکم لگانا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ اس طرح کے احکامات صادر کرنے والوں کے نزدیک اہل بیت اطہار کی محبت کا پہلو ہیچ و کمتر ہو گیا اس لیے کہ بدعتی ہونے کا حکم زید بن علی زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے کیونکہ اُن کا قول حضرت ابو بکر حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اپنے جد کریم (مولیٰ علی علیہ السلام) کی افضلیت کا ہے، جو اُن کے اور اُن کے متبعین کے مذہب سے معلوم ہوتا ہے۔ شیخ محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت سے پاکستان میں طبع ہونے والی کتاب "دراسات اللبیب و تحقیقہ" کی عبارات ملاحظہ ہوں: (ص ۲۲،۲۱)

۳. عالم نبیل، شریف، علوی بن احمد بن حسن بن امام عبد اللہ بن علوی حداد، باعلوی، حسینی، حضرمی الشافعی متوفی سنۃ ۱۲۳۲ھ کا "أحسن القول والخطاب فی بیان أفضلیۃ الأصحاب أنّھا ظنّیۃ علی الصواب" نامی ایک رسالہ ہے، یہ ایک مشہور و متداول رسالہ ہے، اس کا عنوان اس کے موضوع اور جو کچھ اس میں مرقوم ہے، پر دلالت کرتا ہے۔

۴. حافظ، محقق، مجتہد سید احمد بن صدیق غماری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی سنۃ ۱۳۸۰ھ کی مسئلہ تفضیل پر ایک طویل بحث ہے۔ انہوں نے اس بحث کو اپنی کتاب "البرھان الجلی فی تحقیق إنتساب الصّوفیۃ إلی علی" کے ضمن میں درج کیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ مسئلہ تفضیل اختلافی مسئلہ ہے، اور اس پر اجماع و اتفاق کا دعوی مردود ہے۔ وہ اس کتاب کے صفحہ ۸۸ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''علماء اور ائمہ کے متبعین کے لیے اس میں یعنی مسئلہ تفضیل میں اختلاف کے متعلق صاحب مطالعہ شخص کے لیے بہت سی تصریحات ہیں، پس کہاں رہتے ہیں وہ جری افراد جو شیخین کی حضرت علی رضی اللہ عنہم پر افضیلت کے واقعات، اجماع و اتفاق بیان کرتے ہیں؟ اور حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کا اختلاف تو بہت زیادہ اور قوی ہے، اور ہمیں اس کے بیان سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ مسئلہ ہذا میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

اور جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان افضلیت کے موضوع پر زیدی و امامیہ شیعہ مصنفین کا تعلق ہے تو وہ کثیر تعداد میں ہیں۔

پانچواں فائدہ:

مجھ پر یہ بیان کر دینا باقی ہے کہ محقق کبھی کبھی جمہور یا قولِ مشہور سے اختلاف کرتا ہے اور مخالفت کرنے میں اس کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو حق جانتا ہے اس کی اتباع کرتا ہے اور بلا شبہ حق کی پیروی بیجا موافقت سے زیادہ بہتر ہے۔

عاقل شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر زبان درازی کرے کیونکہ میں اس امر سے اختلاف کرتا ہوں جس کو میں صحیح جانتا ہوں بلکہ راہ حق تو یہ ہے کہ تمام دلائل اور بحث کا بغور و مکمل جائزہ لیا جائے۔ جبکہ برا بھلا کہنا، برے القابات سے پکارنا اور فکری دباؤ کا علم بلند کرنا ضعف اور جہالت کی دلیل ہے۔ بیشک اہل علم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اوّلاً موضوعِ بحث کی مکمل تحقیق کرتے ہیں، اگر وہ صحیح ہو تو اس کو تسلیم کر لیتے ہیں ورنہ علماء کے طریقے پر چلتے ہوئے مباحثہ، وضاحت اور نصیحتیں جاری رکھتے ہیں۔

فی الجملہ یہ کہ ہم نے یہ بحث اپنے اور حقائق و تحقیق کی جستجو رکھنے والے

احباب کے لئے بطورِ تذکرہ (نصیحت) رقم کی ہے۔ رہا وہ شخص جو خود کو بعض لوگوں کے اقوال کا پابند کرلیتا ہے اور قائل کی شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُس کے قول کو ترجیح دیتا ہے تو عقل مند شخص کے نزدیک ایسا شخص لغو و بیکار ہے، کیونکہ حق شخصیات سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ حق سے شخصیات پہچانی جاتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ظنی مسائل میں قطعی قول کا بطور تقلید، نہ کہ بطور تنقید اجراء کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کی آراء کا قیدی ہے جنہوں نے اپنے واسطے عدم معرفت کو لازم کرلیا ہے۔ اُس نے محل اختلاف میں اجماع کو نقل کیا اور اِس لغو شخص نے اُس کام میں شمولیت کرلی جسے وہ جانتا ہی نہیں۔ ایسے شخص کے لیے سکوت بہتر ہے تاکہ اہلِ علم و معرفت کی دنیا میں کھلے بندوں رسوائی سے محفوظ رہے۔

میں نے اس کتاب کا نام "غاية التبجيل وترك القطع فى التفضيل" رکھا ہے اور اسے درج ذیل ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب: اس بیان میں کہ مسئلہ تفضیل ظنی ہے، اعتقادی مباحث میں سے نہیں ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں اس میں کسی قسم کی کوئی قطعیت نہیں ہے۔

دوسرا باب: تفضیل میں توقف اختیار کرنیوالوں کے مذہب کے بیان میں۔

تیسرا باب: خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم کے دعووں کی تحقیق۔

چوتھا باب: ان حضرات کے مذہب کے بیان میں جو نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب سے افضل مانتے ہیں۔

پانچواں باب: معین حضرات کو افضل قرار دینے والوں کے مذاہب میں۔

چھٹا باب: حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائلین کے مذہب میں۔

ساتواں باب: افضلیت علی علیہ السلام ہی اہل بیت اطہار علیہم السلام کا مذہب ہے۔

آٹھواں باب: اجماع کے دعووں کے تحقیقی جائزہ میں۔

نواں باب: عام اقوال کے جائزہ میں۔

دسواں باب: احادیث و آثار کا بنظر غائر مطالعہ۔

گیارھواں باب: خلفاء ثلاثہ اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم کے مناقب میں۔

میں خداوندِ بلند و برتر سے دعا گو ہوں کہ وہ ہماری کمزوریوں پر رحم فرمائے، ہمارے زخموں کو مندمل فرمائے اور ہمارے گناہوں کو بخشے، اور اعمال میں ہماری بے اعتدالیوں کو معاف فرمائے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا خاتمہ بالخیر فرمائے اور اس کتاب کو میرے تمام بھائیوں کے لیے نافع بنائے بیشک وہ اس پر قابو رکھتا ہے۔

محمود سعید بن محمد ممدوح الشافعی

عفا اللہ عنہُ وعَنْ سائرِ المُسْلمِیْن

الزاویة الصدّیقیة، طنجة

۲۹ ربیع الاول، سنہ ۱۴۲۴ھ
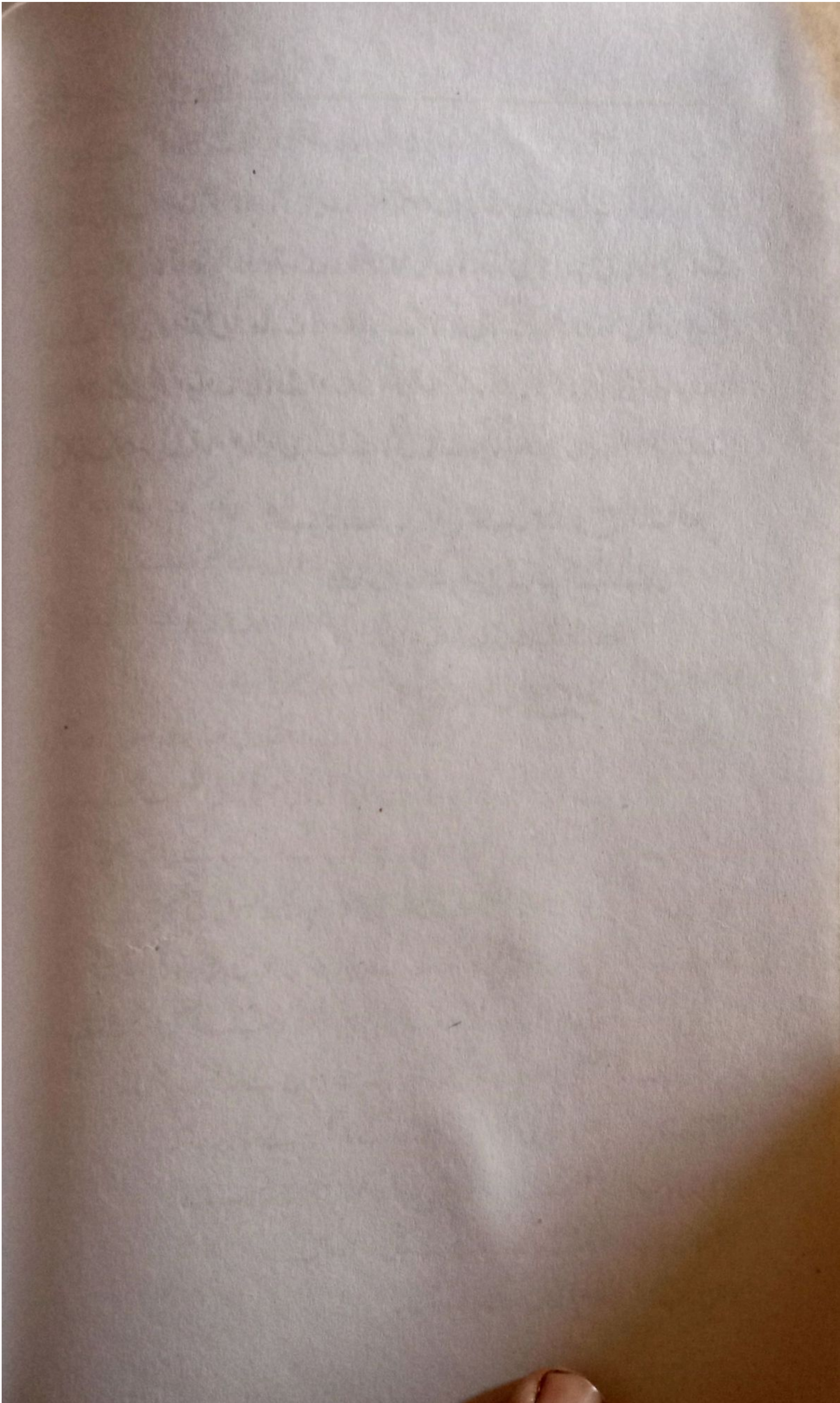
پہلا باب

اس بیان میں کہ مسئلہ تفضیل اعتقادی مباحث میں سے نہیں ہے، یہ ظنی مسئلہ ہے، اس میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کوئی قطعی دلیل نہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین فضائل کا تقابل اعتقادی مباحث میں سے نہیں ہے

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین فضائل کا تقابل اعتقادی مباحث سے نہیں ہے بلکہ یہ امورِ ظنیہ میں سے ہے، لہٰذا ہمارے لیے اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

امام، علامہ، حافظ، مجتہد ابوعمر یوسف بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"علماء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ میرے بندوں میں سے کون افضل ہے؟ اور نہ ہی یہ پوچھے گا کہ کیا فلاں، فلاں سے افضل ہے؟ اور نہ ہی ان امور کے متعلق کسی سے قبر میں سوال کیا جائے گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی اچھی عادتوں کی توصیف اور خوبیوں کی تعریف فرمائی ہے، لہٰذا جو شخص بھی ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ متعدد فضائل کا حامل ہوگا اور جس قدر

اس میں یہ اوصاف وخوبیاں ہوں گی اسی قدر ظاہری طور پر اُسے، اس شخص پر فضیلت حاصل ہوگی جو ان اوصاف وخوبیوں کا حامل نہیں ہوگا، اور جو شخص ان اوصاف وخوبیوں سے عاری ہوگا تو وہ فضیلت میں اُس شخص کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا جو ان خوبیوں سے مالا مال ہے۔ ظاہر مذہب میں اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تفضیل کا طریقہ یہی ہے۔" (الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۴۱)

میں کہتا ہوں: قرآن وسنت میں اس شخص کے بارے میں کوئی زجر وتوبیخ وارد نہیں ہوئی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے فلاں کو فلاں پر مقدم نہ مانتا ہو یا کسی کو مقدم ماننے میں دوسروں کی تخفیف وتوہین ہے، یا جس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم جانا تو اس کا اتنا اتنا اجر وثواب ہے اور جس نے علی رضی اللہ عنہ کو مقدم مانا تو اس کا اتنا ثواب ہے۔ مگر اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام، ان کی فضیلت، عدالت اور ان کے تقدم کا عقیدہ رکھنا واجب ہے، اور بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین مخلوق کو اپنے نبی، ہمارے آقا ومولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا۔ پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اُس شخص کو مطعون (طعنہ زنی) کرے جو اس کی نگاہ میں فاضل پر مفضول کو مقدم مانتا ہے، کیونکہ کبھی کبھی مفضول دوسرے علماء کے نزدیک افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امر ظنی ہے اور ظنیات میں قطعیت کا اجراء کرنا خطاء قبیح جہالت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی فضیلت کے تقابل پر علماء کے مذاہب اور مومنین کے راستے سے انحراف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تفضیل میں علماء کے چند مذاہب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تفضیل میں علماء کے کئی مذاہب ہیں، یہاں ہم ان میں سے چند مذاہب کا ذکر کر رہے ہیں:

۱. بعض حضرات فرماتے ہیں: خلفاء کی فضیلت کی ترتیب اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے اور وہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کرتے حالانکہ وہ ان کے قاعدہ کے مطابق فضیلت میں پانچویں بنتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲. دوسرے حضرات نے احادیث مبارکہ کے مابین تعارض کی وجہ سے مسئلۂ تفضیل میں سکوت اور توقف اختیار کیا ہے۔

۳. ائمہ اہل بیت اطہار اور شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تصریح کرتے ہیں، اُنہوں نے دلائل واستنباط کی رو سے قطعیت کی صراحت کی ہے، اور وہ اس افضلیت میں اہل کساء کو بھی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شریک مانتے ہیں۔

۴. بعض اہل حدیث اور بعض حنابلہ نے اس شخص کو غلطی کی طرف منسوب کیا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا صراحۃً اظہار نہ کرتا ہو اور وہ حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بعد ماننے پر متفق ہیں۔ ان میں سے بعض نے تینوں کی افضلیت کا اظہار کیا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے میں توقف اختیار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صرف خلافت میں ذکر کیا۔ ان لوگوں سے برے اقوال اور متعدد بے بنیاد ومردود باتیں منقول ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا۔

۵. جمہور معتزلہ کا میلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی جانب ہے، مگر وہ اس

بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا یہ تفضیل قطعی ہے یا ظنی؟ مسئلہ تفضیل پر ان کی عمدہ تصنیفات ہیں مثلاً ابو جعفر محمد بن عبداللہ اسکافی متوفی سنہ ۲۲۰ھ کی کتاب، اور اکابر فقہاء شافعیہ میں سے قاضی عبدالجبار بن احمد ہمذانی، متوفی سنہ ۴۱۵ھ کی اس مسئلہ میں کئی ابحاث ہیں جو ان کی کتاب "المغنی" کی بیسویں جلد میں موجود ہیں۔

۶ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے افضل کے تعین پر بہت سے اقوال ہیں جو عنقریب آئیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور معتمد مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل ظنی ہے اور اسی بات کی ائمہ اہل سنت نے تصریح فرمائی ہے، مثلاً امام باقلانی، غزالی، امام الحرمین، آمدی، مازری اور سعد الدین تفتازانی رحمہم اللہ۔

ابوالحسن اشعری نے صراحت فرمائی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت کی ترتیب اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے اور وہ اُن کے نزدیک قطعی ہے۔ یہ قول عقل ونقل سے متصادم ہے اور اس میں خود اُن کے اپنے مذہب کے ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

مسئلہ تفضیل کے ظنی ہونے پر متعدد علماء کی تصریحات

۱۔ امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المناقب" (۱) (ص: ۲۹۵) میں ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) کتاب کا نام "مناقب الأئمة الأربعة" ہے۔ ڈاکٹر سمیرہ فرحات کی تحقیق کے ساتھ دار المنتخب العربی، بیروت سے ۱۴۲۲ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کا ذکر امام تاج الدین سبکی نے "طبقات الشافعیة" (ج ۱ ص ۲۹۰) میں کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "یہ فوائد سے بھرپور ایک عظیم الشان کتاب ہے"۔ میں [ممدوح] کہتا ہوں کہ کتاب کا بڑا حصہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت =

"اور جو بات اس مسئلہ میں قوی تر ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل میں کلام کرنا ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں خطا ہو جائے تو وہ خطا نہ مجتہد کو فسق تک پہنچاتی ہے (۱) اور نہ ہی اُس سے قطع تعلق کو واجب کرتی ہے، اس لیے کہ منقول فضائل کی اکثر احادیث باہم متعارض ہیں اور جو قبولیت اسلام و جہاد میں سبقت وغیرھا فضائل بیان کیے جاتے ہیں سب میں تاویل کا احتمال ہے"۔

(مناقب الائمۃ الاربعۃ للباقلانی ص:۲۹۵)

امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

"رہے وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم میں

= علی علیہ السلام پر فضیلت ثابت کرنے پر مشتمل ہے۔ مصنف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کھل کر بیان فرمائے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کی تاویل کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہر فضیلت کے مقابلہ میں اسی کی مثل فضیلتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ پیش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر لوگ کہیں کہ علی علیہ السلام کی یہ فضیلتیں ہیں تو اِس کا بہترین توڑ یہ ہے کہ اُن فضائل کے مقابلہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کر دیئے جائیں جن سے علی علیہ السلام کے فضائل کا مقابلہ کیا جا سکے، تا کہ اُن (باقلانی) کے گمان کے مطابق شیعوں پر غلبہ پایا جا سکے۔ امام باقلانی نے اپنی تاویلات کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبولِ اسلام میں سبقت، شجاعت، جہادی کارناموں، بے مثال علم اور قضاء کے کمال کو نظرانداز کر دیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذکر اور ان کے شرف قرابت کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کے شرفِ قرابت ونسب کا تقابل کیا ہے۔ باقلانی نے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مناقب پر تو طویل کلام کیا ہے مگر حضرت علی علیہ السلام کے مناقب وفضائل میں کوئی مستقل باب قائم نہیں کیا۔

تاہم اس کتاب سے ہمیں بہت فوائد حاصل ہوئے، جیسے مسئلہ تفضیل میں مختلف غیر مشہور مذاہب کا بیان اور امام باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسئلہ تفضیل کے ظنی اور غیر قطعی ہونے کا اعتراف۔

(۱) امام باقلانی علیہ رحمۃ الباری کے ان جملوں اور تفضیلی پر فسق، بدعت، اس سے برأت کے فتووں، اُس پر طعن وتشنیع اور اُن برے القابات کو ملا کر موازنہ کیجئے جو نویں باب میں آئیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سے کسی کی افضلیت کی قطعیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں.
یاان سب کی فضیلت میں برابر ہونے کی قطعیت میں توقف کرتے
ہیں تو بلاشبہ وہ لوگ حق کے زیادہ قریب ہیں اور دلیل پکڑنے
میں زیادہ استحقاق کے حامل ہیں''۔

(مناقب الأئمة الأربعة ص ۵۱۳،۵۱۴)

پھر اسی بحث کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تفضیل میں اختلاف
رکھتے تھے (۱) تو ہمارے لیے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان
میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے''۔

امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مذکورہ کتاب کے (ص ۴۸۱) میں یہ بھی فرماتے ہیں:

''اور ہم نے مسئلہ تفضیل پر بحث کے ابتدائی حصے میں یہ کہا ہے کہ
یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور یہ امر مختلف احتمالات رکھتا ہے اور ہم
فضیلت کی بابت ظاہری احکام پر فضیلت کا ذکر کرتے ہیں جبکہ یہ
معروف ہے کہ اس سے مراد تقرب ہے۔ اور اس کے ذریعے ہم
قطعی طور پر اللہ کی منشا تک نہیں پہنچ سکتے کہ نیکیاں کرنے والا
اس شخص سے افضل ہے جو قلت عمل میں مشہور ہے یا وہ اس
شخص سے افضل ہے جو فقط ادائیگی فرائض میں مشہور ہے۔ اور
بلاشبہ ان دو میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے والے ہر

---

(۱) امام باقلانی کے قول ''اور ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تفضیل میں مختلف تھے'' میں غور کیجئے، مسئلہ حل ہو جائے گا اور اجماع کے دعووں کی قلعی کھولتے ہوئے جمود سے وسعت کی طرف رخ کرے گا۔ واللہُ المُستَعَانُ۔

شخص سے گناہ ساقط ہو سکتا ہے۔ جب ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا اس کے اجتہاد اور ظن پر غالب آجائے تو یہ مسئلہ کے مختلف احتمالات رکھنے کے سبب ہے۔ پس بندے کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور جو کچھ ہم نے اسے بتایا ہے اس پر بنظر غائر، اَمل کرنا چاہیے۔ تعصب اور اشخاص کی بے جا تواضع وخوش معاملگی، کو ترک کر دے اور مسئلہ کی اصل سے تمسّک کرے"۔

میں کہتا ہوں: علامہ باقلانی صاحب نظر عمیق، متکلم، فقیہ اور مختلف مذاہب پر مطلع ہیں، اُن کا کلام پتھر پر نقش، حکایت واقعیہ، مدعیٔ قطعیت کی اور ہر متکبر کی تکذیب کرنے والا ہے۔ اُن کے قول "اور بیشک گناہ ساقط ہونے والا ہے۔" پر غور کرو تو تم جہالت وتعصب کے اثرات سے محفوظ رہو گے۔

❷ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک بعض ائمہ کی بعض پر فضیلت پر کوئی دلیل قطعی ثابت وظاہر نہیں ہے کیونکہ عقل اس بات کو نہیں مانتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان وفضیلت میں وارد احادیث باہم متعارض ہیں اور مفضول کی امامت کا انکار کرنے سے مسئلہ تفضیل کا حل ممکن نہیں ہے۔" (کتاب الارشاد ص ۴۳۱)

اس مفہوم کی صراحت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" (ص ۲۰۷) میں کی ہے آپ کے کلام کا متن ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

❸ امام المازری فرماتے ہیں:

"لیکن قاضی ابو بکر بن طیب [یعنی باقلانی] تو اس مسئلے کو اجتہادی قرار دیتے ہیں اور اگر علماء میں سے کوئی اس مسئلہ کو بنیادی طور پر

غیر محکم طریقے سے پرکھتا ہے یہاں تک کہ اسے مفضول و فاضل کا بھی صحیح علم نہ ہو تو نہ وہ مجرم ہوا اور نہ ہی گنہگار ہوا، برخلاف ان اصولی مسائل کے جن میں حق ایک ہی ہے۔"

(المعلم بفوائد صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۸)

◆ محقق، شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر دلالت کرنے والی عباراتِ صریحہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"جانبین کی طرف سے ذکر کردہ عبارات اپنے باہمی تعارض کے سبب قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں، جو کسی بھی مصنف سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کی تمام یا تو آحاد ہیں یا ظنی الدلالۃ ہیں اس کے ساتھ ساتھ باہم متعارض بھی ہیں۔" (شرح المواقف ج ۸ ص ۳۷۲)

پھر آپ فرماتے ہیں:

"اور امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت کے متعلق قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کا فائدہ و نتیجہ ظن ہے، کیسے؟ اس لیے کہ مفضول کی امامت فاضل کی موجودگی میں صحیح نہ ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے سلف (۱) کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ ابوبکر افضل ہیں، پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات ائمہ کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ اُنہیں اس کا اہل نہ جانتے تو ان پر افضلیت کا اطلاق نہ کرتے۔ پس ہم پر اس قول میں ان کی اتباع واجب ہے (۲)

(۱) سلف سے مراد جمہور اہل سنت ہیں۔

(۲) زیر بحث مسئلہ میں اختلاف سامنے آجانے کے بعد وجوب کا قول محل نظر ہے۔

اور اس مسئلہ میں جو حق ہے وہ اللہ کے سپرد ہے۔"

۵ ابو العباس قرطبی نے "المفهم شرح صحيح مسلم" (ج ۶، ص ۲۳۸) میں اسی مفہوم کی تصریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ مسئلہ تفضیل دلیل قطعی سے خالی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے (فتح الباری ج ۷، ص ۳۴) میں اس مفہوم کو اُن سے نقل کیا ہے۔

اسی لیے سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور جس قول کی جانب ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ مائل ہوئے، اسی قول کو امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الإرشاد" میں اختیار فرمایا:

"بیشک حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے قطعی نہیں، اور اسی قول کی صاحب المفہم نے شرح مسلم میں پرزور تائید کی ہے۔" (جواهر العقدين ج ۲ ص ۴۵۸)

۶ امام سیف آمدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ سطور میں اس سے واضح تصریح فرمائی ہے اور مسئلہ تفضیل میں آراء کے باہمی تعارض کے سبب اور دلیل قطعی کے نہ ہونے کے باعث توقف کی صراحت فرمائی ہے، اور اُن کی گذشتہ عبارت میں یہ دو امور زائد ہیں:

۱ آپ نے اجماع کا ذکر نہیں کیا۔

۲ تعارض اور توقف کو ائمہ اشاعرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

امام آمدی رحمۃ اللہ علیہ "أبكار الافكار" کی "كتاب الإمامة" میں فرماتے ہیں:

"اور وہ قول جس پر ہمارے فاضل اصحاب (۱) کا اعتماد ہے وہ یہ

---

(۱) فاضل اصحاب سے مراد جمہور اشاعرہ ہیں۔

ہے کہ مسئلہ تفضیل میں کوئی قطعی طریقہ نہیں ہے اور مسالک ظنیہ باہم متعارض ہیں، ان میں سے بعض دلائل کبھی کسی مجتہد پر ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی مخفی رہتے ہیں''۔ (ابکارالأفکار ص ۳۰۹)

امام آمدی اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''اور اگر ہم یہ کہیں کہ مفضول کی امامت فاضل کی موجودگی میں صحیح نہیں تو اس قول میں وہ قوت نہیں جو اسے قطعیت تک پہنچادے بلکہ اس کی انتہا ظن ہی ہے، لہٰذا کسی کی خلافت پر اجماعِ اُمت اگرچہ اس کی خلافت کی صحت پر قطعی ہی ہو لیکن وہ تفضیل کے لازم ہونے میں قطعی نہیں ہوگا''(ابکارالأفکار ص ۳۱۰)

اس عبارت میں امام آمدی نے توقف کو اختیار کیا اور اس کی نسبت اشاعرہ کی طرف کی اور اجماع کے دعوے سے احتراز کیا۔

◆ اسی قول کو محقق اہل سنت، علامہ سعد تفتازانی نے اختیار فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

''رہا ہمارا نظریہ، تو ہم نے جانبین کے دلائل کو باہم متعارض پایا اور مسئلہ ھذا میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس کا تعلق (پرسش) اعمال سے ہو، یا اس مسئلہ میں توقف کرنے سے کسی واجبِ شرعی میں خلل آتا ہو''۔ (شرح العقائد النسفیہ ص ۶۵)

نیز امام سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''شرح المقاصد'' (ج ۵ ص ۲۹۱) میں امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الإرشاد'' سے وہ عبارت نقل کی ہے جو گذشتہ صفحات میں دوسرے نمبر کے تحت نقل ہو چکی ہے، وہ اس عبارت کی تائید کرتی ہے۔

لیکن ہم نے ان کا دوسرا قول بھی پایا ہے، اور اس میں انہوں نے حضرت علی

علیہ السلام کی افضلیت کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

8 اسی قول کو عارف سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "اعلام الهدى و عقيدة أرباب التقىٰ" میں اختیار فرمایا ہے، وہ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کے بعد فرماتے ہیں:

"پس اگر تم نصیحتوں کو قبول کرو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں دخل اندازی سے باز رہو اور سب کے ساتھ یکساں محبت کرو، اور تفضیل سے رک جاؤ، اور اگر تمہارے باطن میں کسی صحابی کی دوسرے صحابی پر افضلیت و فوقیت قرار پکڑ لے تو تم اس کو اپنے پوشیدہ اسرار میں شامل کرلو اور اس کو ظاہر کرنا تم پر لازم نہیں ہے اور نہ ہی تم پر یہ لازم ہے کہ تم کسی صحابی کے ساتھ دوسرے صحابی سے زیادہ محبت کرو بلکہ تم پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت لازم ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیے! شرح الفقه الأكبر للقاری ص ۱۹۵، ۱۹۴، إتحاف السادة المتقين للزبيدی ج ۲ ص ۲۲۹)

9 فقیہ ابن حجر ہیتمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ تفضیل میں موجود اختلاف کے متعلق چند باتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اور جس بات سے مسئلہ تفضیل کے ظنی ہونے کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اجماع کے دعویدار افضلیتِ مذکورہ کی قطعیت پر جمع نہیں ہوئے اور محض ظن پر رہے، جیسا کہ ائمہ کی عبارات و اشارات سے معلوم ہوتا ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ تفضیل اجتہادی مسئلہ ہے۔" (الصواعق المحرقۃ ص ۸۹)

پھر آپ نے فرمایا:

"حضرت ابو بکر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں بھی

حضرت علی علیہ السلام کی طرح متعارض احادیث وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل فضائل کے ابواب میں آئے گی، اور وہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں کیونکہ وہ تمام کی تمام متعارض ہونے کے ساتھ ساتھ اخبارِ آحاد اور ظنی الدلالۃ بھی ہیں۔''

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کے ظنی اور اجتہادی ہونے کے اثبات میں ابن حجر ہیتمی پر تعجب ہے، کیونکہ کبھی وہ اس میں اجماع کا کنایہ اور کبھی تصریح کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے خود "الصّواعق المحرّقة ص ۸۸،۸۹،۳۲۰،۳۲۱" میں اختلاف کو بھی نقل کیا ہے۔

۱۰۔ علامہ سید ابو بکر بن شہاب الدین حضرمی شافعی علوی رحمہ اللہ تعالی (۱)، اپنی کتاب "التریاق النافع علی جمع الجوامع" (ج ۲ ص ۲۵۴،۲۵۵) کی جلد دوم میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور بعض علماء نے مسئلہ تفضیل میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر ایک کے لیے فضیلت ہے اور ہم از خود نہیں جانتے کہ اللہ نے کس کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے؟ اور یہ ایسا معاملہ نہیں جس میں قیاس اور رائے کو لیا جائے، لہٰذا اس میں غور وخوض سے رکنا واجب ہے۔

(۱) سید ابو بکر بن شہاب الدین حضرمی شافعی علوی رحمۃ اللہ علیہ عظیم الشان علماء میں سے تھے۔ وہ بیس سال سے بھی کم عمر میں مقتدر علماء کی صفِ اول میں داخل ہو گئے تھے اور تمام علوی وغیر علوی حضرات کی آنکھوں کا تارا تھے۔ ۱۳۳۱ھ میں جب وہ ہندوستان سے حضرموت واپس آئے تو ان کی آمد پر شہر تریم میں ایسا عظیم الشان استقبال کیا گیا جس کی نظیر اس سے قبل نہیں ملتی۔ توپوں کی سلامی پیش کی گئی، پرچم لہرائے گئے اور سقاف کے خدام قافلے کے آگے آگے چلے۔ پھر انہوں نے علامہ سید عمر المحضار سقاف کی مسجد کی ذمہ داری سنبھالی۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ الشّعراء الحضرمیین (ج ۴ ص ۱۸۴۔۱۸۷)۔

بعض اکابرین فرماتے ہیں: اِس قول میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جس امر کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو اس کو اللہ کے علم کے سپرد کرنا مستبعد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ تفضیل ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کا یقین وایمان رکھنا واجب ہے اور نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں، اور "جمع الجوامع" کے مختلف شارحین نے مصنف (۱) کی اس غلطی پر متنبہ کیا ہے جس میں اُنہوں نے مسئلہ تفضیل کو اِس کتاب میں اُن امور میں شامل کیا ہے جن کا عقیدہ رکھنا واجب ہے حالانکہ یہ ان عقائد میں سے نہیں ہے جن میں اختلاف کرنے والا گمراہ ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس تفضیل کی بحث میں آل رسول علیہم السلام کی افضلیت مشتبہ نہیں ہوگی کیونکہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پارۂ جسم کی حیثیت موضوعِ بحث نہیں ہے لیکن اگر اسے ملحوظ خاطر رکھا جائے تو کسی کو بھی متفقہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت پر فضیلت وفوقیت حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ کسی بھی حیثیت کا حامل فرد ہو"۔

(۱) یعنی تاج الدین السبکی، ملاحظہ ہو "المحلی علی جمع الجوامع" (ج ۲ ص ۴۹۱)
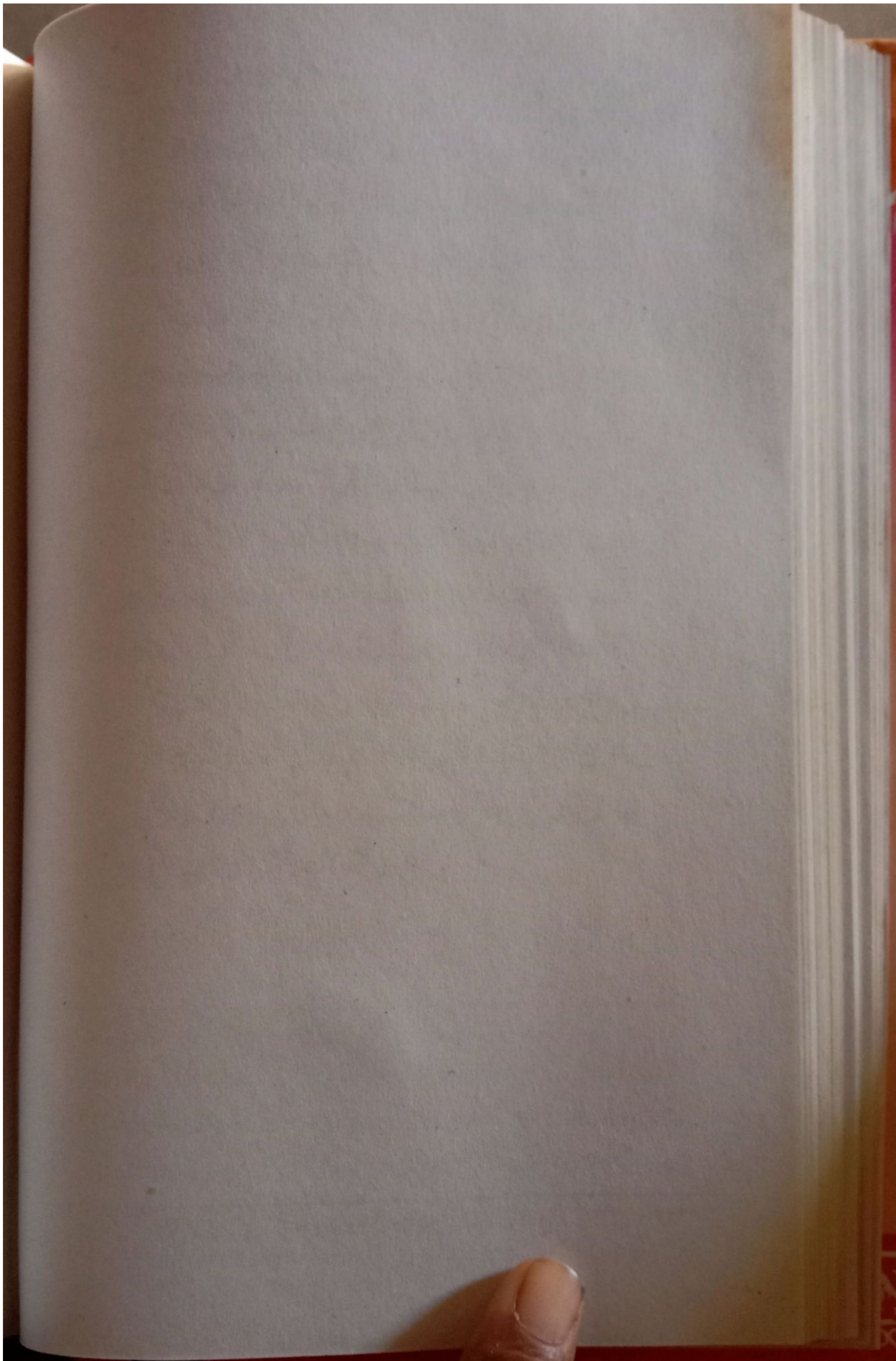
دوسرا باب

مسئلہ تفضیل میں توقف اختیار کرنے والوں کا مذہب

یہ جمہور (اہل بیت علیہم السلام اور ان کے گروہ کے لوگوں کے علاوہ) اہل مدینہ کا مذہب ہے۔ امام مالک نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور اسے اپنے مشائخ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے۔

1. امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"عبد الوارث بن سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بکر بن ابی خیثمہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن زہیر بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبد السلام بن صالح نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں عشرہ مبشرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اس کے ساتھی پر فضیلت نہیں دیتا، اور فرماتے تھے: یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے، جس کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا"۔ ابن وہب کہتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں نے اپنے مشائخ کو مدینہ منورہ میں پایا ان کی یہی رائے تھی"۔ (الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۰)

❷ ابن عبد البر رحمہ اللہ ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

''زبیر بن بکار نے ذکر کیا کہ ہمیں اسماعیل بن اویس نے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ''گذشتہ لوگوں کو تفضیل بین الصحابۃ سے کوئی سروکار نہ تھا۔'' (الاستذکار، ج ۱۴، ص ۲۴۱، ۲۴۳)

نیز ابن عبد البر نے ارشاد فرمایا:

''عبد الوارث بن سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں قاسم بن اصبغ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن زہیر بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے مصعب بن عبد اللہ الولیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''ہمارے وہ مشائخ جنہیں ہم نے اپنے شہر میں پایا وہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے، امام مالک اور نہ ہی ان کے ماسوا''۔

(الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۴۳)

اور اہل مدینہ کا یہ مذہب مشہور ہے۔ (۱)

خلال کی کتاب السنۃ (رقم ۵۰۸) میں ہے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

(۱) اگر کہا جائے: کیا مسئلہ تفضیل میں امام مالک سے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں؟ تو میں کہوں گا: مسئلہ تفضیل میں امام مالک رحمہ اللہ سے چار اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول: خلفاء اربعہ کی ترتیب فضیلت ان کی ترتیب خلافت کی طرح ہے، دوسرا قول: بعض کی بعض پر فضیلت کے متعلق توقف، تیسرا قول: حضرت ابوبکر کی حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت پھر حضرت علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مفاضلہ (تقابل) سے توقف۔ یہ تینوں اقوال محمد بن رشد نے بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو: البیان والتحصیل کتاب الجنائز (ص ۲۲۸)۔ اور چوتھے قول کو قاضی عیاض نے المدارك (ج ۲ ص ۴۶) میں بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے خلفاء ثلاثہ کے بعد توقف اختیار کیا ہے، اور اس مسئلہ کو محقق سیدی عبد الحی بن صدیق رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الجواب المداوی عن السؤال السلاوی'' میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

"ابراہیم اوران کے علاوہ دیگر کوفیوں سے جو مروی ہے میں نہ اس کو اختیار کرتا ہوں اور نہ ہی اہل مدینہ سے مروی طریقے کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔"

(کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۰۸)

۳ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین معین افضلیت میں توقف کو کثرت سے ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے "الإستذکار" میں فرمایا:

"لیکن صحابہ میں سے کسی کو متعین طور پر افضل ماننا اور بعض کو بعض سے افضل قرار دینا دانش و تدبر کے مطابق درست نہیں ہے، اور اس کا احاطہ صرف اللہ واحد و قہار کو ہے جو نیتوں کو جاننے والا اور اعمال کا نگران ہے۔ مگر یہ کہ کسی شخص کی شان میں صحیح حدیث میں آیا ہو کہ وہ جنتی ہے تو اتباعِ حدیث میں اسے جنتی کہنا جائز ہے، نہ کہ یہ کہنا کہ وہ ان حضرات سے بھی افضل ہے جو اس فضیلت میں اس کے شریک ہیں، اور جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی خوبی کی بنا پر افضل قرار دیا ہو اور اس کی خوبی و فضیلت کا اعتراف کیا ہو تو اس خوبی کی بنا پر اس کو ذاتی فضیلت دینا جائز ہے، نہ یہ کہ اسے دوسروں سے افضل قرار دیا جائے"۔ (الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

پھر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں آئی جو ایسی دلیل کو واجب کرے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ فلاں فلاں سے افضل ہے جبکہ وہ دونوں سبقت و فضائل کے حامل ہوں، اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادبی خوبی اور حسن اخلاق سے ہے، تاکہ مفضول کی

غیبت نہ ہو، اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر خود کو مرتبہ سے خارج اور ناقص نہ سمجھے، اور اس چیز کا تعلق آپ کی ذمہ داری سے بھی نہیں ہے، کیونکہ آپ از خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوشیدہ امور اور ان کے احوال کی حقیقتوں سے آگاہ نہیں تھے، بجز اس کے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا اور آپ اپنے رب کے معاملہ میں تقدم (سبقت) نہیں کرتے تھے۔ اگر اس بات کا تعلق آپ کے فرائض منصبی سے ہوتا اور آپ از خود جانتے ہوتے تو ضرور آشکار فرماتے، اور جس ہستی سے دین کو مکمل سکھانے اور پہنچانے کا عہد لیا گیا پھر جب اس ہستی نے یہ کام نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ کسی کا یہ کہنا: فلاں، فلاں سے افضل ہے، باطل ہے، اور یہ کوئی دین اور شریعت نہیں"۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو واضح طور پر اپنی کتاب "الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب" کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (ج ۱ ص ۱۸)

۴ اور یہی داؤد بن علی ظاہری اور دوسرے متقدمین اہل علم کا مذہب ہے۔

ابن حزم نے "الفِصَل" (ج ۴ ص ۱۸۲) میں کہا ہے:

"داؤد بن علی فقیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل مہاجرین اولین ہیں، پھر انصار میں سے سبقت لے جانے والے ہیں، پھر ان میں سے وہ حضرات ہیں جنہوں نے ان کے بعد اسلام قبول کیا، اور ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی فرد معین کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں

کہتے کہ وہ اپنے طبقے سے تعلق رکھنے والے کسی دوسرے فرد سے افضل ہے، اور ہم نے متقدمین اہل علم کی ایک جماعت کو دیکھا جو اسی قول پر عمل پیرا تھی"۔(۱)

پھر ابن حزم نے کہا:

"اور مجھ سے یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر النمیری نے کئی بار فرمایا کہ یہی ان کا قول اور عقیدہ ہے"۔

۵ اسی بات کی تصریح ابن ابی زید قیروانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے انہوں نے اپنی کتاب "العقیدۃ" (ص ۱۲۵ مع شرح قاضی عبدالوہاب) میں ارشاد فرمایا:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے افضل خلفاء راشدین مہدیین ہیں" اور خاموش ہو گئے، اور یہ اہل مدینہ کا طریقہ ہے، لہٰذا شارحین کا متاخرین کے طریقے پر چلتے ہوئے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی کے طریقے سے پہلوتہی کرنا ہے، جنہوں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مطلق افضلیت کا ذکر فرما کر ان کے مابین افضلیت کی بحث کے متعلق اجتناب وسکوت کیا، اور اللہ ہی مددگار ہے۔فتدبّر!"

۶ ابوسلیمان خطابی رقمطراز ہیں:

"ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ بعض کو بعض پر مقدم نہیں ٹھہرایا

---

(۱) داود بن علی ظاہری سے مذاہب کی اِس نقل میں غور کیجئے، جو کہ متقدمین علماء کی ایک جماعت کا توقف ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ داود ظاہری کے نزدیک اجماع سے مراد اجماع صحابہ ہے رضی اللہ عنہم لہٰذا بشمول داود ظاہری اہل علم کی ایک جماعت سے توقف کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت بترتیب خلافت کی نفی کرتا ہے۔ پھر اجماع کے اُن دعووں کی کیا حقیقت ہے جن کے پیچھے طعن وتشنیع اور پراپیگنڈہ کا طوفان ہوتا ہے؟

جائے گا۔" (معالم السنن ج ۷ ص ۱۸)

7. امام محمد بن علی المازری المالکی نے ارشاد فرمایا:

"رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا تو ایک جماعت نے اس سے اجتناب کیا ہے اور بے شک بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت نہ دی جائے گی اور اس جماعت کا یہ کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انگلیوں کی مانند ہیں چنانچہ ان کے مابین کسی کی افضلیت کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔"

(المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۳۷)

8. میں کہتا ہوں: یہ مذہب اس شخص کے لیے مناسب ہے جس کی نگاہ میں نصوص باہم متعارض ہیں اور افضلیت کی تصریح نہیں کرتیں تو اس نے متعارض دلائل سے اجماعِ کا وہم کرلیا یا اکثر علماء و ائمہ مذاہب کے ساتھ چل پڑا، پس خیالی اجماع اور اکثریت کا قول دونوں حجت نہیں ہیں۔ لہٰذا جب قولِ ثانی (اجماع) ساقط ہوگیا تو قول اول باقی بچا اور وہ "توقف" ہے، فتدبر! (پس تم بھی غور کرو)۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی دلیل افضلیت پر ایک اشکال

1. یہ جان لینے کے بعد کہ اہل سنت مسئلہ افضلیتِ صحابہ میں اختلاف رکھتے ہیں تو متأخرین کے نزدیک معتمد قول یہ قرار پایا کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت کی ترتیب ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے اور یہ ظنی ترتیب ہے۔

2. اُن ائمہ اہل سنت و جماعت نے تصریح فرمائی ہے جن کی طرف اصول دین کے مسائل کی تحقیق میں رجوع کیا جاتا ہے، مثلاً امام باقلانی، امام الحرمین، امام غزالی، امام آمدی، سعد الدین تفتازانی، شریف جرجانی، امام

ابو العباس قرطبی اور امام مازری رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ حضرت علی یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے تمام دلائل متعارض اور ظنی الدلالت ہیں، اُن سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

3. دراصل جب ان ائمہ نے اپنی منشاء، غرض اور مطلب کے مطابق نقلی دلائل نہیں پائے تو وہ استدلال کی طرف چلے گئے اور افضلیت کے اثبات میں مذہبی اجماع یا جمہور کے قول کی جانب منتقل ہو گئے اور یہ دونوں شرعی حجت نہیں ہیں۔ چنانچہ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "الإرشاد" (ص ۴۳۱) میں ہے:

"بعض ائمہ کی بعض پر فضیلت کے متعلق کوئی یقینی و عقلی ثبوت نہیں ہے۔ اور ان کی شان میں وارد ہونے والی احادیث باہم متعارض ہیں لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابو بکر افضل ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما، پھر عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق خیالات باہم متعارض ہیں۔ ہمارے لئے مختصراً یہی کافی ہے کہ ملّت کے اکابرین اور امت کے علماء کی اکثریت اسی پر متفق ہوئی، اور ان کے ساتھ ہمارا حسن ظن اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر وہ اس ترتیب کے دلائل اور علامات کو نہ جانتے تو اس پر متفق نہ ہوتے اور تفصیلاً علامات یہ ہیں: قرآن، سنت، آثار اور علامات صحابہ رضی اللہ عنہم"۔

امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل امور کی صراحت فرمائی:

1. دلیل عقلی کا نہ ہونا
2. دلائل نقلیہ کا باہم متعارض ہونا
3. پھر آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ غالب گمان اسی ترتیب مذکورہ پر ہے

۴ گویا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب مسئلہ دلیل عقلی اور نقلی سے خالی ہے تو وہ کون سی دلیل ہے جس کے سبب آپ نے یہ مذہب اختیار کیا؟

تو ان کا جواب شاید یہی ہوگا کہ "ہمارے لئے مختصراً یہی کافی ہے کہ اکابرین ملت اور علماء اسلام اس ترتیب پر متفق ہیں"۔

پس ان کا جواب انتہائی عمدہ ہے کہ انہوں نے قول جمہور سے استدلال تو کیا مگر وہ اجماع کا ذکر نہ کر سکے۔

رہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تو اُن کی عبارت (۱) یوں ہے:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر اجماع کر لیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پر اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے پر اجماع کر لیا، اور اُن کے بارے میں اغراض میں سے کسی غرض کے سبب دین اِلٰہی میں خیانت کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور اُن کا اس ترتیب پر اجماع خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر استدلال کے لیے انتہائی حسین ہے۔"

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۰۷)

میں کہتا ہوں: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرما دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترتیبِ خلافت پر اجماع خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیبِ افضلیت کی بہترین دلیل ہے۔ اس سے تو امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی گذشتہ دلیل ہی آن واحد میں پیچیدہ و دور از فہم ہو گئی کیونکہ وہ جمہور کا قول ہے اور آپ جانتے ہیں کہ قولِ جمہور حجت نہیں۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع کی دلیل امامت (فضیلت، فیضی)

(۱) امام غزالی کے کلام پر آئندہ باب میں تفصیلی بحث آ رہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور خلافت کے مابین تلازم ہے۔(۱)

اس دلیل پر دو جوابات ہیں:

اولاً: فاضل کی موجودگی میں مفضول کو امام بنانا جائز ہے اور یہ اشعری، ماتریدی اور جمہور معتزلہ کے نزدیک صحیح اور معتمد ہے۔

ایک حل طلب اشکال

ثانیاً: ہم اپنے مؤقف کو چھوڑ کر تسلیم کر لیتے ہیں کہ خلافت اور افضلیت کے درمیان تلازم ہے اور یہ افضلیت زمانی ہے مطلق نہیں، لہٰذا اس زمانی افضلیت سے خلیفہ کی مطلق افضلیت لازم نہیں آتی، وہ فقط اپنے دور کے لوگوں سے افضل ہوگا جو لوگ خلیفہ سے دور ہوں یا خلیفہ کے دورِ اقتدار سے پہلے وفات پا چکے ہوں تو وہ اس دعویٰ اجماع میں داخل نہیں ہوں گے۔ پس جب تمہارے بقول اجماع منعقد ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کی افضلیت یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی افضلیت کے مابین تلازم (دو چیزوں کا باہم لازم ہونا) ہوگیا تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنے سے ماقبل لوگوں مثلاً حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابوعبیدہ اور ان کی مثل دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم سے افضل ہوں؟ (۲)

یہ حل طلب اشکال ہے، میں امید کرتا ہوں کہ جو شخص اس مسئلہ سے آگاہ ہو جائے گا اور بلا تکلف اس کو حل کر لے گا وہ مجھے ضرور آگاہ کرے گا۔ **واللہ المستعان۔**

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ لہٰذا آپ بھی غور فرمائیں، اور اللہ ہی سب سے بہتر جانتا ہے، اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔

---

(۱) مزید تفصیل ان شاء اللہ اگلی فصل میں آرہی ہے۔

(۲) ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ باب میں اس مسئلہ کی تائید میں تصریحات آئیں گی۔

تیسرا باب

خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کے دعویٰ کی تحقیق

بعض علماء نے ترتیب خلافت کو ترتیب افضلیت کی حجت یا مانوس دلیل سمجھا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم، جیسا کہ ان کی ترتیبِ خلافت ہے۔(۱) لیکن اس تلازم میں نظر ہے، اس لیے کہ ترتیب خلافت کا ظنی ہونا متفق علیہ ہے، لہٰذا اس اتفاق کے بعد یہ ترتیب خلافت، مقدم خلیفہ کی متاخر سے افضل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ خلافت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئی اور لوگ مناصب (عہدوں اور ذمہ داریوں) کی بنیاد پر نہیں بلکہ کثرت فضائل اور خصائص کے سبب ایک دوسرے پر فضیلت کا اظہار کرتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب فضیلت ان کی ترتیب خلافت کی مانند ہے، اور اس مقام پر قابل غور بات یہ ہے کہ جب ہم نے کہا کہ فلاں، فلاں سے افضل ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا مقام اللہ کے نزدیک آخرت میں بلند تر ہے اور یہ

---

(۱) یہ لوگ سیدنا امام حسن بن علی علیہما السلام کا ذکر نہیں کرتے حالانکہ یہ سب آپ کی صحتِ خلافت پر متفق ہیں۔ بعض مؤلفین نے تو اپنی تصنیف میں زیادتی کی انتہا کرتے ہوئے سیدنا علی علیہ السلام کے بعد اموی بادشاہوں کا ذکر کر دیا ہے۔

غیبی امور سے ہے جس کو خدا اور اس کی اطلاع سے رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں دوسرا کوئی نہیں جانتا، لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص جناب رسالت مآب ﷺ سے منقول ایسے قطعی اور متواتر دلائل کا دعوی کرے جو اس ترتیب فضیلت کے متقاضی ہوں بلکہ تمام خلفاء کی تعریف منقول ہے، اور نبی ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں وارد احادیث سے ان کی فضیلتوں کی ترجیحات کا استنباط کرنا مشکل امر ہے، اندھا دھند تیر بازی اور بلا سوچ سمجھے دخل اندازی ہے، جس سے اللہ نے ہمیں بے نیاز رکھا ہے۔"

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۰۷)

پھر آپ فرماتے ہیں:

"صحابہ نے حضرت ابو بکر کی تقدیم پر اجماع کیا، پھر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کی تصریح فرمائی، پھر صحابہ نے اُن کے بعد حضرت عثمان پھر حضرت علی کے مقدم ہونے پر اجماع کر لیا، اور اُن (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے دنیاوی اغراض میں سے کسی غرض کے سبب دین الٰہی میں خیانت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور اُن کا اس ترتیب پر اجماع فرمانا اُن (خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم) کی فضیلت کی دلیل اخذ کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔"

میں کہتا ہوں: امام ابو حامد غزالی کے کلام سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

1. مسئلہ تفضیل میں اصل "توقف" ہے اور ترجیح کا استنباط کرنا اندھا دھند تیر بازی اور بلا سوچ سمجھے دخل اندازی ہے، جس سے اللہ نے ہمیں بے نیاز رکھا ہے"۔

ترتیب فضیلت پر آپ نے اجماع سے استدلال کیا، چنانچہ فرمایا: "اور ان کا اس ترتیب یعنی خلافت پر اجماع فرمانا اُن کی فضیلت کی دلیل اخذ کرنے کا بہترین طریقہ ہے"۔

میں کہتا ہوں: دعوائے اجماع اور افضلیت و خلافت کے مابین تلازم پر درج ذیل وجوہ سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اولاً: یہ اجماع اس پر قائم ہے کہ افضل کو مقدم ماننا واجب ہے اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضل کی تفتیش اور اسے بحیثیت افضل مقدم کرنے پر اتفاق لازم آتا ہے اور یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے۔

ثانیاً: خلافت کی صحت اور خلیفہ پر اجماع کے مابین یقیناً تلازم نہیں ہے۔ بلاشبہ چاروں خلفاء کی خلافت سے متعدد جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انحراف کیا اور ان میں سے کسی ایک پر بھی اجماع واقع نہیں ہوا، حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا اختلاف مشہور و معروف ہے مگر اس کے باوجود چاروں خلفاء کی خلافت کی صحت پر قطعی طور پر سبھی قائل ہیں:

ثالثاً: بیشک صحت خِلافت کے لیے اکثر ارباب حل وعقد کا اتفاق ہی کافی ہے، اسی قاعدہ کے مطابق سقیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کو متروک رکھا یہاں تک کہ مسجد نبوی میں ارباب حل و عقد کی موجودگی میں بیعت فرمائی۔

رابعاً: امام شیخ محی الدین ابن العربی الحاتمی فرماتے ہیں:

"خلافت میں ایک شخص کا تقدم دوسرے شخص پر محض زمانہ کے تقدم کے باعث ہے، اس سے فضیلت کا تقدم لازم نہیں آتا، بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا ہے

لیکن اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ سے زیادہ اتباع کے حقدار ہیں بلکہ یہ حکم صرف تقدم زمانی کے باعث ہے۔کیونکہ زمانہ کو بھی تقدم کا حکم حاصل ہوتا ہے زمانہ کی جہت سے نہ کہ مرتبہ کی جہت سے۔یہی صورت رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کی ہے۔سو بلاشبہ حکمت الٰہی نے خلافت کی ترتیب خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی وفات اور امور خلافت کے ان اہم معاملات کے مطابق رکھی جو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے لیے لازمی تھے۔باوجود اس کے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے خلیفہ کے دور خلافت میں خلافت کی اہلیت کا حامل تھا۔اللہ عزوجل کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو لازمی طور پر حکومت ایک خاص ترتیب سے ملے گی جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے اگر خدا بعد میں آنے والے خلیفہ کو مقدم کرنے کا فیصلہ کرتا تو یقیناً پہلے خلیفہ کو معزول کر دیتا یہاں تک کہ خلفاء میں سے وہ فرد جس کے لیے اللہ نے اس خلیفہ کے بعد خلافت لازم کر دی تھی وہ خلافت سنبھال لیتا۔خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب خلافت میں ان کی عمروں کا اعتبار ہے تا کہ کوئی بھی خلیفہ خلافت کا حق رکھتے ہوئے معزول نہ ہو کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔"

شیخ محی الدین دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مجموعی طور پر کسی کو بھی اس طرح کے مسئلہ میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ وہ نص صریح کی روشنی میں ہو، اس کے ساتھ ساتھ ہم خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کے برحق ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ

جمہور قائل ہیں اور ہم نے جمہور سے فقط علتِ تقدیم میں اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت میں افضلیت کو تقدم ہے، ہم کہتے ہیں: یہ زمانی تقدم ہے، اگر ہر متاخر (بعد والا) مفضول ہے تو نبی ﷺ سے زمانی طور پر مقدم ہونے والی ہستیاں آپ سے افضل قرار پائیں گی اور کوئی محقق اس بات کا قائل نہیں ہے"۔

ملاحظہ ہو: "الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر للعلامۃ عبدالوہاب الشعرانی (ص: ۳۳۲،۳۳۳)"

قاضی عیاض مالکی نے بھی اسی مفہوم کی صراحت فرمائی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷، ص ۳۸۹)

خامساً: علامہ مقبلیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"امارتِ خاصہ امارتِ عامہ کا حصہ ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ کس شخص کے ذریعے مقاصدِ خیر کا حصول اور برائیوں کا قلع قمع ممکن ہے اور اس بات کا انحصار فضیلتِ خاصہ پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی مفضول دوسری صلاحیتوں کی بنا پر ان امور کو سنبھال لیتا ہے حتیٰ کہ اس کی حکومت متعین ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص پیہم نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے ادوار میں حکومت کرتے رہے اور ان کے ماتحت اُن سے بہتر حضرات کام کرتے رہے، جیسا کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ (اور خود شیخین کریمین رضی اللہ عنہم، فیضی) حالانکہ عمر بن العاص اور ان حضرات کے مابین اسلامی نسبت کے سوا کوئی نسبت نہیں، کیونکہ عمرو بن العاص نہ تو افضل صحابہ میں سے تھے اور نہ ہی اُن کا شمار علماءِ صحابہ میں ہوتا تھا، اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یکے از عشرہ مبشرہ) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور فرمایا: میں نے انہیں کسی عاجزی اور خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا پھر معاویہ کو گورنر بنا دیا اور ان دونوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ موضوع بہت طویل ہے لیکن جو شخص بھی تاریخی واقعات کا بخوبی علم رکھتا ہے اسے مذکورہ واقعات کی صحیح مثالوں کے لانے کا ضرور علم ہو جائے گا۔''

(الأرواح النوافح ص ۳۹۷،۳۹۸)

پھر علامہ مقبلیؒ فرماتے ہیں:

''ایک امارت اور دوسری امارت میں کوئی فرق نہیں ہے، امارت کا دارومدار صرف اس مقصد کا حصول ہوتا ہے جس کے لیے وہ شروع کی جائے، اور اس پر جن باتوں کا اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ محض دعویٰ ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہی بات حق ہے خواہ کوئی کتنا ہی ناک بھوں چڑھائے۔''

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور رہا اجماع کے دعوے سے مراد لوگوں کا یہ اتفاق کہ حکومت کا حامل فلاں فرد ہے، مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، چہ جائیکہ آپ کے علاوہ کوئی اور ہو۔ آپ پر مخفی نہیں ہے کہ ہم کتابِ ھذا میں بار بار بیان کر چکے ہیں کہ ایسے بعض دعووں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ماسوا اس کے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی پر پایا ہے۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ حکومت سنبھالنا، حکومت سے معزول ہونا اہل ہمت کے مابین تفاضل کرنا، خلافت و فضیلت مابین یہ امور لازم نہیں

ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت کی حادثاتی صورتِ حال کے مطابق جو فیصلے کئے وہ اپنے گمان کے مطابق اس کا زیادہ حق رکھتے تھے، انہوں نے اپنی کوشش کی اور وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اصابت رائے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا اِس پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی حمد ہے''۔

سادساً: یقیناً خلافت اور افضلیت کے مابین کوئی تلازم نہیں ہے، ماسوا ان لوگوں کے جو افضل ہی کو خلافت کا مستحق گردانتے ہیں، یہ ایک استدلالی مذہب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذاتی تصرفات کے مخالف ہے، اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو تصرفات خلافت اور افضلیت کے تلازم کے منافی ہیں وہ یہ ہیں:

(1) امام ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں:

''جن حضرات نے مفضول کی امامت کو جائز قرار دیا ہے ان کے قول کی دلیل حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی صحت خلافت پر مبنی ہے۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت صحیح قرار پائی تو انہوں نے مجلس شوریٰ میں فرمایا: ''آج اگر ابو عبیدہ بن جرّاح (رضی اللہ عنہ) زندہ ہوتے تو میں انہیں تم پر خلیفہ مقرر کرتا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن سے افضل ہیں۔ اس قول میں دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مفضول کی امامت کو جائز سمجھتے تھے''۔

(اُصول الدین لأبی منصور ص ۲۹۴)

امام ابو بکر باقلانی نے بھی اسی مفہوم کی تصریح فرمائی ہے۔

(التمہید للباقلانی ص ۱۸۴)

نیز امام باقلانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد ''وُلِّيتُكُمْ وَلَسْتُ

بِخَیْرِکُمْ" (میں تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

"ممکن ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھتے ہوں کہ اُمت میں اُن سے افضل موجود ہیں مگر اتفاق اُن پر ہوگیا ہے، اور آپ کی نگاہ میں امت زیادہ صالح ہو لیکن آپ اُن پر مفضول کی امامت کا جواز واضح کرنا چاہتے ہوں"۔ (التمہید للباقلانی ص ۱۸۵)

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت اور افضلیت کے مابین کوئی تلازم نہیں ہے۔
اور "فتح الباری" میں ہے:

"ابن بطال نے قصہ شوریٰ کے تحت کہا: اس واقعہ میں دلیل ہے کہ مفضول کو اس سے افضل پر حاکم مقرر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) خلافت کے معاملہ کو چھ افراد کی شوریٰ کے سپرد نہ فرماتے، حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ ان میں بعض، بعض سے افضل ہیں۔ ابن بطال نے کہا: "اس بات پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ قول (جو انہوں نے سقیفہ میں کہا) بھی دلالت کرتا ہے کہ میں تمہارے لیے ان دو شخصوں میں سے کسی ایک کو پسند کرتا ہوں: عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ اُن دونوں سے افضل ہیں"۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹)

۲ انہی دلائل میں سے ایک دلیل "صحیح مسلم" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث ہے، اُن سے سوال کیا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟ فرمایا: ابوبکر کو۔ پھر سوال ہوا ابوبکر کے بعد کس کو بناتے؟ فرمایا عمر کو۔ پھر

پوچھا گیا: عمر کے بعد کس کو بناتے؟ فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح کو رضی اللہ عنہم"۔

(صحیح مسلم رقم ۲۳۸۵)

میں کہتا ہوں: خلافت و افضلیت کے مابین تلازم والے مذہب کے مطابق حضرت ابوعبیدہ بن جراح حضرت علی اور حضرت عثمان سے افضل قرار پاتے ہیں اور یہ شیخین کریمین کے بعد ان دونوں (عثمان و علی) کی افضلیت کے اجماع کے دعوے کے خلاف ہیں۔

۳) امام احمد بن حنبلؒ امام ابن شبہ اور امام ابن سعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

آپ نے فرمایا: اگر مجھے موت آنے لگے اور ابوعبیدہؓ زندہ ہوں تو میں انہیں خلیفہ نامزد کرتا، پھر اگر اللہ مجھ سے پوچھتا کہ تو نے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابوعبیدہؓ کو کیوں خلیفہ بنایا؟ تو میں عرض کرتا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ "ہر نبی کا ایک خاص امانت دار ساتھی ہوتا ہے اور میرا امانت دار ساتھی ابوعبیدہ بن جرّاح ہے" تو قوم نے آپ کی بات کا انکار کیا اور کہا کہ قریش کے معزز افراد کہاں جائیں گے؟ ان کی مراد بنو فہر تھی۔ پھر آپؓ نے فرمایا: اگر مجھے موت اس حال میں آتی کہ ابوعبیدہ وفات پا چکے ہوتے تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ مقرر کرتا، پھر اگر میرا رب عزوجل مجھ سے پوچھتا کہ ہم نے معاذ بن جبل کو کیوں خلیفہ نامزد کیا تو میں جواب دیتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا "بیشک وہ قیامت کے دن علماء کے مابین منفرد حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے"۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۱۸، فضائل الصحابۃ رقم ۱۲۸۵، ۱۲۸۷، تاریخ المدینۃ لابن شبہ ج ۳ ص ۸۸۶، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۴۱۳، ۵۹۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی

ثقہ ہیں، اور ذہبیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (سیر أعلام النبلا، ج ا ص ۱۱، ۱۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی اسی طرح فرمایا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: (سیر أعلام النبلا، ج ا ص ۳۷۲)

میں کہتا ہوں: خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم کے قائلین کے مذہب کے مطابق حضرات ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبلؓ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم حضرت عمر کے مذہب میں حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل قرار پاتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ترتیب خلافت کے مطابق ترتیب افضلیت کے اجماع کا دعوی منہدم ہو جاتا ہے۔

④ اگر خلافت افضل ہی کے لئے ہوتی تو سقیفہ میں ہونے والی بحث افضل کے تعین کی تحقیق میں ہوتی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو سقیفہ میں آپس میں اختلاف کیا۔ انصار نے کہا: "منا أمير و منكم" (ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے) اور آوازیں بلند ہوئیں اور شور و غل ہو گیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: منا الأمراء و منكم الوزراء" (ہم سے امراء اور تم سے وزراء)۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں تمہاری حکومت کے لیے ان دو میں سے کسی ایک کے لیے راضی ہوں: عمر بن خطاب اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح کو رضی اللہ عنہم"۔

اور حضرت حباب بن منذر الانصاری البدری رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا اور کہا: "میں اس کا تجربہ کار اور نبھانے والا ہوں"۔

اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا

اور انہوں نے اور ان کے فرزند قیس بن سعد نے تاحیات حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت نہیں کی۔

اور انصار کی ایک جماعت نے کہا: ''ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے'' علاوہ ازیں سقیفہ بنو ساعدہ میں جو کچھ ہوا اس کو ملاحظہ فرمائیے!

(مسند أحمد ج١ ص٥٥،٥٦ بخاری رقم ٣٦٦٨، ٦٨٣٠، مسلم رقم ١٦٩١، مسند الحمیدی رقم ٢٦،٢٧، نسائی رقم ١٥٩،٧١٦٥،٧، ابن حبان رقم ٤١٣، ٤١٤، ٦٢٣٩، السنن الکبری للبیہقی ج٨ ص٢١١ وغیرھا)

پھر مہاجرینؓ نے انصارؓ پر نبی کریم ﷺ کے فرمان ''الأئمة من قریش'' (ائمہ قریش سے ہوں گے) سے دلیل قائم کر دی۔

اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل واضح ہوتی اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اور خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم عیاں اور سقیفہ کے حاضرین کے ذہنوں میں موجود ہوتا تو ان کے مابین مخصوص دلیل یعنی افضلیت شیخینؓ پر بحث ہوتی، لیکن وہاں کے حاضرین کے درمیان دلیل عام پر بحث ہوئی اور وہ یہ ارشاد نبوی ہے ''الأئمة من قریش'' (ائمہ قریش سے ہوں گے) پس اس میں ہر قریشی داخل ہو گیا اور انصار رضی اللہ عنہم نے اس فرمان کو کافی سمجھا اور افضل و مفضول کی بحث کو مد نظر نہ رکھا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کو اپنی ذات پر مقدم رکھا رضی اللہ عنہم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

⑤ ابن اثیر نے فرمایا ہے:

''حضرات علی، بنو ہاشم، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم بیعت سے پیچھے رہے''۔

(الکامل لابن اثیر ج٢ ص١٧٩)

اور امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ''الإستیعاب'' میں حضرت ابو بکر صدیقؓ

کے حالات میں فرمایا ہے:

"سعد بن عبادہ، خزرج کا ایک گروہ اور قریش کا ایک گروہ اُن کی بیعت سے پیچھے رہا، پھر بعد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اُن کی بیعت کرلی"۔

⑥ حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی بیعت صدیقی سے پیچھے رہے حالانکہ وہ سابقین میں سے تھے بلکہ قبولِ اسلام کے لحاظ سے وہ پانچویں یا چھٹے نمبر پر تھے اور مشہور و معروف تھے۔ امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے:

"ابن حمید نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ نے از ابن اسحاق از عبد اللہ بن ابو بکر بیان کیا کہ جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یمن سے لوٹے تو دو ماہ تک بیعت سے رکے رہے، فرماتے تھے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر مقرر فرمایا تھا پھر آپ نے مجھے معزول نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلالیا، اور وہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان سے ملے تو کہا: "اے بنو عبد مناف! تم نے بخوشی اپنا معاملہ چھوڑ دیا تو دوسروں نے سنبھال لیا"۔

(تاریخ الطبری ج ۳ ص ۳۸۷)

پس یہ اور انصار و مہاجرین کی اس جماعت نے یا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے گریز کی یا تاخیر فرمائی، اور تفصیل میں ان کے مؤقف کے دو احتمال ہو سکتے ہیں:

اولاً: یا تو وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ ہیں۔

یا وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ نہیں ہیں۔

ثانیاً: پس احتمالِ اول کے مطابق ان کی تاخیر سے لازم آتا ہے کہ ان کے مذہب میں خلافت کے لیے افضل کا ہونا شرط نہیں ہے۔

اور احتمالِ ثانی کے مطابق ان کی رائے میں خلافت کا افضلیت سے کوئی تعلق نہیں، اور ان کی اکثریت نے بعد میں بیعت کی تھی۔

⑦ الإستیعاب میں ہے کہ امام ابن المبارک نے ذکر کیا ہے کہ مالک بن مِغوَل نے ابو الخیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو ابو سفیان بن حرب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ''تم پر اس معاملے میں قریش کا سب سے حقیر گھرانہ غالب آگیا لیکن اللہ کی قسم میں میدان کو گھڑ سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے لیکن اسلام اور اہل اسلام کو تمہاری دشمنی کچھ نقصان نہ پہنچا سکی، بے شک ہم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل جانا ہے، اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے امام ابن مبارک رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، اور یہ متعدد الفاظ کے ساتھ مشہور ہے''۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۹۷۴)

⑧ تاریخ ابن الوردی میں ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول کے دوسرے عشرہ گیارہویں ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو تمام لوگ ان کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، ماسوا بنو ہاشم کی ایک جماعت، حضرات زبیر رضی اللہ عنہ، عتبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن عاص، مقداد بن

عمرؓ، سلمان فارسیؓ، ابو ذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب، ابی بن کعب اور ابو سفیان اموی کے۔ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے اور اس موقعہ پر حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن ابولہب نے کہا تھا:

۱۔ میں نہیں گمان کرتا تھا کہ حکومت پہلے بنو ہاشم سے پھر ان میں سے اس ابو الحسن سے چلی جائے گی۔

۲۔ جو سب سے پہلے ایمان لانے والا اور سبقت کرنے والا ہے، اور قرآن وسنت کا سب سے بڑا عالم ہے۔

۳۔ وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر آخری وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے والا، جبریل علیہ السلام جن کے ساتھ غسل وکفن میں معاون رہے۔

۴۔ اس میں وہ تمام خوبیاں جمع ہیں جو ان سب میں متفرق ہیں، وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے، اس میں جو محاسن ہیں وہ پوری قوم میں نہیں ہیں۔

(الاستیعاب ج ۳، ص ۱۱۳۳، أسد الغابۃ ج ۳، ص ۶۲۱)

⑨ حضرت عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وصال میں فرمایا: تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلو تاکہ ہم آپ سے اس معاملہ میں دریافت کریں، پس اگر یہ معاملہ ہم میں رہا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی اور کے لیے ہوا تو ہم آپ کے ساتھ بات چیت کریں گے تو آپ ہمیں وصیت فرمائیں گے۔

(بخاری رقم ۴۴۴۷، فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۲)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سوال واضح طور پر خلافت کے متعلق ہے نہ کہ افضل کے متعلق، لہٰذا متعین ہوگیا کہ خلافت وافضلیت کے مابین کوئی تلازم نہیں۔

رابعاً: ابن حزم نے الفصل میں کہا ہے:

''صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب زمام اقتدار سنبھالی تو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أیھا الناس! إني ولیتکم ولست بخیر کم۔

ترجمہ: ''لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔''(۱)

سو اُن سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں علی الاعلان کہا کہ وہ اُن (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بہتر نہیں ہیں اور اس بات کا اُن میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہ کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انہوں نے آپؓ کے قول کو مقرر رکھا''۔

(الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۰۹)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی افضلیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف فضیلت کا دعویٰ فرمایا۔ ابو محمد ابن حزم نے الفصل میں کہا:

''اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حقیقتاً اور واقعتاً فرمایا کہ ''میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں'' تواضعاً نہیں فرمایا۔

پھر ابن حزم نے ابو سعید خدریؓ سے نقل کیا، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں لوگوں سے زیادہ اس کا استحقاق نہیں رکھتا؟ اور کیا میں نے سب سے پہلے اسلام قبول نہیں کیا؟ کیا میں فلاں فلاں فضیلت کا حامل نہیں ہوں۔۔۔۔؟'' (بخاری)

---

(۱) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کو امام عبد الرزاقؒ، امام ابن ہشام اور امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے۔ (المصنف لعبد الرزاق ج۱۱ ص۳۳۶، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج۴ ص۶۶، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ ص۱۸۲) ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (البدایۃ والنھایۃ ج۵ ص۲۸۰ و ج۶ ص۳۴۰، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج۴ ص۴۹۳)

ابن حزم کہتے ہیں:

"غور کیجئے کہ ابو بکرؓ اپنے تمام فضائل کو بیان کر رہے ہیں، جب آپؓ اپنے بیان کردہ فضائل و اقوال میں سچے ہیں تو اگر آپؓ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہوتے تو ضرور اس کا بھی صراحۃً ذکر فرماتے اور پوشیدہ نہ رکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کذب سے محفوظ رکھا ہے"۔ (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۱۰)

جب آپ نے یہ جان لیا کہ خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم درست نہیں ہے تو نصوص واضحہ اور قواعد شریعہ سے عدول کر کے غیر وثوق اجماع کی طرف منتقل ہونے کی خطا بھی آپ پر واضح ہو چکی ہے۔ اسی لیے امام غزالی کے مذہب کے طور میرے نزدیک توقف درست ہے، اور اسی کو اشعریوں کے ائمہ مثلاً باقلانی، آمدی اور سعد الدین تفتازانی وغیرہ کا مذہب شمار کیا جانا چاہیے، ان سب کی تصریحات پہلے آ چکی ہیں کہ تفاضل ظنی مسئلہ ہے، بلکہ امام باقلانی نے تو توقف کو مستحسن قرار دیا ہے، جیسا کہ پیچھے انکا قول گزر چکا ہے اور اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔

امام حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت کے متعلق ایک فائدہ اور اشکال

پانچویں خلیفہ راشد، نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امام حسن بن علی علیہما السلام ہیں۔ ابن کثیر نے کہا ہے:

"آپ کے ایک خلیفۂ راشد ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم نے دلائل نبوت (معجزات کے باب) میں رسول اللہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سفینہ کی سند سے نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہت ہوگی"۔ اور تیس سال حضرت حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت کے ساتھ ہی مکمل

ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے معاویہ کے لیے دستبرداری اکتالیسویں سال کے ماہ ربیع الاول میں فرمائی تھی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت سے ٹھیک تیس سال بنتے ہیں، کیونکہ آپ کا وصال ہجرت کے گیارہویں سال ماہ ربیع الاول میں ہوا تھا۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳)

میں کہتا ہوں: امام حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت تمام اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے۔(۱) لہٰذا اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے قاعدہ کے مطابق امام حسن بن علی علیہما السلام کو خلفاء اربعہ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانیں۔ لقّانی نے الجوہرۃ میں کہا ہے:

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بہترین افراد وہ ہیں جنہوں نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اور ان کی ترتیب فضیلت ان کی ترتیب خلافت کی مانند ہے۔

پس اس قول کے مطابق خلافت فقط افضل کے لیے ہوگی، اور یہ امام اشعریؒ کا قول ہے، لہٰذا امام حسن بن علی علیہما السلام افضل ہوئے۔

اور دوسرے یعنی مفضول کی خلافت کے جواز کے قول کی صورت میں تفضیل کے تمام دلائل میں ایسا تعارض پیدا ہو جاتا ہے جو توقف کو واجب کر دیتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ترتیب افضلیت ترتیب خلافت سے اخذ کی گئی ہے اور یہ جمہور اشعری و ماتریدی اہل سنت کا قول ہے، سو اِس قول کے مطابق بھی امام حسن بن علی علیہما السلام خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد افضل ہیں۔

یہ تمام بحث جمہور اہل سنت کے اصول پر ہے، رہے اثنا عشری اور زیدی شیعہ تو ان کے نزدیک امام حسن کی خلافت کی صحت قطعی ہے اور اسی طرح آپ کی افضلیت بھی آپ کے ابوین کریمین رضی اللہ عنہم کے بعد قطعی ہے، اور یہی قول اُن اہل سنت

(۱) یہاں مباحث کثیرہ کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور تاریخ ضائع ہونے سے قبل چاہیے کہ خالصتاً علمی اور غیر جانبدارانہ بنیادوں پر اسے مستقل طور پر مرتب کیا جائے۔

حضرات کا بھی ہے جنہوں نے "بَضعة النبوية" (جسم نبوی کے ٹکڑے) کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے، اور امام حسن علیہ السلام وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمام عیب دار چیزوں کو دور کر دیا اور اُنہیں خوب طاہر کر دیا اور وہ اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ نوجوانانِ جنت کے سید ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اگر یہ کہا جائے: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ افضل ہیں لیکن ان کی افضلیت زمانی ہوگی اور وہ فقط اپنے زمانہ کے لحاظ سے افضل ہوں گے مطلقاً نہیں۔

اس کے دو جواب ہیں:

1. یہ اعتراض خلفاء اربعہ کے حق میں بھی واجب ہوگا کہ ان کی افضلیت زمانی ہے۔
2. زمانی افضلیت کے قول کے مطابق امام حسن حضرت سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید سے بھی افضل ثابت ہوتے ہیں اور وہ دونوں عشرہ مبشرہ سے ہیں اور امام حسن کی خلافت کے بعد بھی حیات رہے۔ اس صورت میں تمام اتفاقات اور اطلاقات باہم مضطرب ہو جاتے ہیں اور رفوگر (تطبیق دینے والے) کے بس سے معاملہ نکل جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

چوتھا باب

ان حضرات کے مذہب میں جو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وصال یافتہ صحابہ کی افضلیت کے قائل ہیں (۱)

آپ بخوبی جان چکے ہیں کہ جمہور اہل مدینہ اور اہل علم کے ایک گروہ کا مذہب مسئلہ تفضیل میں توقف ہے۔ پھر تفضیل کی تصریح کرنے والوں کے دو مختلف

(۱) بعض ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت مجموعی حیثیت سے ہے۔ جس سے ایک فرد کو دوسرے پر فضیلت دینا لازمی نہیں ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں آنے والے لوگ حضرات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہیں، اور یہ ابن عبد البر اور قرطبی کا مختار قول ہے۔ ابن عبد البر نے اہل بدر و حدیبیہ کو دلیل قطعی کی بنیاد پر مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ انہوں نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔ جن میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا: تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے“۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ اور اس موضوع پر دیگر احادیث بھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے! حافظ علائی کی۔ (تحقیق منیف الرّتبۃ ص ۸۳، ۸۶، فتح الباری ج ۷، ص ۶، ۷، المواھب اللدنیۃ ج ۱ ص ۴۲۴)

اہل علم و نظر کو کوئی شک نہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کے ائمہ، حضرت اویس بن عامر القرنی، اولادِ صحابہ کی ایک جماعت، حضرت عمر بن عبد العزیز، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، فقہاء سبعہ، سفیانین، امام مالک، امام شافعی، اکابر صوفیہ کرام اور ان کی مثل دوسرے بزرگانِ دین رضی اللہ عنہم، بسر بن اَرطاہ، اَبو الغادیہ، حکم بن ابی العاص، خارجیوں کا سردار حرقوص بن زہیر المعروف ذو الخویصرہ تمیمی اور بعض طلقاء اور مؤلفۃ القلوب کے برابر نہیں ہیں۔

قول ہیں۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضل وہ حضرات ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وصال فرما گئے۔

اور دوسرے گروہ نے ان میں سے مطلقاً افضل کا تعین کر دیا۔

1 امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''معتبر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت اس قطعیت کی طرف گئی ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شہید ہوئے مثلاً حضرات حمزہ، جعفر، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ اور ان کی مثل دوسرے وہ صحابہ کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل وصال فرما گئے اور آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی، وہ اُن صحابہ سے افضل ہیں جو بعد میں زندہ رہے اور جن کے بارے میں فرمایا: ''سنو میں از خود نہیں جانتا کہ میرے بعد تم کیا کرو گے''۔آپ نے ان کے بارے میں اُن فتنوں اور دنیا کی طرف میلان کا خدشہ کیا جس میں بعض مبتلا ہو گئے تھے۔

اور کچھ علماء کرام نے کہا: جو لوگ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں افضل ترین حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم یا فلاں فلاں ہیں اُن کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد زندہ تھے ان میں یہ ترتیب افضلیت ہے۔'' (الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۳۷)

2 حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل وہ حضرات ہیں جنہوں نے حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شہادت کا رتبہ

پایا اور بعض علماء کرام نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو افضل معین کیا ہے۔" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷)

بلکہ ابن رشدؒ نے بیان فرمایا ہے:

۸ "اسی طرح علماء کرام نے ان (غیر شہداء) صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی تفضیل کا قول کیا ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وصال فرمایا، ابن رشدؒ نے اس قول کی نسبت امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔" (الجامع من المقدمات ص ۱۷۶)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

۹ "علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وصال فرما گئے وہ بعد والوں سے افضل ہیں، ابو عمر بن عبد البرؒ کا مختار مذہب یہی ہے۔"

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۸۲)

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ بعض علماء نے اس مذہب کو فقط ابن عبد البر کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ جلیل القدر علماء کرام کے ایک گروہ کا مذہب ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ پس اطلاقات، تہویلات (دھمکیاں) اجماعات اور دعوے کہاں؟

اللہ تعالیٰ تحقیقی و علمی افادات کو شرف و منزلت اور عظمت عطا فرمائے۔

پانچواں باب

افضل کا تعین کرنے والوں کے مذاہب

تمہید

افضل الصحابہ کی تعیین میں مسلمانوں کے اختلاف کے حل کے لیے ہم اس مسئلہ کا آغاز دو بڑے علماء امام ابو الحسن اشعری اور قاضی عبد الجبار معتزلی سے کر رہے ہیں، اور یہ دونوں اکابر فقہاءِ شافعیہ میں سے ہیں، بعد میں ہم مذاہب کا ذکر کریں گے۔

امام ابو الحسن اشعریؒ نے میں فرمایا:

''اور لوگوں نے مسئلہ تفضیل میں اختلاف کیا ہے، پس بعض نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور بعض حضرات نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر علی اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

بعض نے کہا: ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ابو بکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم پھر اس کے بعد ہم سکوت اختیار کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا موقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل علی ہیں پھر اُن کے بعد ابو بکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہم۔

اور جنہوں نے حضرت ابو بکر و عمر کی فضیلت کا اثبات کیا ہے اُن کے نزدیک

حضرت ابو بکر حضرت عمر سے افضل ہیں اور جنہوں نے حضرت عمر اور عثمان غنی کی فضیلت کا اثبات کیا ہے اُن کے مطابق حضرت عمر حضرت عثمان سے افضل ہیں رضی اللہ عنہم۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے: ہم نہیں جانتے کہ ابو بکر افضل ہیں یا علی، پس اگر ابو بکر افضل ہوں تو جائز ہے کہ حضرت عمر حضرت علی سے افضل ہوں، اور جائز ہے کہ حضرت علی حضرت عمر سے افضل ہوں، اور اگر حضرت علی حضرت عمر سے افضل ہوں تو وہ حضرت عثمان سے بھی افضل ہوں گے کیونکہ حضرت عمر حضرت عثمان سے افضل ہیں، اور اگر حضرت عمر حضرت علی سے افضل ہوں تو حضرت علی کا حضرت عثمان سے افضل ہونا جائز ہوگا، اور جائز ہے کہ حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہوں رضی اللہ عنہم، اور یہ جُبّائی کا قول ہے۔" (مقالات الاسلامیین ص ۱۴۷)

میں کہتا ہوں: امام ابو الحسن اشعری ؒ نے اختلاف کو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محدود کر دیا ہے حالانکہ ائمہ کرام سے مروی مذاہب اور اقوالِ عمومیت اس سے کہیں زیادہ ہیں، تاہم امام اشعری ؒ کا اثباتِ اختلاف غور طلب ہے۔

قاضی ابو الحسن عبد الجبار اسد آبادی شافعی نے "المغنی" میں "أبواب العدل والتوحید" میں لکھا ہے:

"مسئلہ تفضیل میں مشہور اختلافات یہ ہیں:

۱. بعض حضرات نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل کہا ہے
۲. دوسرے حضرات سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں
۳. اور بعض حضرات توقف کرتے ہیں۔

پھر ابو بکرؓ و علیؓ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اختلاف کو بیان کیا"۔

(المغنی ج ۲۰/ ۲/ ۱۱۵)

ابن ابی الحدید نے مسئلہ تفضیل کے متعلق معتزلہ کے مذاہب کو ذکر کرنے

کے بعد کہا ہے کہ معتزلہ کے مذاہب میں سے ایک مذہب ابوبکرؓ اور علیؓ کے مابین افضلیت میں توقف کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معتزلہ قطعی طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ سیدنا علی حضرت عثمان سے افضل ہیں رضی اللہ عنہم۔ (شرح نہج البلاغۃ ج ا ص ۱۶)

افضل کے تعین میں سلف سے بکثرت اقوال منقول ہیں، یہاں ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

پہلا قول

اکثر حضرات کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ، خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ ایک انتہائی مشہور و معروف اور واضح قول تھا، اور یہی اہل سنت، خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔

اہل سنت کے بعض حضرات، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں لیکن اہل سنت کے اشعری و ماتریدی ائمہ کے نزدیک یہ ایک ظنی قول ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا قول

متعدد حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام افضل ہیں۔ اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم الشان جماعت، خصوصا ہاشمی، کوفی، بعض اہل سنت اور معتزلہ کی اکثریت اسی کی قائل ہے، اور جہاں تک اہل تشیع کے مشہور مذاہب مثلاً زیدیہ اور امامیہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک حضرت علی کی افضلیت قطعی و یقینی ہے۔ عنقریب ان شاء اللہ ایک خاص باب ان لوگوں کے متعلق آئے گا جو حضرت علی علیہ السلام کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔

تیسرا قول

سلف میں سے کچھ حضرات وہ ہیں جو حضرت عمر بن خطاب کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں، ۔ابن حزم نے لکھا ہے:

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ساتھیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل عمر بن خطاب ہیں اور وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں ۔ مجھ تک محمد بن عبد اللہ حاکم نیشا پوری کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ اُن کی رائے یہی تھی ۔'' (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۸۲)

حافظ نے ارشاد فرمایا:

''اور ان میں سے بعض افراد وہ ہیں جو حضرت عمر کو تمام صحابہ پر مطلقاً فضیلت دیتے ہیں ۔'' (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷)

امام عبد الرزاق نے امام معمر بن راشد رضی اللہ عنہم سے بیان کیا کہ:

''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عمر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں تو میں اسے نہ جھڑکوں گا، عبد الرزاق نے فرمایا کہ میں نے یہ بات وکیع ''کو بتائی تو اس بات نے وکیع کو انتہائی مسرور کیا اور انہوں نے اس قول کو بہت سراہا ۔'' الاستیعاب (۳/ ۳۹۲) میں اسی طرح مذکور ہے ۔

صحیح بخاری میں زید بن اسلم سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''مجھ سے ابن عمر نے حضرت عمر کے بعض احوال کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال

کے بعد کسی کو بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے زیادہ عظمت اور سخاوت کا حامل نہیں دیکھا"۔ (بخاری رقم ۳۶۸۷)

میں کہتا ہوں کہ اسلم العدوی ثقہ ہیں انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے تھے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلاموں سے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب کی افضلیت پر چونکہ یہ روایت بالکل صریح ہے یا صریح کی طرح ہے اسی لیے حافظ اس کی تاویل کے درپے ہوئے تو لکھا:

"احتمال ہے کہ بعد سے مراد صفات میں بعد ہوں جس میں زمانہ کی قید نہیں ہوتی۔ پس ابو بکر صدیق اور آپ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کثرت سخاوت میں مشہور ہیں وہ اس مفہوم میں شامل ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کی بات ہو تو پھر بھی ابو بکر صدیق اس میں شامل ہیں، اور اس قول کی تاویل آپ کے زمانہ خلافت کے ساتھ کرنا بھی ممکن ہے۔"

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۹)

میں کہتا ہوں: بلکہ لفظ کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے اور قولِ اسلم میں کوئی اشکال و پیچیدگی نہیں ہے لیکن اشکال و پیچیدگی ان قواعد میں ہے جن کے ذریعے نصوص صریحہ میں اپنی مرضی کا تصرف کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ تفضیل عمر رضی اللہ عنہ میں اسلم العدوی تنہا نہیں بلکہ دوسرے حضرات بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) امام احمد اور ابو نعیم نے از شعبہ از حصین نقل فرمایا:

"آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ کو یہ بیان کرتے سنا کہ صحابہ کرام حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے متعلق باہم گفتگو کر رہے تھے کہ "عطارد" کے

ایک شخص نے کہا کہ" عمر بہتر ہیں" ایک شخص نے کہا کہ" ابو بکر بہتر ہیں"۔ جب یہ بات حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو وہ دوسرے کی جانب متوجہ ہوئے اور اسے ضرب لگائی پھر وہ جارود قبیلے کے فرد کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: تو مجھ سے دور ہو جا اور فرمایا کہ بے شک ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں اِس اِس لحاظ سے افضل ہیں۔ انہوں نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی اور کہا کہ جس شخص نے اس قول کے علاوہ کوئی بات کہی تو اس کے لیے وہی سزا ہے جو سزا مفتری کی ہے۔"

(فضائل الصحابة رقم ۱۸۹، ۳۹۶، الامامة لأبی نعیم رقم ۵۶)

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الصارم المسلول ص ۵۸۵)

اس کا ایک اور ثبوت ہے جسے ابن ابی شیبہؒ نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(المصنف لابن أبی شیبة ج ۱۲ ص ۱۰)

۲ ابو نعیم نے بیان کیا ہے:

"حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ چند افراد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے کہا کہ خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو ان سے زیادہ عدل میں بڑھا ہوا، حق بات کہنے والا اور منافقین پر غضبناک نہیں پایا۔ حضرت عوف بن مالک نے کہا: اللہ کی قسم تم نے حقیقت کے خلاف بات کی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عمر سے بھی زیادہ افضل شخص کو دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا: اے عوف تم کس کو افضل شمار کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ کو۔ تو عمر نے فرمایا: عوف نے سچ کہا اور تم لوگوں نے غلط کہا۔ یقیناً ابو بکر مشک کی خوشبو سے بھی

عمدہ تھے اور میں ہر گز ان کی مثل نہیں ہوں۔"
(الامامۃ لأبی نعیم ص ۵۷)

اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا ایک اور ثبوت ابن ابی شیبہؒ نے نقل کیا ہے:

"حسن فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر سے کہا: اے لوگوں میں سب سے بہترین شخص۔ تو انہوں نے فرمایا: میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ تو اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم ہم نے کسی کو آپ سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا: کیا تم نے ابو بکر کو نہیں دیکھا؟ اس نے کہا: نہیں۔۔۔۔ پھر آپ نے اوپر والی بات ارشاد فرمائی۔" (المصنف: لابن أبی شیبۃ ج ۱۲ ص ۱۶)

ان دونوں روایتوں میں واضح سبق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد پائے جاتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے۔

ابو بکر بن عربی نے اپنی کتاب عواصم میں لکھا ہے:

"بیشک ابن جریج مکی حضرت عمر کو ابو بکر رضی اللہ عنہم پر مقدم مانتے تھے اور طرطوشی کہا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص عمر رضی اللہ عنہ کو مقدم مانتا تو میں ضرور اس کی پیروی کرتا۔" (العواصم من القواصم ص ۲۵۸)

چوتھا قول

بعض حضرات نے سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام حاکم نے از عکرمہ، از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جعفر سے افضل نہ کسی نے جوتیاں

پہنیں، نہ اونٹنی پر سوار ہوا اور نہ ہی گھوڑے کی زین پر سوار ہوا۔"
(مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۳، جامع الترمذی رقم ۳۷۶۴، السنن الکبری للنسائی رقم ۸۱۵۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۰۹،۴۱)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔امام ذہبیؒ نے بھی حاکمؒ کی موافقت کی ہے۔

یہ قول صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حضرت جعفر بن ابی طالب کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات میں فرمایا ہے کہ

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بیشک جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔" (الاصابۃ ج ۲ ص ۸۵)

ذہبیؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے کہا:

"حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ قول ثابت ہے لیکن کسی شخص کو یہ زعم نہ ہو کہ یہی ان کا مذہب تھا کہ حضرت جعفر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں بلاشبہ یہ اطلاق اپنے عموم پر جاری نہیں ہوگا بلکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اس سے خارج ہیں۔لہٰذا یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کو اپنے قول کی عمومیت میں شامل نہیں فرمایا"۔ (سیر أعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۵۰۶)

میں کہتا ہوں: بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا کیونکہ اُن کے قول میں "رَجُلٌ" سیاقِ نفی میں نکرہ واقع ہوا ہے جو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے، اور اُن کی "بعدَ رسولِ الله ﷺ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد" کی قید سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام خارج ہو جاتے ہیں، لہٰذا ذہبی کا قول غیر جید ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے جسے ان کے متعلق ابن حزم نے (الفصل ج ۴، ص ۱۸۱) میں بیان کیا ہے اور یہ بالجملہ ان حضرات کے مذہب کے موافق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وصال یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل ہیں۔

ابن حزم لکھتے ہیں:

"ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں، اور یہی ابو عاصم نبیل ضحاک بن مخلد اور عیسیٰ بن حاضر کا عقیدہ ہے۔ عیسی حضرت جعفر کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل تھے"۔

پانچواں قول

مفضلین (تفضیلیوں) میں سے بعض حضرات نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ اور احباب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی اُن سے افضل نہیں مانتے تھے۔

ابن حزم نے کہا ہے:

"ہمیں مسروق بن اجدع، تمیم بن حذلم، ابراہیم نخعی اور دیگر حضرات کا یہ قول پہنچا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت تمیم جو کہ عظیم تابعین میں سے ہیں، نے فرمایا: "میں نے ابو بکر اور عمر کو دیکھا ہے لیکن

میں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مثل کسی کو نہیں پایا"۔

(الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۰۲)

میں کہتا ہوں: عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ امت کے جلیل القدر فقہا، اور تابعین رضی اللہ عنہم کے سرداروں میں سے ہیں، وہ اجماع، اتفاق اور اختلاف کے مواضع کو بخوبی جانتے تھے، اور وہ مزعومہ اجماع کی مخالفت میں سب سے زیادہ اعتماد و کرامت کے حامل تھے۔

مسروق بن اجدع، ثقہ، فقیہ اور مخضرم ہیں، تمیم بن حذلم جلیل القدر تابعی ثقہ اور فقیہ ہیں، ابراہیم نخعی امام، فقیہ اور ثقہ ہیں اور تینوں کوفی ہیں رحمہم اللہ۔

چھٹا قول

بعض حضرات نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہی مؤقف تھا کہ صحابہ کرام میں سے سب سے افضل ابوسلمہ ہیں رضی اللہ عنہ۔

ابن حزم نے کہا ہے:

"ہمیں ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی یہ بات روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فضیلت اور افضل کا ذکر فرمایا تو کہا کہ کون ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے؟ یہ پہلا گھر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت فرمائی۔" (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۱۱)

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں (رقم ۹۱۸، کتاب الجنائز)۔ باب "ما یقال عند المصیبة" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

ساتواں قول

فضیلت دینے والوں میں سے بعض حضرات نے طلحہ بن عبیداللہ تمیمی (جو

عشرہ مبشرہ سے ہیں) کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مذہب کا ذکر اپنی منہاج (ج ۲ ص ۷۴) میں کیا ہے اور اسے بعض معتقدین کی جانب منسوب کیا ہے۔

آٹھواں قول

بعض حضرات نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل مانا ہے۔ ابن حزمؒ نے اپنے رسالے "المفاضلة بين الصحابة" (ص ۱۷۰) میں لکھا ہے:

"ہمیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت تین افراد ایسے تھے جن پر فضیلت میں کوئی فائق نہ تھا: سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم"۔

اس حدیث کو حافظؒ نے الاصابۃ (ج ۵ ص ۳۱۱) میں عباد بن بشر کے باب میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: "یہ حدیث صحیح ہے۔" ملاحظہ ہو: الاستیعاب ج ۲، ص ۴۵۴۔

نواں قول

ان حضرات کے مذہب کا بیان جو اہل صفہ کو عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں، اس مذہب کو ابن تیمیہ نے الفتاوی (ج ۱۱ ص ۵۶) میں اور مجموع الرسائل (ج ۱ ص ۴۶) میں بیان کیا ہے۔

دسواں قول

ان حضرات کا مذہب جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔ ابو بکر باقلانی نے کہا: "فضیل بن میسب کہا کرتے تھے "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد

امت میں سب سے افضل عباس ہیں اور وہ آپ کے وارث ہیں۔" یہی آج تک تمام راوندیوں ابوموسیٰ اصبہانی اور اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے"۔

(مناقب الائمۃ الأربعۃ ص ۱۵۳)

قاضی عبدالجبار لکھتے ہیں:

"اس قول کو ابن ابی الثلج نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے اور ابوعثمان جاحظ نے بھی ان کے متعلق اسی قول کو بیان کیا ہے۔"

(المغنی ج ۲۰، ۲ ص ۱۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پارۂ جسم کی افضلیت میں پاکیزہ قلوب کی ضیاء (۱)

گیارھواں قول

بعض حضرات نے سیدہ فاطمہ بنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے کیونکہ وہ نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے جسم اقدس کا حصہ ہیں۔

ام المومنین عائشہ کا سیدہ فاطمہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دینا

(۱) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذہب حضرت فاطمہ کی افضلیت کا ہے، صلوات اللہ وسلامہ علیٰ والدھا وعلیٰ آلہ وعلیٰ سائر الصحابۃ رضوان اللہ علیہم۔

یہ اثر صحیح اور ثابت ہے، امام طبرانی ؒ لکھتے ہیں:

"ابراہیم بن ہاشم نے کہا: ہمیں امیہ بن بسطام نے یزید بن زُرَیع از روح بن قاسم از عمرو بن دینار روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ما رأیت أفضل من فاطمۃ غیر أبیھا۔

(۱) یہ عنوان گیارہویں اور بارہویں قول پر مشتمل ہے۔

''میں نے فاطمہ [علیہا السلام] سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، ماسوا اُن کے والد گرامی کے۔'' (المعجم الاوسط: رقم ۲۷۲۱)

حافظ ھیثمی نے ابی یعلیٰؒ کی طرف اس قول کو ان الفاظ کے ساتھ منسوب کیا ہے:

''میں نے کسی کو بھی فاطمہ سے بڑھ کر سچا نہیں دیکھا''۔ طبرانی اور ابو یعلیٰ کے الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام ہیثمی نے فرمایا ہے کہ ان دونوں احادیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۱)

حافظؒ نے طبرانی کی طرف اس کو منسوب کیا ہے۔ طبرانیؒ نے اوسط میں فرمایا: ''اس کی سند عمرو تک شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔'' (الاصابۃ ج ۴ ص ۳۷۸)

میں کہتا ہوں کہ ثقہ، فقیہ عمرو بن دینار نے اگر چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو نہیں سنا تاہم یہ ارسال باعث ضرر نہیں ہے بلکہ یہ تو متقدمین کے نزدیک حجت ہے، جیسا کہ کتب اصول حدیث میں درج ہے۔

۲ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول انتہائی خوبصورت ہے۔ حاکمؒ نے مستدرک میں مستند طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے عرض کیا:

''اے فاطمہ! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کسی کو تم سے زیادہ محبوب نہیں پایا اور اللہ کی قسم تمہارے والد کے بعد لوگوں میں سے کوئی شخص بھی میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔'' (المستدرک ج ۳ ص ۱۵۵)

۳ اور یہ قول امام مالکؒ سے بھی منقول ہے۔ حافظ سیوطی اور ملا علی القاری لکھتے ہیں:

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔"

(الحاوی ج ۲ ص ۲۹۳ ۔مرقاۃ المفاتیح ۵،۲۰۰۵)

④ کتاب "الإجابة فيما استدركته عائشة على الصحابة" (ص ۵۸) میں یہ الفاظ مذکور ہیں: "استاذ ابو سہل صعلوکی (جو ہمارے اساتذہ کے اماموں میں سے ہیں) نے کتاب "الأصول الخمسة عشر" میں حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے شیخ ابو سہل محمد بن سلیمان الصعلوکی اور ان کے صاحبزادے سہل حضرت فاطمہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے تھے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ حسین بن فضل نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، امام زرکشی فرماتے ہیں: "یہ تمام شکوک سے بالاتر امور سے ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے"۔ اور ہم کسی کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پارۂ جسم کے برابر نہیں سمجھتے، جیسا کہ ابن داود کا قول ہے۔"

⑤ مناوی نے حدیث "فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ" (فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے)" کے تحت فرمایا ہے:

"سہیلی نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ جس نے فاطمہ علیہا السلام کو برا کہا اس نے کفر کیا کیونکہ فاطمہ علیہا السلام کو برا کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضبناک کرنا ہے اور بیشک وہ شیخین سے افضل ہیں۔"

(فیض القدیر ج ۴ ص ۴۲۱)

⑥ فیض القدیر میں ہے:

''علامہ عراقی فرماتے ہیں: سیدہ فاطمہ اور ان کے بھائی سیدنا ابراہیم بالاتفاق خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔''

(فیض القدیر ج ۴، ص ۴۲۱)

⑦ امام آلوسیؒ فرماتے ہیں:

''جسمِ نبوی کا حصہ ہونے کی حیثیت سے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے برابر کوئی نہیں ہے''۔ (روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۶۵)

حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''کثرت تحقیق وافادات میں مشہور ومعروف جلیل القدر محققین علماء نے دو اشعار انتہائی گنجلک و پیچ دار کہے ہیں، جن میں وہ فرماتے ہیں:

''جو تمام مخلوق کے اتفاق سے صحابہ کے بزرگ ابو بکر اور عمر سے اور علی اور عثمان سے افضل ہے وہ امتِ مصطفی کا ایک نوجوان ہے جو قبیلہ مضر کا چنا ہوا ہے۔'' (الحاوی ج ۲ ص ۲۹۳)

امام المجتہد تاج الدین السبکیؒ نے ان اشعار کو اپنے قصیدے کے ضمن میں ''طبقات الشافعیۃ الکبری'' (ج ۹ ص ۱۳۵) میں پیش کیا ہے۔(۱)

⑧ شیخ الجلیل قاضی یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

''اسی لیے امام سبکیؒ اور دوسرے علماء کرام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے، آپ نے غور کیا کہ ان علماء نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جگر گوشۂ نبوی سے موصوف فرمایا، یہی بات

(۱) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان دو اشعار سے مقصود حضرت عیسی علیہ السلام ہیں۔

تفضیل کا تقاضا کرتی ہے۔ آپ کی والدہ خدیجہ، حضرت مریم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن ہے۔ ان علماء نے یہ نہیں کہا کہ ہم علی کی زوجہ یا حسنین کی والدہ یا باقی اوصاف کی وجہ سے افضل مانتے ہیں، اور یہ معنی رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد وبنات میں پائے جاتے ہیں، اور اولاد فاطمہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے۔ پس وہ اس حیثیت سے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ علامہ شمس الدین علقمی نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی شیخین اور ان کے ماسوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کی صراحت فرمائی ہے، اور امام مناوی نے "بَضْعِيَّةٌ" کی قید لگائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"علم ومعرفت اور منار اسلام کو بلند کرنے کی حیثیت سے شیخین رضی اللہ عنہما بلکہ چاروں خلفاء حضرت فاطمہ علیہا السلام سے افضل ہیں۔ اسی لیے علامہ للقانی نے "جوہرہ" کی شرح میں خلفاء اربعہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کے بیان کے بعد اس قول کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ یہ حکم ذریت رسول کو شامل نہیں، کیونکہ جگر گوشہ نبوی ہونے کی حیثیت سے ذریت ہی افضل ہے۔"

(فیض القدیر ج ۴، ص ۴۲۱)

پس اس اصول کو جان لیجئے اور اہل بیت کرام کو اللہ تعالیٰ نے جو وہبی فضیلت اور قرابت نبوی کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے اُسے پہچانئے!

- اہل بیت اطہار وہ مقدس قوم ہے کہ جس نے ان کے ساتھ خاص محبت کی تو اس نے اپنی اخروی نجات کا سب سے قوی سبب تھام لیا۔
- یہ قوم مناقب وخصائص میں تمام جہانوں پر فائق ہے، ان کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں اور ان کے کمالات روایت کیے جاتے ہیں۔
- ان کی نصرت فرض اور ان کی محبت ہدایت ہے، ان کی پیروی فرض اور ان

کی مودت تقویٰ ہے۔

⑨ شیخ احمد المقری المالکی نے ارشاد فرمایا:

✿ کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے نواسوں کی مثل نہیں ہے، اور کوئی شخص شرف و افتخار میں ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

✿ اور کیا ان دونوں کی امی فاطمۃ الزہراء، مصطفیٰ کی بیٹی کی طرح کوئی بشر ہے؟

✿ وہ آپ ﷺ کے جسم کا حصہ ہیں اور نگاہِ تحقیق میں کوئی بھی جسم نبوی ﷺ کی مانند نہیں ہو سکتا۔ (فتح المتعال ص ۳۸۵)

حافظ یعقوب بن شیبہ سدوسی جو ثقہ (قابل اعتماد) اور صاحب المسند ہیں کی تو "تفضیل الحسن والحسین" پر مستقل ایک تصنیف ہے، ملاحظہ ہو "الطوسی فی الفہرست" (رقم ۸۰۷) اور "سیر أعلام النّبلآء" (ج ۱۲ ص ۴۷۶)۔

فائدہ

تمام جہانوں کی خواتین سے افضل حضرت فاطمہ ہیں اور امّہات المؤمنین میں سے سب سے افضل حضرت خدیجہ پھر حضرت عائشہ ہیں رضوان اللہ علیہنّ أجمعین۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث اور تصانیف ہیں۔ امام سہیلی نے، حافظ نے "فتح الباری" میں، بدرالدین زرکشی اور تقی الدین مقریزی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

امام تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں:

"جس رائے کو ہم اختیار کرتے ہیں اور جس کے ساتھ ہم بارگاہِ الٰہی میں جائیں گے وہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ سب سے افضل ہیں پھر سیدتنا خدیجہ اور پھر سیدہ عائشہ ہیں۔" ملاحظہ ہو:

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۶، ۱۳۷، السیرۃ النبویہ لابن زینی دحلان المکی ج ۱ ص ۲۲۲، روح المعانی ج ۳ ص ۱۵۵)

بارہواں قول

ان حضرات کا مذہب جو اہل کساء علیہم السلام کو سب پر مقدم مانتے ہیں۔ (۱)

(۱) شیخ محی الدین ابن العربی حاتمی "فتوحات مکیہ" (۱۸/ ۲۲۹۔ ۲۳۰) میں حدیث "سلمان منا آل البیت" (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد محض ہیں، اللہ نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو خوب پاکیزگی سے مشرف فرمایا اور ان سے رجس کو دور کر دیا یعنی ہر معیوب چیز سے منزہ بنا دیا، کیونکہ عرب کے نزدیک رجس سے مراد گندگی ہے، جیسا کہ فراء نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے) پس ان کے ساتھ لازمی طور پر پاکیزہ ترین شخص کو ہی منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ جن کی جانب نسبت دی جا رہی ہے ان کے ساتھ منسوب شخص کی ضرور زبردست مشابہت ہوگی۔ وہ یقیناً اپنے ساتھ اسی شخص کو منسوب فرمائیں گے جس کی طہارت و پاکیزگی کامل و یقینی ہو۔ پس نبی ﷺ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ شہادت اُن کی کامل حسی و معنوی طہارت اور حفاظت الٰہی کا بین ثبوت ہے، اس حیثیت سے کہ ان کی شان میں اللہ کے رسول ﷺ نے "سلمان منا آل البیت" (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) فرمایا، اور جبکہ اللہ نے اہل بیت کی تطہیر اور ان سے رجس کے خاتمہ کی شہادت دی ہے، اور جب ان کے ساتھ صرف پاکیزہ و مقدس شخص ہی منسوب ہو سکتا ہے اور اس شخص کو محض اس اضافت کی بدولت خاص عنایات الٰہیہ حاصل ہو گئیں تو پھر تمہارا خود اہل بیت اطہار کے نفوسِ مقدسہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ پس وہ مطہرین ہی نہیں بلکہ عین طہارت ہیں"۔

اس کلام کو علامہ مناوی نے بھی میں نقل کیا ہے۔ (فیض القدیر ج ۴ ص ۱۰۶) امام سعد تفتازانی کے کلام کا ظاہر اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ اہل بیت کا پرہیزگار فرد اپنے غیر سے افضل ہے۔ (ملاحظہ ہو: (شرح المقاصد ج ۵ ص ۳۰۲)

اہل کساء کی افضلیت پر علامہ سید سمہودی کی تحقیق

حسنین کریمین پارہ جسم رسول اور لازوال پاکیزگی کی بدولت، حضرت فاطمہ علیہا السلام کیساتھ افضلیت میں شامل ہیں، اور ان کے والد گرامی بھی ان دونوں کے ساتھ شامل ہیں بلکہ وہ ان =

= دونوں سے افضل ہیں اور یہ وہ اہل کسا ہیں جن سے اللہ نے ہر عیب دار چیز کو دور کر دیا اور خوب پاک کر دیا۔ دیکھئے سید نور الدین علی بن احمد سمہودی حسنی کی کتاب "جواهر العقدين في فضل الشرفين شرف العلم الجلي والنسب العلي" میں باب ذكر تفضيلهم بما أنزل الله عزوجل من تطهيرهم واذهاب الرجس عنهم وتحريم الصدقة عليهم وعظيم شرف أصلهم واصطفائهم وأنهم خير الخلق" اور یہ سید سمہودی کی کتاب کا عمدہ ترین باب ہے۔ میں اس باب کے عظیم فوائد کی وجہ سے یہاں اس کا لب لباب نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ سید شریف سمہودی فرماتے ہیں:

"میں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والوں تم سے ہر ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے) پر اور اس کے ساتھ ساتھ اس باب میں وارد احادیث مبارکہ اور اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ کے طرز عمل میں غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ آیت اہل بیت اطہار کے فضائل کا منبع ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسے امور عظیمہ پر مشتمل ہے جن کا میں نے کسی کو منکر نہیں پایا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ان ہستیوں پر خصوصی توجہ۔ ان کی بلند منزلت کی اس شان سے اشاعت کہ اس نے ان کے حق میں یہ آیات اتار دی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا "اِنَّمَا" کلمہ حصر استعمال کرنا اس فائدہ کو ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا یہ ارادہ تطہیر جو بھلائیوں کا سرچشمہ ہے انہیں تک محدود ہے۔ ان کے ماسوا کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔

۳۔ اللہ رب العزت کا اُن کی پاکیزگی کو (تطهيراً) مصدر کے ساتھ بیان فرمانا تاکہ تطہیر کے اعلیٰ مراتب کا اظہار ہو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا اس مصدر کو "تطهيراً" نکرہ استعمال فرمانا۔ اس جانب اشارہ ہے کہ ان کی تطہیر ایسی عجیب نوعیت سے کی گئی جو کسی مخلوق کے حصے میں نہیں آئی اور لوگ اس کی عظمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

۵۔ نبی ﷺ کی ان ہستیوں کی طرف خصوصی توجہ اور اس کے اظہار کا اہتمام اور نزول آیت کے باوجود اس تطہیر کے مزید حصول میں خاص دلچسپی اور بہ تکرار اس کی طلب۔ (جیسا کہ "اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي اللّٰهم اذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيراً. اے اللہ! یہ میں میرے اہل بیت۔ اے اللہ! ان سے رجس کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے) =

= ۶۔ اس آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کا ان ہستیوں کے ساتھ شامل ہونا جیسا کہ پیچھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث گزر چکی ہے کہ" یہ آیت پانچ افراد کے متعلق نازل ہوئی. نبی ﷺ. علی فاطمہ. حسن اور حسین علیہم السلام۔

۷۔ آیت مبارکہ جس بات (رجس کی دوری. حصول طہارت) کو شامل ہے اس کی مزید طلب کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا یہ دعا بھی کرنا کہ اللہ اپنے درود، رحمت، برکات. مغفرت اور رضا کو آپ پر اور ان سب پر اتارے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے رجس دور کرنا اور طہارت عطا کرنا درحقیقت انہی امور (درود، رحمت. برکات. مغفرت اور رضا) کے لیے ہوتا ہے۔

۸۔ بیشک اس دعا میں حضور ﷺ کے ساتھ اہل بیت کا ہونا ان کی عظیم قدر و منزلت ہے. کیونکہ آپ نے انہیں اس دعا میں مساوی کر دیا ہے. جیسا کہ ظاہر ہے اور پیچھے حدیث بھی گذر چکی ہے کہ آپ ﷺ اس آیت میں ان کے ساتھ شامل ہیں۔

۹۔ نبی ﷺ نے اپنے مولیٰ سے اس مقام و مرتبے کی طلب میں انتہائی شاندار و بلیغ طریقہ کار اختیار فرمایا کہ طلب پر مناجات کو مقدم رکھا جیسا کہ آپ کے ارشاد مبارک کے ضمن میں ہے" اے اللہ تو نے اپنی برکات، رحمت، مغفرت اور رضا کو ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل فرمایا" پس آپ نے جملہ خبریہ میں "قَدْ" استعمال فرمایا جو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے تا کہ اپنے مولا عزوجل کے اس انعام کے نزول کا وقوع متحقق ہو جائے۔

۱۰۔ بیشک نبی ﷺ کی تمام دعائیں خصوصاً درود کے معاملے میں کی گئی دعا مقبول ہے، اور آپ نے اپنے مولا سے دعا کی کہ وہ آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر مخصوص صلاۃ بھیجے۔ لہٰذا آپ کے رب عزوجل سے اسی کے مطابق آپ پر صلاۃ بھیجی جاتی ہے، اور اسی لیے ہمیں بھی آیت "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾" کے مطابق اسی کیفیت سے درود بھیجنے کا حکم ہے، اور اس (صلاۃ) سے بھی وہی طہارت مقصود ہے. جو پیچھے آیت تطہیر میں بیان ہوئی۔

۱۱۔ اس کامل طہارت میں اہل بیت کرام علیہم السلام کا نبی ﷺ کے ساتھ شامل ہونا، اور اللہ تعالیٰ سے آپ پر اور ان پر وہ صلاۃ وغیرہ کا آنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اہل بیت کرام ہر خیر میں نبی ﷺ کے ساتھ لاحق ہیں جیسا کہ خود آپ نے اس قول سے اشارہ فرمایا: "اللّٰهم إنهم مني وأنا منهم" (اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں) اسی لئے بعض گذشتہ احادیث میں آچکا ہے کہ آپ نے فرمایا "میری اس شخص سے جنگ ہے جو ان سے جنگ کرے اور اس سے صلح ہے جو ان سے صلح کرے۔ =

اور یہ اہل بیت کے ایک بڑے گروہ کا مذہب ہے اور اسی پر معتقد صوفیہ کرام گامزن ہیں اور اکابر اہل ذوق ووجدان اسی کو اپنی کتابوں اور قصائد میں چلاتے ہیں۔ اور یہ اہل بیت کی ایک بڑی جماعت کا مذہب ہے اور اسی پر سادات صوفیہ کرام کے ائمہ گامزن ہیں، اور اکابر اہل ذوق وتوفیق اپنے قصائد وتصانیف میں اسی مذہب

= اور اس سے دشمنی ہے جو ان سے دشمنی رکھے"۔ اور بعض آئندہ احادیث میں آرہا ہے کہ آپ نے فرمایا "خبردار جس نے میرے قرابت داروں کو ایذاء پہنچائی تو اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی تو اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی۔ پس آپ نے اس شان میں انہیں اپنے مقام پر فائز فرمایا ہے۔

۱۲۔ بیشک اہل بیت اطہار علیہم السلام کے معاملے میں اللہ رب العزت کا ارادہ عیب دار اشیاء کو دور کرنے اور کامل ولازوال طہارت سے مشرف فرمانے میں مقصود اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ آخرت میں جہنم کی آگ ان ہستیوں پر حرام ہے جیسا کہ بعض احادیث مبارکہ میں ہے۔ پس اہل بیت میں سے جو شخص انتہائی کمتر معصیت کے قریب ہوگا امید ہے کہ اس کا تدارک تطہیر کی بدولت رجوع الی اللہ کے الہام، اسباب توبہ، مختلف انواع کے مصائب وآلام اور مکفرات کے ذریعے ہو جائے گا۔

۱۳۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اہل بیت کو گناہوں اور خلاف شرع باتوں کی گندگی سے انتہائی دور رہنے پر ابھارا اور ان میں اسلامی تعلیمات کی کامل بجا آوری کی تڑپ پیدا فرما دی جیسا کہ آپ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل بیت کو نماز کی یاد دہانی کراتے وقت فرماتے تھے "نماز (ادا کرو) اللہ تمہارے حال پر رحم فرمائے، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے اے اہل بیت ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔"

۱۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے "پس اللہ نے مجھے ان سے بہتر گھر میں رکھا" لہٰذا یہی ارشاد "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والوں تم سے ہر ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے) دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام اس ارشاد ربانی کی بناء پر مخلوق میں افضل ترین ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

علامہ سید سمہودی کی تحقیق اختصار کے ساتھ اس مقام پر اختتام پذیر ہوئی۔ اسی لیے اہل فہم و ذوق کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اہل کساء علیہم السلام مسئلہ تفضیل سے خارج ہیں، سو اہل کساء علیہم السلام کے دو اعزاز ہیں: اول: شرف کساء اور دوسرا شرف صحابیت۔

کو چلاتے ہیں۔

اہل علم کے ایک گروہ نے فرمایا ہے کہ "نبی ﷺ کے پارہ جسم ہونے کی حیثیت سے اہل بیت کرام شیخین سے افضل ہیں، اس حیثیت کے برابر کوئی شے نہیں ہو سکتی، بعض اوقات مفضول میں وہ ممتاز خوبیاں پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں ہوتیں۔ اسی اصول کی بناء پر متأخرین کے اقوال کی تاویل و توجیہ کی جاتی ہے، جیسا کہ طبقات میں ابن سبکی نے بضعہ رسول ہونے کی حیثیت سے امام حسین کو تمام پر فضیلت دی ہے۔ ملاحظہ ہو "عقد الجواهر فی فضل أهل بيت النبی الطاهر، للعلامة سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروس (ص ۱۵۳)۔

نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ اور آپ نے فرمایا: "ان کے والدین اُن سے بہتر ہیں" یہ حدیث مرفوع ہے۔

امام حسن و حسین کی وفات شیوخیت میں ہوئی، اور سیدنا علی کی ذات رسول اللہ ﷺ کی ذات کی مانند ہے جیسا کہ آیت مباہلہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہے جو امام نسائی کی "خصائص علی" (ص ۸۹) میں مذکور ہے، اور کوئی نفس نفس رسول کے برابر نہیں ہو سکتا"۔ اور آپ ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ (۱)

(۱) ہمارے شیخ محقق الشریف سیدی عبد اللہ بن صدیق الغماری الحسنی قدس سرہ اپنی کتاب "الکنز الثمین" کے حاشیہ (ص ۳۵۰) میں: "علی منی و أنا من علی" (علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں" کے تحت فرماتے ہیں: اس حدیث میں لطیف مشابہت ہے، چونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کاشانۂ نبوی ﷺ میں پرورش پائی اس لیے آپ کی نشو نما ہی توحید پر ہوئی، آپ نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرۂ اقدس کو مکرم رکھا، اور اسی بنا پر نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں سے فقط انہیں اپنا بھائی بنایا۔ پس اُن کا رسول اعظم ﷺ کے ساتھ انتہائی قربت کا رشتہ ہونا، نبی ﷺ کی گود =

حسین منی و أنا من حسین أحب اللہ من أحب حسینا الحسن والحسین سبط ان من الأسباط۔ (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ حسن اور حسین اسباط میں سے دو سبط ہیں۔(۱)

= میں پروان چڑھنا۔ ان کے ساتھ ہمیشگی وو ابستگی اختیار کرنا۔ نبی ﷺ کا انہیں اپنے علوم کا وارث اپنی شرع کا امین۔ اپنی رسالت کا محافظ، اپنے اخلاق کا حامل اور اپنی صفات سے متصف قرار دینا آپ کی خصوصیات ہیں۔ پس حضرت علیؓ تمام صحابہ سے بڑھ کر علم فقاہت اور دینی بصیرت کے مالک تھے۔ آپ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ باریک بین، منطقی اور دلیل و برہان کے حامل تھے۔ اصابت رائے میں آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت رکھتے تھے۔ ہمارے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے کہ "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" اور انہوں نے فرمایا: "میں اس پیچیدہ مسئلے کے وقت زندہ نہ رہوں جس کے حل کے لیے ابو الحسن موجود نہ ہوں" نبی ﷺ نے آپ کے لئے فرمایا "میرے ساتھ تمہارا تعلق ایسا ہے جیسا کہ ہارون کا موسیٰ علیہما السلام سے تھا الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اس حدیث میں اس جانب اشارہ ہے کہ علوم اور عرفانِ حقائق کی خلافت علیؓ کے لئے ہے جو کہ وحی کے بغیر نہیں آتی جیسا کہ غلو کرنے والوں نے دعویٰ کیا۔ چنانچہ قبیلہ کلب کے ایک شخص نے حضرت علیؓ سے عرض کیا: اے امیر المومنین بیشک آپ کو غیب کا علم عطا کیا گیا ہے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اے قبیلہ کلب کے بھائی! یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صرف صاحب علم غیب سے استفادہ ہے۔ نبی ﷺ کے سمجھانے اور سکھانے ہی کی بناء پر آپ حقائق و معارف سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ علماء عارفین کے خلیفہ ہیں۔ اسی لئے آپ کے علاوہ صحابہ میں سے کسی کو بھی امام نہیں کہا گیا۔ اس حدیث میں موجود مشابہات و موافقات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی امامت میں اس درجے پر پہنچ گئے تھے جہاں پر لائق و قابل شاگرد کا مزاج اپنے استاد کے مزاج سے کامل طور پر مل جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بلند مقام و مرتبے پر تمہارے لئے یہی دلیل کافی ہے"۔

(۱) ہمارے شیخ سیدی علامہ عبد اللہ بن صدیق نور اللہ مرقدہ "الکنز الثمین" (ص ۲۵۵) کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"جسم کا ٹکڑا ہونے اور نسبی لحاظ سے حسین مجھ سے ہے، اور محبت، حب اور تقدیراً میں حسین سے ہوں۔ یہ اسلوب مشاکلت کہلاتا ہے، اور اس کا مطلب ہے دو ذاتوں کا کامل امتزاج، =

= چنانچہ ذات مصطفوی اور ذات حسینی کے مابین ایسا مکمل امتزاج وہم آہنگی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو پہنچنے والی راحت وتکلیف کو روحانی وجسمانی طور پر محسوس کرتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بھوک اور پیاس محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے شہادت حسین علیہ السلام کے روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے ہاتھ میں بوتل تھی جس میں خون تھا۔ آپ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں آج صبح سے خونِ حسین جمع کرتا رہا۔'' حالانکہ اس وقت تک شہادتِ حسین کی خبر مدینے میں نہیں پہنچی تھی کیونکہ مدینہ اور عراق کے مابین ایک مہینے کی مسافت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات مصطفوی نے روضہ انور میں اس تکلیف کو محسوس فرمایا تو اس کی مثالی صورت ذات حسینیت کے خون کو جمع کرنے کے لیے متحرک ہوگئی۔ ایسا خواب حضرت امام حسن علیہ السلام کے وصال کے روز عدم امتزاج کی وجہ سے نہیں دیکھا گیا، حالانکہ وہ مدینہ منورہ میں ہی زہر سے شہید ہوئے اور ان کے دہن اقدس سے جگر کی طرح خون کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام کے اپنے جد اعلیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شدید امتزاج میں ایک راز ہے جس کی وضاحت کا مقام یہ نہیں ہے۔ اللہ تمہیں آباد رکھے تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک ''میں حسین سے ہوں'' میں غور وفکر تو کرو، اس میں واللہ اعلم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد والے معاملات کی طرف اشارہ ہے، اس حیثیت سے کہ حقیقت محمدیہ ذاتِ حسینیت میں خلقۃً اور تجلیاً سرایت کرگئی تھی، پھر وہ حقیقت ذات حسین علیہ السلام کے باطن میں موجود تھی، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے یزید کے خلاف برسرپیکار ہونے عزم فرمایا تو یزیدیوں کی طرف سے پیش کی جانے والی تمام رعایات وغیرہ کو ٹھکرادیا تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کے اُن تمام مراعات وتحائف کو ٹھکرادیا تھا جو انہوں نے آپ کو اپنے مشن سے رجوع کرنے پر دینا چاہے تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ مشہور قول ارشاد فرمایا تھا ''اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں تا کہ میں اپنے مشن سے باز آجاؤں تو میں باز نہیں آؤں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مشن کو غالب فرمائے یا میں اس پر قربان کردیا جاؤں''۔

پس حسینؓ اقامتِ حق کے لئے اپنے عزم مصمم پر اُس حقیقت میں رغبت کے سبب قائم تھے جو اُن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن سے جلوہ ریز تھی اور ان میں سرایت کرگئی تھی، اور آپ کے باطن میں آپ کے جدِ اعلیٰ کا یہ فرمان ''یا میں اس پر قربان کردیا جاؤں'' پیوست ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام امر خلافت کے نافذ نہ ہونے کے باعث قربان ہوگئے مگر اپنے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی حقیقت جو اُن میں نفوذ کرچکی تھی، اور جو نصوصِ شرعیہ اُن کے مدنظر تھیں اُن پر سمجھوتہ نہ کیا، اور یہ حقیقت ان کے برادر مکرم سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جنہیں ان کے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید فرمایا تھا، کو حاصل نہیں تھی۔ =

= آپ اس میں باریک بینی سے غور فرمائیں۔اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ حقیقتِ محمدیہ کا امتزاج اور اس کی تجلی ذات حسین میں اس قدر جلوہ فگن ہوئی جس قدر کے وہ متحمل تھے۔کیونکہ مقام نبوت اور مقام شہادت کے مابین عظیم فرق ہے۔اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔اور اس مقام کی تشریح بہت طویل ہے۔جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

''اللہ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو حسین کو محبوب رکھے''۔اس دعا سے امتزاج کی تاکید مقصود ہے،''الحسن والحسین سبطان من الأسباط'' (حسن اور حسین علیہما السلام اسباط میں سے دو سبط ہیں) یہ جملہ حسنین کریمین علیہما السلام کا مرتبہ ظاہر کرتا ہے۔کیونکہ اسباط یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے اور وہ بنی اسرائیل کے معزز ترین تھے،اور اس حدیث سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کا وہ خصوصی شرف ماخوذ ہے جو انہیں باقی اہل بیت مثلاً اولادِ عباس،اولاد عقیل اور اولاد جعفر رضی اللہ عنہم پر حاصل ہے۔

اور اہل بیت کے حق میں ''علیہم السلام'' کہا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جد کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت کے لیے فرمایا:''رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ'' (اے اہل بیتِ ابراہیم!تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں)۔اور اس لیے کہ اللہ نے اہل بیتِ محمد کی شان میں فرمایا:''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا'' (اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاک رکھے''۔اور سلامتی امان ہے،اور اہل بیت اس آیت کی رو سے پلیدی اور اس کے لوازمات سے محفوظ ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف میں اہل بیت کو اپنے ساتھ شریک فرمایا ہے،پھر انفرادی طور ان پر ''سلام'' بھی جائز ہے،نیز ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ'' میں بھی وہ دوسرے صحابہ اور اولیاء کرام کے ساتھ شامل ہیں،تاہم لفظ ''سلام'' ان کے لیے بطور شعار مخصوص کیا گیا تاکہ نبی کریم کے ساتھ جو ان کی نسبت ہے وہ عیاں ہو۔سیدہ مریم کے لیے بھی علیہا السلام کہا جاتا ہے،اور وہ نص قرآنی کے مطابق صدیقہ ہیں،بعض نے ان کی نبوت کا قول بھی کیا ہے،اور سیدہ فاطمۃ الزہراء بھی اپنی طہارت اور بنتِ نبی ہونے کی بناء پر صدیقہ ہیں،اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ'' (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہ صدیقین ہیں)۔اور سیدینا فاطمہ،علی اور حسنین کریمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی بدولت صدیقیت کے حامل ہیں لہٰذا وہ ''سلام'' کے زیادہ حقدار ہیں،اور اللہ ہی صحیح راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

یکتائے زمانہ سیدی،شریف،عبداللہ بن صدیق رضی اللہ عنہ وعنا بہ کی =

تیرھواں قول

بعض علماء نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو تمام پر فضیلت دی ہے۔ابن حزم نے اپنے رسالہ "المفاضلة بين الصحابة" میں اسی قول کو غالب قرار دیا ہے۔(۱)

= بحث اختتام پذیر ہوئی اور آپکے علمی خزانے کا ایک ایک موتی انتہائی قیمتی ہے۔

راقم السطور کہتا ہے: ہمارے شیخ قدس اللہ سرہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے آپؒ نے اپنی یہ اعلی بحث عقلی علوم کی بنیاد پر رقم کی لیکن آپؒ وجدانی طور پر اپنے مولا کی بارگاہ میں تھے۔سو مولا نے آپؒ پر نفیس معارف ومفاہیم کو آشکار افرمایا۔

(۱) ابن حزم سے بہت سے علماء نے اختلاف کیا ہے،ہمارے شیخ المشائخ علامہ،مفتی،مؤرخ،سید علوی بن طاہر حداد علوی حسینی،شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مفید کتاب "ألقول الفصل فى ما لبنى هاشم والعرب من الفضل" میں اور ہمارے شیخ،محدث،علامہ سید عبد العزیز بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "الوقاية المانعة" (ص ۷،۹) میں ابن حزم کا رد کیا،اور ہمارے شیخ محقق،سید عبد اللہ بن صدیق غماری حسنی رحمۃ اللہ علیہ "البرهان الجلى فى تحقيق أنتساب الصوفيه إلى الإمام على" (ص ۸۷_۸۸) کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

"ابن حزم نے اپنی امامتِ علمی،اجتہادی صلاحیت اور علم غزیزی کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء اور تمام صحابہ کرام پر افضلیت کی دلیل میں خطا اور غلطی کی ہے،حتی کہ اس دلیل سے سیدہ عائشہ اپنے والد گرامی سے افضل قرار پاتی ہیں۔وہ کہتے ہیں: فضیلت جنت میں بلندیٔ مرتبہ کا نام ہے،اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ سے بلند کوئی درجہ نہیں ہے اور ازواج مطہرات کا جنت میں آپ کے ساتھ ہونا معلوم ہے۔(قارئین کرام! اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے اور مدد فرمائے،اس فحش مغالطہ آفرینی میں غور فرمائیے) بھلا کیا جنت میں ہمارے آقا ومولیٰ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ اس قدر تنگ ہوگا کہ اس میں آپ کی بیٹیاں اور احباب نہیں سما سکیں گے؟ حالانکہ عام مومنین کے حق میں ارشادِ الٰہی ہے: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ... الخ" (اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ اُن کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ اُن کی اولاد کو ملا دیں گے)۔اور اُس سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ. الخ" (اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں تو =

چودھواں قول

اور یہ عجیب ترین مذہب ہے، سیر أعلام النبلاء میں ہے:

''ایوب بن سوید نے فرمایا: ہم سے یونس نے زہری سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت سالم (بن عبد اللہ بن عمر) رضی اللہ عنہم کو خط لکھا تاکہ وہ اُنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقات کے متعلق سیرت لکھ بھیجیں۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے سیرتِ فاروقی لکھ کر آخر میں لکھا'' اگر آپ اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار فرمائیں گے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ اختیار فرمایا تھا تو آپ اللہ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر

= وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین رضی اللہ عنہم)۔ یا اللہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ہمیں ان کے ساتھ شامل فرما، اے ہمارے رب، اے وسیع مغفرت کرنے والے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ آمین۔ تو کیا وہ اللہ تعالیٰ جو عام مؤمنین کی اولاد کو بطور عزت و اکرام ان کے آباء کے ساتھ ملا دے گا، وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کو آپ کے ساتھ نہیں ملائے گا؟ خصوصاً جبکہ آپ علیه أفضل الصلاة و أزکی السلام کا صحیح ارشاد ہے کہ ''فاطمہ جنت کی عورتوں کی سیدہ ہے'' اور سیادت بلندیٔ درجات کے بغیر نہیں ہوتی۔

نیز انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کا درجہ بالاجماع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے افضل ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ سے نیچے ہوں گے۔ تو ابن حزم کی دلیل سے لازم آتا ہے کہ ازواج مطہرات اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے رسل علیہم السلام سے افضل ہوں، اور اسی طرح بعض اشعریوں اور ناصبیوں کا گمان ہے کہ حضرت عائشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، حالانکہ آپ کی فضیلت میں مذکورہ بالا دلیل کے علاوہ بھی واضح اور مستند دلائل موجود ہیں''۔ ہمارے شیخ کی بحث یہاں اختتام پذیر ہوئی۔

ہوں گے"۔ (سیر أعلام النبلاء للذہبی ج ۵ ص ۱۲۷)

میں (ذہبی) کہتا ہوں: "یہ انتہائی عجیب بات ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے کیسے افضل ہو جائیں گے؟ حاشا وکلا۔ لیکن یہ قول مبالغہ پر محمول ہے، بھلا کہاں عمر کی بدولت غلبۂ اسلام، کہاں ان کی بدر میں شرکت، کہاں شیطان کا ان کے سایہ سے بھاگنا اور کہاں شرق و غرب میں فتوحاتِ فاروقی؟ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی قدر مقرر کی ہے"۔

بندۂ ضعیف کہتا ہے: ذہبی کا کلام عمدہ اور درست ہے، لیکن قابل غور بات اثباتِ مذہب ہے اور یہ اثر حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: (مناقب عمر بن عبدالعزیز للآ جری ل ۱۴، ۱۵، ۱۶، تاریخ ابن عساکر ج ۴۸ ص ۱۱۷، ۱۱۸)

پندرھواں قول

بعض حضرات نے امام مہدی علیہ السلام کو افضل قرار دیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "العرف الوردی فی أخبار المهدی" جو الحاوی للفتاویٰ (ج ۲ ص ۱۵۳) میں شامل ہے، میں فرماتے ہیں اور اسی طرح نعیم بن حماد اور امام ابوعمر الدانی رحمۃ اللہ علیہما حضرت ضمرہ سے روایت کرتے ہیں:

"امام ابن سیرین رضی اللہ عنہم نے فتنوں کے ذکر میں فرمایا: جب معاملہ یہاں تک آپہنچے تو تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا یہاں تک کہ تم لوگوں پر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بہتر شخص سے سنو۔
عرض کیا گیا: کیا حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بہتر شخص بھی آئے گا؟
فرمایا: بیشک وہ بعض پر افضل ہوگا"۔

میں (سیوطی) کہتا ہوں: اس قول میں جو اعتراض ہے وہ اپنی جگہ تاہم ابن ابی شیبہ نے (۱) "المُصَنَّف" (باب المهدى) میں ابن سیرین کا قول بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

"اس امت میں ایک عظیم الشان خلیفہ ہوگا جس پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو فضیلت نہیں دی جائے گی"۔

میں (سیوطی) کہتا ہوں: اس روایت کی سند صحیح ہے اور یہ الفاظ پہلے الفاظ سے زیادہ خفیف ہیں۔ میرے نزدیک دونوں اقوال کی بہترین توجیہ میں یہ حدیث ہے "بل أجر خمسين منكم" (بلکہ اس کا اجر تم سے پچاس گنا زیادہ ہوگا) اس لیے کہ امام مہدی کے زمانے میں فتنوں میں شدت ہوگی، رومی پوری قوت کے ساتھ آپ کے خلاف ہوں گے اور دجال آپ کا محاصرہ کرے گا۔ اس تفضیل سے مراد کثرتِ ثواب اور اللہ کے ہاں رفعت منزل نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع اس پر ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد افضل الخلق ہیں۔

بندۂ ضعیف کہتا ہے: اجماع کے دعووں کے بل بوتے پر اور موھومی قواعد کی بنیاد پر تاویلیں کرنا اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اثباتِ افضلیتِ مہدی علیہ السلام کا مقصد محمد بن سیرین کا قول ہے۔

اور علامہ، سید، شریف محمد بن رسول برزنجی، حسینی، مدنی، شافعی نے تفضیل مھدی علیہ السلام کے قول پر بعض اسلاف کا تعاقب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"تحقیق کی رو سے باہمی فضیلت کی جہتیں مختلف ہیں، اور ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی فرد کو مطلقاً افضل قرار دیں، مگر یہ کہ اُس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسی طرح فضیلت

(۱) اسی سند سے امام نعیم بن حماد اور امام ابوعمر الدانی نے بھی یہ اثر نقل کیا ہے۔ (کتاب الفتن لنعيم بن حماد ص ۲۲۱، السنن الواردة في الفتن لأبي عمر الداني رقم ۵۰۴)

دی ہو۔ پس بلاشبہ کبھی مفضول میں متعدد جہات سے ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں ہوتیں، اور "الفتوحات المکیۃ" سے شیخ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اپنے حکم میں معصوم ہوں گے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار پر گامزن ہوں گے اور کبھی غلطی نہیں کریں گے، اور کوئی شک نہیں کہ یہ وصف شیخین میں نہیں تھا، اور وہ نو [۹] امور جو پہلے بیان ہو چکے ہیں بیک وقت کسی امام میں جمع نہیں ہوئے"۔

(الاشاعۃ ص ۲۳۸)

لہٰذا ان جہات سے امام مہدی کو شیخین پر فضیلت دینا جائز ہے اگرچہ انہیں صحبت رسول، مشاہدہ وحی اور سبقت وغیرہ کا شرف حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ علی قاری "المشرب الوردی فی مذہب المہدی" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"جو بات امام مہدی کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خلیفۃ اللہ کا نام عطا فرمایا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فقط خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا گیا۔"

سولھواں قول

ان حضرات کا ہے جو چاروں خلفاءؓ کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔

سترہواں قول

ان حضرات کا ہے جو عشرہ مبشرہ کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔

اٹھارھواں قول

ان حضرات کا ہے جو عبد الرحمان بن عوف کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت

دیتے ہیں۔

انیسواں قول

ان حضرات کا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔(۱)

اِن چاروں اقوال کے لیے امام باقلانی کی کتاب "مناقب الأئمة الأربعة" (صفحہ ۲۹۴) ملاحظہ فرمائیں:

امام باقلانیؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقوال تابعین میں معروف تھے۔(۲)

---

(۱) یہ بعض امویوں کا قول ہے۔ماں کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط اموی" جن کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے" نے اس کی تصریح کی تھی،شعر:

آگاہ ہو جاؤ! لوگوں میں اپنے نبی کے بعد سب سے بہتر،مقتولِ تجیبی ہے جو مصر سے آیا تھا یعنی تجیبی کے ہاتھوں شہادت پانے والے عثمان۔ملاحظہ ہو:(المستدرك ج۳ص۱۱۲)

(۲) اقوالِ عجیبہ سے امام قونویؒ کا یہ قول ہے،آپ "العقیدة الطحاویة" کی شرح میں فرماتے ہیں:"اولاد کی افضلیت کی ترتیب اُن کے آباء کی افضلیت کی ترتیب کے تابع ہے،ماسوا اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے،سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربت کی بناء پر حضرت ابو بکر،عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی اولاد پر فضیلت رکھتے ہیں۔پس وہ عترت طاہرہ اور ذریت طیبہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر عیب دار چیز کو دور کر دیا اور خوب پاک کر دیا"۔

میں کہتا ہوں: اولاد کے آباء سے ملحق ہونے کی بنیاد اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ" (اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے" یہ آیت اس دعویٰ سے زیادہ عموم کی حامل ہے،سو یہ فقط افضلیت اولاد فاطمہ کی =

تنبیہ:

اجماع کے دعوے کی تائید کرنے والوں میں ابن تیمیہ بھی ہیں۔لیکن انہوں نے بھی مسئلہ تفضیل کے اختلافی ہونے کا بامرمجبوری اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اور وہ جو بعض متقدمین کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضرت جعفر یا حضرت طلحہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہم کو مقدم مانتے تھے تو یہ تقدیم چند مخصوص امور میں تھی نہ کہ مطلق، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو بعض متقدمین سے منقول ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔" (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۶۶)

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ سے قولِ تقدیم اور اس کے وقوع کا اعتراف ہی کافی ہے۔انہوں نے متقدمین کے درمیان اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا ذکر تو کیا۔ باقی رہی مسئلہ تقدیم میں ان کی ذاتی رائے اور ان کے قواعد و مذہب کے مطابق تقدیم کو امور خاصہ میں مقید کرنا تو یہ ان کی ذاتی رائے ہے، اسے تسلیم کرنا کسی پر لازم نہیں۔ظاہر

= افضلیتِ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو ہی مفید نہیں بلکہ اس کا عموم میں بہت کچھ آتا ہے۔

ہمارے شیخ، الصادق الصدیق سیدی عبدالعزیز بن صدیق فرماتے ہیں:

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ نیک اولاد کو بلند مقام وعلو منزلت میں ان کے آباء کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔اس الحاق کو بغیر کسی قید کے ذکر فرمایا۔پس فاطمہ علیہا السلام نص قرآنی کی بناء پر اپنے والد کے ساتھ ہوں گی اور سیدنا علی علیہ السلام سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی معیت میں ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ شوہر جنت میں اپنی بیوی کے ساتھ ہوگا۔اور حسنین کریمین علیہما السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خوشبودار پھول ہیں اور آیت کی صراحت کے مطابق وہ مقام فاطمہ اور علی علیہما السلام میں ہوں گے، اور وہ (زوجین کریمین) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گے، اور اس استدلال کا تقاضا یہی ہے کہ حسنین کریمین اسی مقام میں ہوں گے۔" واللہ اعلم بالصواب۔(الوقایۃ المانعۃ ص ۷)

ہے کہ تقدیم میں ابن تیمیہ کی رائے نصوصِ مطلقہ صریحہ سے متصادم ہے، خصوصاً حضرات علی، عمر، ابن مسعود، جعفر بن ابی طالب، ابو عبیدہ اور حضرت عامر بن جراح رضوان اللہ علیہم کے بارے میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نصوصِ صریحہ اور ان کے معانی کا کسی خاص مذہب کی خاطر انکار کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹا باب

افضلیت علی علیہ السلام میں مذاہب

تمہید

1 کبھی سائل سوال کرسکتا ہے کہ اہل سنت کی کتب متداولہ (عام دستیاب کتب) میں بلاشبہ ترتیب افضلیت کو ترتیب خلافت کی مانند قرار دیا گیا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دلائل کتبِ اہل السنۃ والجماعۃ میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قتل، تشدد، سبّ وشتم اور ذہنی حراست کا اہل بیت کرام کی احادیث اور انکی فقہ (1) کو منظر عام سے غیب کرنے میں بڑا ہاتھ رہا ہے، جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے متعلق اسلاف کرام کی نصوص منظر عام سے غائب ہوگئیں۔ پھر تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں بعض اہل علم نے پے در پے "السنۃ" کے نام سے کتب تصنیف کیں جن میں ایسی امتیازی باتیں ہیں جن کا مؤاخذہ ضروری ہے، مثلاً

---

(1) مؤرخین وسیرت نگار حضرات کی تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ اہل بیت حبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ترین اندھیر نگری اور ظلم کی سیاہ رات میں زندگی بسر کی، اُس ظالمانہ واقعات وماحول نے افکار و آراء پر جو اثرات مرتب کیے اُن پر ایک نظر کے لیے میں اپنے قارئین کرام کو درخواست کرتا ہوں کہ وہ علامہ، فقیہ، نابغہ روز گار، شیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف "الإمام زید" (ص ۱۰۲-۱۰۴) کا مطالعہ فرمائیں۔ =

ایسی باتوں کا اُن میں پایا جانا جن سے تشبیہ کا وہم ہوتا ہے
① ایسی باتوں کا اُن میں پایا جانا جن سے تشبیہ کا وہم ہوتا ہے
② شرعی نصوص میں عقل کی دخل اندازی کا ہونا
③ دعوائے اجماع میں جلد بازی کا ہونا
④ اختلاف کرنے والے پر نازیبا القابات کی بھرمار کا ہونا
⑤ اختلاف کرنے والے کو فکری طور پر حراساں کرنا
⑥ اپنے اعتقادی مسائل کی تائید میں ضعیف وموضوع احادیث سے استدلال کرنا
⑦ بعض علماء میں غلو کرنا۔

رہی ناصبیت تو (اُن کے نزدیک) اس میں جو چاہو بیان کرو، کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ ناصبی خلیفہ متوکل کے بارے میں امام ابن اثیر الجذری کی کتاب "الکامل" کا مطالعہ کیجئے تاکہ آپ پر حقیقت منکشف ہو، تاہم مذکورہ بالا امور میں یہ میری

= نیز علامہ استاد شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الإمام الصّادق" (ص ۴۸) میں ارشاد فرماتے ہیں: "بیشک بنواُمیہ تختِ حکومت پر غلبہ پانے کے بعد امام علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن وکمالات کو چھپانے میں لگ گئے تھے، اور دوسری طرف آپ کے محبین ومعاونین آپ کی قبر انور کو پوشیدہ رکھنے میں مشغول ہو گئے تھے تاکہ بنوامیہ کے فاسقین آپ کے جسم مبارک کی توہین نہ کرسکیں۔ جیسا کہ وہ منبروں پر آپ کو سب وشتم کرتے تھے اور طنزاً آپ کو ابوتراب کہتے تھے، حالانکہ سیدنا علی علیہ السلام کو یہ کنیت بہت محبوب تھی کیونکہ اُنہیں یہ کنیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔ اور جیسا کہ حجاج بن یوسف ثقفی جیسے لوگ ہر خاص وعام محفل میں آپ کی توہین کرتے تھے، اور اپنے فاسقانہ اقوال کی پیروی پر علماء کو اکسانے کی کوشش کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑھ کر محبوب پر جرأت کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں: جیسا کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے جسم اطہر کا مثلہ کیا، پھر سرِ اقدس کو تن مبارک سے جدا کرکے کوفہ کے دارالامارت میں لے گئے، پھر دمشق کے قلعہ میں اپنے ظالم وجابر بادشاہ کے ہاں لے گئے تاکہ اس ظالم وسرکش کی خوشنودی کے لیے اس کے سامنے رکھا جائے، اور اسی طرح انہوں نے امام زید بن علی بن حسین علیہم السلام کا مثلہ کیا، ان کی قبر کو کھول کر ان کے جسم اقدس کو نکالا اور اسے لٹکایا۔ پس ہر وہ شخص جس نے عترتِ طاہرہ کو اذیت پہنچائی اُس پر وہ ہو جس کا وہ مستحق ہے۔

غالب رائے ہے، کلی نہیں۔

❷ یہ مصنفین مسئلہ تفضیل کے باب میں بصریوں اور بغدادیوں کی جماعت کو خارج کر دیتے ہیں اور اس کے باوجود اجماع و اتفاق اور عدم مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں، چنانچہ آپ اُنہیں مسئلۂ تفضیل میں ایسے اختلافی اقوال سے گریزاں پائیں گے جن سے ان سے اختلاف رکھنے والا شخص فائدہ اٹھا سکے اور ان کے اجماعات و اتفاقات کے خلاف دلائل قائم کر سکے، (اور نتیجۃً اُن کے اجماع کی قلعی کھل جائے) اس لیے اختلاف رکھنے والے شخص اور اس کے اقوال سے صرفِ نظر کرنا ان کے نزدیک انتہائی اہم ہے۔ نیز "السنۃ" کے نام سے کچھ ایسی کتب ہیں جنہیں آپ ایک ہی گھاٹ سے سیراب شدہ پائیں گے، مثلاً خلال، بربھاری، لالکائی اور ان کی مانند دوسرے علماء کی کتب۔ ہر چند کہ وہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے کچھ فضائل ذکر کرتے ہیں لیکن اپنے مذہب کے دائرہ میں محصور رہتے ہوئے۔

❸ اس کے ساتھ ساتھ اُن طویل تنازعات کو بھی جوڑ کر دیکھئے جو ایک جہت سے علویوں اور بنو امیہ پھر بنو عباس کے مابین رہے، ہر چند کہ ان تنازعات نے شدید خونریزی کی شکل اختیار کر لی تھی مگر اسی دوران بنو امیہ اور عباسیوں کی فکر کی مؤید تصانیف بھی تیار ہوتی رہیں۔ جب جب یہ سلسلہ زیادہ ہوتا تو شیعہ سنی تنازع میں شدت آجاتی، بالخصوص ایسے حالات میں جب شیعہ مملکتیں قائم ہو چکی تھیں۔

پس صحابہ اور بعد کے لوگوں میں حضرت علی اور شیخین رضی اللہ عنہم کے مابین کسی بھی قسم کی افضلیت کا ثبوت نزاع گردان لیا گیا کیونکہ اس میں خلافتِ فاطمیہ کی فکر مضبوط ہوتی ہے، اگر چہ یہ فکر بعض صحابہ کے نزدیک یا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی

احقیت کے مطابق درست بھی تھی۔ یہ خط احمر (سرخ لکیر) تھی، مناسب سمجھا گیا کہ کتب اس حد سے تجاوز نہ کریں جس سے والیانِ مملکت کے خلاف خروج کی حرمت کی نفی ہو، اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ خلافتِ راشدہ فقط افضل کے لیے تھی۔ سو تفضیل مرتضوی یا اثباتِ اختلاف کے اثرات اہم ہو سکتے تھے، لہٰذا صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافی اقوال اور حضرت ابو بکر اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہم کے مابین تفضیل کے متعلق وارد تصریحات سے دوری کو اُن مقاصد کے پیشِ نظر ناگزیر سمجھا گیا جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے۔

4 پھر بعد کے جمہور اہل علم مسئلہ تفضیل میں لکھی ہوئی سطور پر کاربند رہے اور مشہور کتبِ عقائد مثلاً، خریدۃ، جوہرۃ، سنوسیہ، نسفیہ اور طحاویہ وغیرہا میں یہی سلسلہ چلتا رہا۔ (۱)

ان کتب کے مصنفین اور شارحین نے مسئلہ تفضیل کو خلافت کی مانند قرار دیا (۲) اسی لیے متاخرین پر ایک دوسرے سے نقل کرنا اور جو کچھ ان کے درمیان مشہور تھا اسے تسلیم کرنا عام ہو گیا۔ لہٰذا آپ اُنہیں اختلافی اقوال ذکر کرتے ہوئے نہیں پائیں گے، ماسوا ایک اختلاف کے، اور اسے بھی وہ انتہائی ضعیف گردانتے ہیں، اور وہ اختلاف حضرت علی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر افضلیت کا ہے۔ اس کے بعد ان کا کہنا ہے: اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

---

(۱) کوئی خواہش پرست یا جاہل شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم ان کتب کی تنقیص کر رہے ہیں، ہرگز نہیں اور ہزار بار ہرگز نہیں، لیکن ہم یہ بحث کر رہے ہیں کہ اس مسئلہ کو ان کتب سے بعید رکھنا مناسب سمجھا گیا تھا۔

(۲) امام حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت سے صرف نظر کرتے ہوئے۔

رفتہ رفتہ مسئلہ تفضیل علی حتیٰ کہ حضرت علی اور شیخین رضی اللہ عنہم کے مابین اثبات اختلاف کا تذکرہ عظیم جرم اور کبیرہ گناہ ہوگیا۔ پھر جس نے جسارت اور اختلاف کو ثابت کیا تو اس پر فتوی بازی کی گئی، جن میں سے ایک الزام رافضیت بھی ہے۔

انجام کار علی، برادرِ نبی، کامل عکس نبوی، مومنین کے ولی، ایمان ونماز میں سب پر مقدم، قاضیٔ اعظم، سب سے اَعلم، شجاعت میں رستم، پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے، نہ ٹلنے والے، ہمہ قسم کی رجس سے مبراء اور طاہر مُزَکّٰی کے حق کو پست کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امام برحق کے حق کو کم کرنا اور ان کی تقدیم کے عقیدہ کو رافضیت قرار دینا انتہائی قبیح، بدعت سیئہ اور بدترین قول ہے، اور اس امام کے حق میں وہ قول بھی اسی زمرے میں آتا ہے کہ" جس شخص نے علی کو فلاں پر مقدم جانا تو اسی نے مہاجرین وانصار کی تحقیر کی۔

"إِزْدَرَاء" کا معنی حقیر سمجھنا ہے۔

خدارا مجھے بتلائیے: اُس شخص کی تقدیم میں کونسی خطا یا کیسی تحقیر ہے جس کی تقدیم پر متعدد اکابر حفاظ حدیث متفق ہیں؟ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کے اتنے فضائل نہیں آئے جتنے حضرت علی علیہ السلام کے آئے، جیسا کہ (المستدرک ج ۳ ص ۲۰۷) میں مذکور ہے۔

اور کیا حضرت علی علیہ السلام کی تقدیم میں کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص کی مخالفت ہوتی ہے؟

اور کیا ائمہ اشاعرہ جیسا کہ باقلانی، امام الحرمین، غزالی، آمدی، سعد تفتازانی وغیرہم سے عدم نص قطعی کی صراحت کے بعد اُن لوگوں کی قباحت اور برائی کی طرف کوئی راہ جاتی ہے جو مولیٰ علی کو مقدم مانتے ہیں؟ اور اُن میں ائمہ اہل بیت، صحابہ،

تابعین اور صلحاءِ امت کا ایک بڑا گروہ شامل ہیں۔

ائمہ اطہار سے محبت کے بعض مدعیان کے انکار پر بحث ونظر

١. بہت لوگ اہلِ بیت نبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مدعی ہیں لیکن انکی محبت زبان و قلم سے تجاوز نہیں کرتی (١) پس آپ دیکھیں گے کہ وہ ابوالحسن الکرار اور اہل بیت اطہار کو مؤخر کرنے پر ڈٹے ہوں گے۔ ان میں سے بعض جہالت، زیادتی اور سوءِ ادب میں بڑھ گئے اور سیدنا علیؑ یا اہل کساء کی تقدیم کو بدعت، رافضیت اور فسق قرار دے ڈالا، اگر وہ سکوت اختیار کرتے اور مدح وتعریف میں جو کچھ ان کے نزدیک درست تھا اس پر قائم رہتے تو یہ ان کے حق میں ایک بہتر پردہ ہوتا، لیکن اُن کے عناد اور تجاہلِ عارفانہ نے پردہ چاک کر دیا اور کھلے بندوں رسوائی ان کا مقدر بنی۔

٢. دوسرے وہ لوگ ہیں جو عترت مطہرہ سے محبت کرتے ہیں لیکن ایک حد و مقام تک، اس سے وہ ہرگز تجاوز نہیں کرتے، پس آپ اُنہیں دیکھیں گے کہ جب وہ مولیٰ علی علیہ السلام کی ہر ایسی فضیلت پر آئیں گے جو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو تو وہ اپنی جانب سے اس کی ایسی تاویل کریں گے جو اُن کے مذہب کے موافق ہو۔ پس اگر احادیثِ صحیحہ میں آجائے کہ

❁ علی المرتضیٰ مؤمنین کے مولیٰ ہیں

---

(١) یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ اہل بیت سے ان کی محبت تعریف واشعار سے آگے نہیں بڑھتی۔ اگر آپ چاہیں تو سیدی، حبیب، علامہ عبدالوہاب بن علی حسینیؒ کے رسالہ "أهل البيت النبوي طائفة ممدوحة بالألسن والأقلام مبغوضة في المعاملات والأحكام" کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ ایک انتہائی جید اور مفید بحث ہے۔ مصنف نے تو جاہلوں کے خوف سے اس بحث کو قلم بند کرنے والے کے نام کی تصریح نہیں کی اور میں نے احتراماً نہیں کی۔

- وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے
- وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے عالم
- سب سے بڑھ کر بہادر
- اسلام میں سب پر مقدم
- اور ناقابل شکست پلٹ پلٹ کر حملہ آور تھے وغیرہ

تو یہ لوگ ان احادیثِ صحیحہ کی ایسی تاویل میں مشغول ہو جاتے ہیں جو ان کے مذہب کے موافق ہو۔ ان میں سے بعض کا عناد اور بڑھ گیا تو انہوں نے ابن تیمیہ کے منہاجِ بدعت کا سہارا لیا پھر اس کے عیال میں شامل ہو کر خصائص علی علیہ السلام کی نفی کی اور ناصبیت کی بنیاد مضبوط کی۔

وہ کتب اور مباحث اور منظوم کلام جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بکثرت کیا گیا ہے۔ تم ان کے اکثر مصنفین اور شعراء کو خلفاء اربعہ پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر پھر اہل احد وغیرہ کی افضلیت کا ذکر کرتے دیکھو گے، البتہ سیدہ فاطمۃ الزہراء، آپ کی بہنیں، جنت کے نوجوانوں کے سردار امام حسن اور امام حسین، سید الشہداء امیر حمزہ، جعفر طیار اور عباس الابرار علیہم السلام کو کسی ترتیب میں ذکر نہیں کریں گے، گویا کہ یہ عوام صحابہ یا طلقاء میں سے ہیں، اور اگر انہوں نے ان مقدس ہستیوں کا ذکر کیا بھی ہے تو عام افراد کے ساتھ۔

ان میں سے بعض نے تابعین کے سرداروں کا ذکر کیا کسی نے کہا کہ تابعین کے پیشوا اویس قرنی ہیں کسی دوسرے نے کہا کہ ابن المسیب ہیں اور بعض نے حسن بصری کو تابعین کا سردار قرار دیا بلکہ بعض نے تو مدینہ کہ فقہاء سبعہ کو منظوم طور پر یوں بیان کیا۔

1. آگاہ ہو جاؤ جو شخص ان ائمہ کی اقتداء نہیں کرتا، تو اس کی ظالمانہ تقسیم کا حق سے کوئی تعلق نہیں۔

❷ لہٰذا تم عبداللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ کی اقتداء کرو۔ رہے ائمہ اہل بیت، سادات اطہار مثلاً سیدنا علی بن حسین، ان کے فرزند سیدنا زید اور باقر، حضرت حسن المثنی اور ان کے بھائی سیدنا زید، حضرت ابن الحنفیہ اور ان کے فرزند حسن رضی اللہ عنہم تو کبھی دیکھئے کہ ان پر، ان کی حدیث پر اور ان کی فقہ پر (دورسے) سلام۔

❸ بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی زبان سے محبتِ اہلِ بیت کا دعویٰ کرتے ہیں، وقت ان کا لغو کلام، درس، کتاب بینی اور متاخرین فقہاء کے مناقب میں خرچ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی عمر بعض الفاظِ متن کے حل یا اپنے شیخ طریقت کے مناقب میں صرف کردی۔ پس جب آپ ان کے ہاں ذکر اہلِ بیت کریں یا ان کے ذکر میں مشغول ہوجائیں تو ان کا سینہ تنگ ہونے لگے گا، وہ کبھی کھڑے ہوں گے اور کبھی بیٹھیں گے، گرجنا برسنا شروع کردیں گے اور آپ کو ان باتوں کے ساتھ متہم کریں گے جن سے آپ بری ہیں۔ انہوں نے شنوانی، باجوری، بنتطوانی، دسوقی، ابن ہمات زادہ، قاری اور ان کی مانند دوسرے علماء رحمۃ اللہ علیہم کے مناقب تو (۱) ذکر کیے اور ان کے متعلق مستقل تصانیف رقم کیں، دارس نے انہیں دنیا کے درجہ علیا پر پہنچادیا، لیکن ائمہ اہل بیت علیہم السلام، ان کے محبین و معاونین کے ذکر اور ان کے مصائب کے ذکر کو تم ان کے نزدیک بدعت پاؤ گے اور انہیں اس ذکر سے منحرف پاؤ گے۔ بس اللہ ہی کے ہاتھ میں فیصلہ ہے۔

❹ بعض وہ ہیں جو اہل بیت کے فلکِ محبت میں پرواز کرتے ہیں، انہیں

(۱) ان سطور سے ان کی برائی مقصود نہیں، یہ اپنے دور کے ائمہ ہیں، مسلمانوں نے ان کے علوم سے استفادہ کیا، لیکن میں نے فقط بطور مثال ذکر کیا ہے۔

مقدم مانتے ہیں لیکن جب لکھتے ہیں تو جو خود ان کے مطابق حق ہے اسے بھی چھپا دیتے ہیں اور دبے پاؤں نواصب کا ساتھ دیتے ہیں، اور اہل بیت سے منسوب بعض افراد پر خطا و صواب کا حملہ کرنے سے نہیں چوکتے لیکن دوسروں کی خطاؤں سے بعض عواقب جنہیں اللہ ہی جانتا ہے، کے پیشِ نظر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اُس شخص نے یہ کارروائی خوب کی ہے جس نے "أهل السنّة والشيعة بين الأعتدال والغلوّ" کتاب لکھی ہے، کتاب کا بڑا حصہ اہل بیت کرام سے نسبت رکھنے والے بعض افراد کو انتہائی مذموم طریقے سے تکلیف دہ ضربیں لگانے پر مشتمل ہے۔ مصنف نے صحیح کے ساتھ غلط کو جمع کر دیا ہے۔ لیکن اُس نے اہل سنت کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا، اگر میں چاہتا تو آپ کے سامنے ہر نوع کی مثالیں پیش کرتا۔

دوسروں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا تو فضائل اہل بیت میں وارد بعض احادیثِ صحیحہ یا حسنہ بلکہ متواترہ تک کو ضعیف قرار دے دیا، اور اس کے لیے ایک بحث کی ضرورت ہے۔"(۱)

---

(۱) بطور مثال ابن حزم کا یہ قول ہے، اس نے کہا:

"اور فضائل علی میں جو صحیح احادیث ہیں وہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد "أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لا نبي بعدي" (تیری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کی، الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی "لأعطين الراية غدا رجلا يحب اللهَ و رسولَه ويحبه اللهُ ورسولُه" (کل میں پرچم ایک شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں)"۔

(الفِصَلُ في الملل والنحل ج۴ص۱۴۷۔۱۴۸)

ا۔ ابن تیمیہ پر تعجب ہے کہ اس نے "منهاج السنة" میں ابن حزم کے اس قول کی حمایت کی ہے۔ یہ دونوں ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے کیونکر اغماض کر سکتے ہیں جن کی صحت کی متعدد ائمہ حفاظ =

= نے تصریح فرمائی ہے؟ ملاحظہ ہو: (المنتقی ص ۴۶)
(مصنف حفظہ اللہ تعالیٰ و متعنا اللہ تعالی

۲۔ اگر آپ کو حیران ہونا ہے تو صاحب اطلاع بعلومہ کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ ابن حزم صاحب اطلاع نہیں۔ اس نے امام ترمذی حتیٰ کہ متعدد صحابہ کرام کو مجہول قرار دیا ہے، ایسا شخص کیسے صاحب اطلاع ہوسکتا ہے؟ فیضی) حافظ ابن حزم پر حیران ہوں، جس نے الفصل (ج ۴ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸) میں حدیث الموالاۃ جیسی متواتر حدیث کو ضعیف قرار دینے کی جسارت کی ہے۔

اور اگر آپ کو اس سے بھی زیادہ حیران ہونا ہے تو ابو بکر بن عربی پر حیران ہوں، جس نے اپنی کتاب "عارضة الأحوذي" ج ۱۳ ص ۱۷۳) میں امام ترمذی کی حدیث الموالاۃ المتواتر کی تصحیح کی مخالفت کی اور کہا: یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں ایسا راوی ہے جس میں طعن ہے"۔

پھر مجھے علامہ ذیلعی پر سخت تعجب ہوا جب انہوں نے (نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰) میں کہا: متعدد احادیث ایسی ہیں جن کے راوی کثیر اور طرق متعدد ہیں اور وہ ضعیف ہیں جیسا کہ فلاں... اور حدیث "من كنت مولاه فعلي مولاه"۔

میں کہتا ہوں: حدیث موالات، متواتر ہے۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر "غدیر خم" کے مشہور و معروف مقام پر نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ حفاظ کی ایک جماعت نے اس کے طرق کو مستقل طور پر قلم بند کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام ابن جریر الطبری ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ (ج ۱۱ ص ۱۴۶) میں امام ابن جریر کے حالات میں لکھا ہے: میں نے ان کی دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کتاب کا مطالعہ کیا ہے جس میں انہوں نے حدیث غدیر خم کے طرق کو جمع کیا ہے۔ انہیں امام ابن عقدہ، ابو بکر جعابی اور ذہبی وغیرہم شامل ہیں۔

اس بندۂ ضعیف کی بھی ایک بحث ہے جس میں فضائل مرتضوی پر ایسی احادیث صحیحہ یا حسنہ کا بڑا حصہ شامل ہے، جنہیں از راہِ خطا (یا تردیدِ روافض کے جوش میں) ابن تیمیہ نے "منهاج السنة" میں موضوع کہہ دیا۔ یہ بحث مجلة أبحاث الإسلامية کے شمارہ اول میں شائع ہو چکی ہے۔ (ناشر، دائرہ اوقاف، دبئی، رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ۔

۳۔ احادیث کو ضعیف قرار دینے میں جلد بازی کی حیرت انگیز مثالیں:

اس سلسلے میں ایک حدیث وہ ہے جسے امام حاکم رحمہ اللہ نے از ابی الازہر، از عبد الرزاق، از معمر، از زہری، از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت فرمایا ہے۔ =

= حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

نظر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی علی فقال: یا علی أنت سید فی الدنیا والآخرۃ، حبیبك حبیبی، و حبیبی حبیب اللہ، و عدوك عدوی، و عدوی عدو اللہ، والویل لمن أبغضك بعدی

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو فرمایا'' اے علی تو دنیا اور آخرت میں سید ہے تیرا دوست میرا دوست ہے اور میرا دوست اللہ کا دوست ہے اور تیرا دشمن میرا دشمن ہے، اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے میرے بعد تجھ سے بغض رکھنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔'' (المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

میں کہتا ہوں: یہ سند صحیح ہے اس کے راوی ثقہ ہیں، ائمہ ہیں۔ حفاظ حدیث کے اس کے متعلق تین مختلف موقف ہیں، اور وہ حفاظ یہ ہیں: امام حاکم، امام یحییٰ بن معین اور امام ذہبی۔

۱۔ امام حاکم تو بھلائی کو پہنچے، ان کا ایک ہی قول ہے، انہوں نے ''المستدرك'' میں فرمایا ہے: ''یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اور ابو الازہر محدثین کے اجماع سے ثقہ ہیں، اور جب ثقہ راوی کسی حدیث کو روایت کرنے میں تنہا ہو تو وہ حدیث محدثین کے اصول کے مطابق صحیح ہوتی ہے''۔

۲۔ امام یحییٰ بن معین نے پہلے تو حدیث کی تکذیب میں جلد بازی کی پھر رجوع کر لیا۔ پس امام حاکم نے نقل فرمایا ہے کہ یحییٰ بن معین نے جب اس حدیث کو سنا تو کہا ''کہاں ہے یہ نیشاپوری کذاب جو عبدالرزاق سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے؟ اس پر ابو الازہر نے کھڑے ہو کر کہا: وہ یہ ہے، تو یحییٰ بن معین ہنس پڑے، پھر ابو الازہر کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے قریب کیا اور ان سے معذرت کی۔ پھر ابو الازہر نے یحییٰ بن معین کو آگاہ کیا کہ امام عبدالرزاق نے ابو الازہر کے (یعنی میرے) سوا کسی کو یہ حدیث بیان نہیں کی۔ پس یحییٰ بن معین کا رجوع کرنا امام حاکم کی تائید ہے۔

۳۔ باقی رہے امام ذہبی تو انہوں نے یحییٰ بن معین اور امام حاکم کی مخالفت کی ہے۔ وہ (تلخیص المستدرك ج ۳ ص ۱۴۹) میں کہتے ہیں: ''یہ حدیث منکر ہے اگر چہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کا موضوع ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ ورنہ عبدالرزاق نے کس وجہ سے اس حدیث کو راز دارانہ طور پر بیان کیا؟ اور امام احمد، ابن معین اور محدثین کی ایک جماعت نے جو ان کی طرف کوچ کیا انہیں بیان کرنے کی جسارت نہیں کی''۔

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ ذہبی کا کلام محل نظر ہے، بے شک اس حدیث کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور متن میں کوئی قابل انکار بات نہیں ہے جیسا کہ ذہبی نے دعویٰ کیا۔ =

اہل بیت کرام کی کتب سے اغماض

اس بحث میں مَیں ایک نقص کی نشاندہی میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اور وہ ہے ان کتب سے روگردانی جو اہل بیت کرام کا ورثہ ہیں۔ وہ کتب کو متروک قرار دی گئیں، انہیں طاقِ نسیان میں رکھ دیا گیا، ان کے مطالعہ، ان سے نقل کرنے اور ان کے مصنفین کے احوال سے واضح طور پر پہلوتہی کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مابین بہت دوریاں پیدا ہوگئیں۔ اہل بیت کرام اپنے مذاہب میں تقدیم علی پر اختلاف نہیں رکھتے بلکہ وہ تمام اہل کساء کی تقدیم کے قائل ہیں، اور یہ تقدیم ان کے جمہور اکابرین کے نزدیک قطعی ہے۔ پس اللہ اس شخص پر رحمت فرمائے جو اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔

جی ہاں بعض وہ مذاہب جن کی نسبت اہل بیت کے متبعین کی طرف کی جاتی

= ذہبی سے قبل اس حدیث کی اُن محدثین نے تصحیح فرمائی ہے جو ذہبی سے بڑھ کر سند اور متن کے عالم ہیں، جیسا کہ امام یحییٰ بن معین، امام حاکم اور ان کے ساتھ ابو الازہر نیشاپوری۔

اور امام عبد الرزاق جیسے ثقہ محدث کا اس حدیث کو پوشیدہ طور پر بیان کرنے کی کئی بہت وجوہات ہیں۔ بلاشبہ لوگ اہل بیت کے فضائل میں وارد احادیث کو برداشت نہیں کرتے تھے جیسا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شامیوں کے سلوک سے واضح ہے، اور جیسا کہ حافظ حسکانی کے ساتھ کیا گیا جب انہوں نے کئی مجالس میں "حدیث رد الشمس" لکھوائی، حالانکہ وہ صحیح حدیث ہے اور ابو الازہر ثقہ راوی اس کی روایت میں منفرد نہیں ہیں۔ اس وقت اتنا ہی کافی ہے حالانکہ حدیث اس سے زیادہ گفتگو کی گنجائش رکھتی ہے۔ واللہ المستعان۔

پھر مزید استفادے کے لیے علامہ، امام، سیدی احمد بن صدیق غماری علیہ الرحمۃ والرضوان کی دو نادر و انمول تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے:

۱۔ البرهان الجلی فی تحقیق إنتساب الصوفیة إلی علی والإتصال بأبی الحسن الشاذلی۔

۲۔ فتح الملك العلی بتصحیح حدیث باب مدینة العلم علی۔

ہے۔ ان میں کجی پائی جاتی اور ان کی نقل میں اطمینان نہیں (۱) لیکن ہمارے سامنے امام زید بن علی علیہ السلام کے پیروکاروں کی قیمتی کتب موجود ہیں، اور میں نے "معجم المؤلفین الزیدیۃ" کے آخری طبع کا مطالعہ کیا، یقیناً وہ ایک بڑا علمی ورثہ ہے جس سے ہم نے پہلوتہی کر رکھی ہے اور اسے متروک کر دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی، عافیت اور خطاؤں کی اصلاح کا سوال کرتے ہیں۔ (۲)

(۱) میں یہاں خاص طور پر امامیہ کے مذہب کا ذکر کرتا ہوں کہ ان کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں، اور امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں امامت کے مقید ہونے کا ان کا قول باطل ہے اور بارہ اماموں کو ان کے ناموں کے ساتھ معین کرنے کی تصریح بھی باطل ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر باطل وہ خرافات ہیں جو امام مہدی کی پوشیدگی صغریٰ اور کبریٰ، ان کے پیغامبر اور ان کے احکامات جاری کرنے کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ اور ان تمام امور سے بڑھ کر امامیہ کا ائمہ اہل بیت علیہم السلام مثلاً امام زید اور امام نفس الزکیہ وغیرہ کے ساتھ کیا جانے والا ناروا سلوک ہے۔ اور اہل بیت کا ہر وہ فرد جس نے امامت کا دعویٰ کیا وہی ان کا امام ہے یہ ایک بعید بات ہے۔ رہا ان کا مقتدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنا تو یہ امر تقیہ کا احتمال نہیں رکھتا۔ پس ان کا مذہب فحش غلو سے مرکب ہے اور آن واحد میں جمہور اہل بیت علیہم السلام کے لیے باعث دشمنی ہے۔ ہم ان کے ساتھ بحث و تمحیص کے اور جمود کو ترک کر دینے کے خواہاں ہیں۔

(۲) "الرّوض النّضیر شرح مجموع الفقه الکبیر" مطبوعہ مصر پر جو متعدد علماء اہل سنت کی تقدیمات و تقریظات مرقوم ہیں وہ امام زید بن علی علیہما السلام کی فقہ سے استفادہ پر ابھارتی ہیں۔ "الرّوض النّضیر" چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ علامہ حسین بن احمد السیاغی الصنعانی کی کتاب ہے۔ علماء اہل سنت نے اس شرح کو جو پذیرائی دی اور تعریفی کلمات ادا فرمائے وہ اس کتاب کے خاتمہ میں موجود ہیں۔ جس کی ترتیب یوں ہے:

۱۔ السید محمد سعید عرفی، رئیس علماء فرات اور نزیل قاھرہ (ج ۴ ص ۳۴۸،۳۳۶)

۲۔ الشیخ محمد بخیت المطیعی، شیخ العلماء و مفتی دیار مصر، (ج ۴ ص ۳۳۲،۳۳۱)

۳۔ شیخ یوسف الدجوی، رکن مجلس علماء کبار، جامعہ ازھر، (ج ۴ ص ۳۴۳،۳۳۲) =

۴۔ الشیخ مصطفیٰ ابو یوسف الحمامی۔ یکے از کبار علماء ازھر و خطیب مسجد زینبی۔ (ج ۴ ص ۳۳۴، ۳۳۶)

۵۔ شیخ محمد زاہد الکوثری، وکیل "المشيخة الإسلامية بالخلافة العثمانية" (ج ۴، ص ۳۳۶، ۳۴۱)

۶۔ سید احمد بن محمد بن صدیق الغماری الحافظ المجتہد (ج ۴ ص ۳۴۲، ۳۴۳)

۷۔ سید محمد زین العابدین الحسینی الکردی۔ (ج ۴ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴)

"صوب الركام في تحقيق الأحكام" حضرموت کے شہروں کے مفتی ہمارے شیخ المشائخ علامہ سید عبدالرحمن بن عبیداللہ سقاف کی کتاب کے (ص ۱ ر ۳۱۔ ۳۰) میں ہے:

"اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب مدون نہیں ہوا تو یہ سیدنا زید بن علی کے مذاہب کی بنیادیں ڈھا دیتا ہے پس وہ گمراہی سے محفوظ رہا، بہترین سلسلہ روایت اور ائمہ کرام کے نقل کردہ اقوال صریحہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور درست رائے کی عمدہ شراب آج تک پی رہا ہے۔ فقہاء بعض عذر کی بناء پر اس سے غافل رہے اور شاید یمن میں محدود ہونے کی بناء پر اور بعض دیگر عذروں کے سبب اس مذہب سے غافل و لاعلم رہے۔ وگرنہ در حقیقت یہ انتہائی مشہور و معروف مذہب ہے۔ شعر:

اور بے شک ہدایت دینے والے، زید کی پیروی و اقتداء کرتے ہیں، گویا کہ وہ بلند پہاڑ کی چوٹی پر چمکتے نور کی مانند ہیں۔

اور شوافع کی کتب میں جو منفی باتیں اس حوالے سے تم پاتے ہو، خصوصاً زیدی سادات کی تقلید کی شدید مخالفت، تو یہ زیدی مذہب کی تدوین سے لاعلمی کی بناء پر ہیں، اور یہ ایک لغو و باطل بات ہے۔ جس کی بناء پر کی گئیں باتیں بھی لغو و باطل ہیں۔ اس لئے کہ تقلید کے جواز میں زیدی مذہب دوسرے مدون مذاہب کی مانند ہے۔ پس اب اس مذہب کی تقلید کو جائز قرار دینا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ میرے سامنے زیدی فقہ کی شرح ألازھار" موجود ہے اور میں خاص طور پر اس بات کا ذکر کروں گا کہ ان کے مذہب کے ایک مجتہد نے، ایک مسئلہ میں منفرد رائے اختیار کی اور اجماع کی مخالفت کی ہے۔"

حذف و اختصار کے ساتھ شیخ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

شیخ القراء ابن الجزری نے زیدیوں کی تعریف و توصیف کی ہے، جسے آپ "أسنى المطالب ص ۳۹" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، اور خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے بھی زیدیوں کی تعریف و توصیف فرمائی ہے جسے آپ "فتح الباری" میں دیکھ سکتے ہیں۔

درج ذیل سطور میں افضلیت علی علیہ السلام کے متعلق بعض متقدمین کے اقوال ملاحظہ ہوں:(۱)

❶ اور اسے ہم "حدیث الطیر" سے شروع کرتے ہیں اور وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا تو آپ نے دعا فرمائی:

اللّٰهم ائتنی بأحب خلقك إليك يأكل معی من هذا الطائر فجاء علی۔

"اے اللہ! میرے پاس اس شخص کو بھیج دے جو تجھے تیری مخلوق سے محبوب ترین ہو تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے تو حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے۔"

جہاں تک اس حدیث پر درایۃً بحث کا تعلق ہے تو اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے:

"اگر حدیث الطیر صحیح ہو تو حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت قطعاً واجب ہے کیونکہ مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہونا فقط دینی اعتبار سے ہوتا ہے اور اس صورت میں محبوب ترین شخص کا افضل ہونا لازم ہے۔ یہاں کسی شخص کو یہ کہنا درست نہیں کہ پھر تو اُن کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہونا واجب ہوتا ہے، اس لیے کہ الفاظ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شامل نہیں ہے کیونکہ آپ کے الفاظ ہیں: "اللّٰهم ائتنی..." (اے اللہ میرے پاس بھیج..) لہٰذا آپ اس سے خارج ہیں۔ یہ انتہائی اختصار کے ساتھ کی گئی درایتی

(۱) یہاں ان کا ذکر کرنا مقصود ہے جو علی علیہ السلام کو افضل مانتے ہیں، رہا آپ کی افضلیت پر استدلال تو اس کا مقام دوسرا ہے۔

بحث ہے۔

رہا روایۃ اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو میں حدیث الطیر کی صحت پر بحث کر چکا ہوں۔(۱)

(۱) اُس بحث میں میں نے کہا تھا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔اس کو صحابہ کرام میں سے حضرات انس بن مالک، علی، ابن عباس جابر بن عبداللہ، ابو رافع، یعلی بن مرۃ اور سفینہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔حضرت انس سے یہ حدیث تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ابن کثیر دمشقی شامی نے (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۳۵۳) میں لکھا ہے:

"حافظ ذہبی نے اس حدیث کے طرق پر ایک رسالہ تالیف فرمایا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے راویوں کی تعداد [۹۰] سے تجاوز کر گئی۔اور اُس (ابن کثیر) نے کہا: یہ طرق غرابت سے زیادہ قریب ہیں۔"

میں کہتا ہوں: اتنی بڑی تعداد کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے۔لہٰذا علوم حدیث کے اصول کے مطابق اس حدیث کے راویوں کے احوال کی چھان بین ضروری نہیں۔ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا ہے:

"اس حدیث کے طرق بہت زیادہ ہیں جنہیں میں نے ایک تصنیف میں جداگانہ طور پر جمع کر دیا ہے، جن کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور موجود ہے۔"

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۴۳)

اس سے زیادہ ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"حدیث الطیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، جن میں کلام ہے اور بعض طرق سنن کی شرائط کے مطابق ہیں ان میں سب سے عمدہ سند امام مسلم کے شیخ قطن ابن نسیر کی حدیث ہے۔قطن بن نسیر از جعفر بن سلیمان از عبداللہ بن مثنی از عبداللہ بن انس بن مالک از انس مروی ہے۔انہوں نے فرمایا:

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھنا ہوا چکور ہدیہ کیا گیا تو آپ نے عرض کیا: "اے اللہ! میرے پاس اس شخص کو بھیج دے جو تجھے تیری مخلوق سے محبوب ترین ہو تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے۔۔۔ اور پوری حدیث ذکر کی۔ =

= جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے ان پر حدیث کے دو حفاظ حافظ ابن حجر اور حافظ صلاح الدین علائی نے "الأجوبة على أحاديث المصابيح ص۔۔ میں تنقید فرمائی ہے اور وہ دونوں اس حدیث کی تحسین کی طرف گئے ہیں۔

میں نے اس حدیث پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے والا شخص اس حدیث کی صحت کا قائل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی طباعت آسان فرمائے۔ تاہم اس فرصت میں اس حدیث کے دو طرق بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۱۔ امام طبرانی نے (المعجم الكبير ج۷ ص۹۵ رقم ۱۰۳۴۳) میں، ابن عدی نے (الكامل ج۳ ص۹۵۸) میں اور ابن جوزی نے (العلل ج۱ ص۲۲۵) میں از سلیمان بن قرم از فطر بن خلیفہ از عبدالرحمن بن ابی نعیم، از سفینہ مرفوعاً نقل کیا ہے۔ امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد ج۹ ص۱۵۸) میں فرمایا: "طبرانی کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں سوائے فطر بن خلیفہ کے اور وہ ثقہ ہیں۔"

میں کہتا ہوں: بخاری نے دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر فطر بن خلیفہ سے روایت کیا ہے، جیسا کہ "فتح الباری" کے مقدمہ (ص ۴۳۵) میں ہے۔ اور انہوں نے (تهذيب التهذيب ج۸ ص۳۰۰) میں فطر بن خلیفہ پر بخاری کے راوی ہونے کی رمز لگائی ہے۔

۲۔ ابن کثیر نے (البداية والنهاية ج۷ ص۳۵۲) میں حدیث الطیر پر امام ذہبیؒ کے "جزء" [کسی ایک حدیث پر مستقل رسالہ] سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بیشک ابن ابی حاتم نے اس حدیث کو از عمار بن خالد واسطی، از اسحاق الازرق، از عبد الملک بن ابی سلیمان، از انس روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کے آخر میں کہا: یہ سند حاکم کی اسناد میں سب سے عمدہ سند ہے"۔

میں کہتا ہوں: عمار بن خالد واسطی کے بارے میں ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے والد کے ساتھ واسط میں اُن سے احادیث لکھی تھیں، وہ ثقہ اور صدوق ہیں۔"

(الجرح والتعديل ج۳ ص۳۹۵)

اور اسحاق بن یوسف الازرق اور عبد الملک بن سلیمان دونوں ثقہ ہیں، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔ اس پر نفس پرست انسان کے سوا کوئی اعتراض نہیں کرے گا، اور اگر حدیث الطیر صحیح نہیں ہے تو میں چاہوں گا کہ مخالف وضاحت کرے کہ حدیث صحیح کیا ہوتی ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام طرق کی موجودگی میں اس حدیث پر وضع کا حکم لگانا تحقیق میں کمی اور غفلت کا نتیجہ ہے اور ایسی سختی ہے جو اصول حدیث =

❶ جس طرح حضرت علی نبی ﷺ کے بعد اللہ ﷻ کو مخلوق میں سے محبوب ترین ہیں تو اسی طرح وہ اپنے بھائی ہمارے آقا و مولیٰ رسول اللہ ﷺ کو بھی مخلوق میں سے محبوب ترین ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل از ابو نعیم از عیزار بن حریث از نعمان بن بشیر روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حجرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلند آواز سنی، وہ کہہ رہی تھیں: "اللہ کی قسم میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ علی آپ کو میرے والد سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ جملہ انہوں نے دو تین مرتبہ دوہرایا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھتے ہوئے فرمایا: او فلاں کی بیٹی! کیا میں نہیں سن رہا کہ تم رسول اللہ ﷺ پر آواز بلند کر رہی ہو؟" (فضائل الصحابة رقم ۳۸،۳۹)

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے امام احمد نے مسند میں، اور امام نسائی نے "عشرة النساء" اور "خصائص علی" میں ذکر کیا ہے۔

(مسند أحمد ج ۴ ص ۲۷۲، عشرة النساء رقم ۲۷۳، خصائص علی رقم ۱۱۰)

= اور فنی قواعد سے مطابقت نہیں رکھتی۔ واللہ اعلم۔

اور حافظ علائی نے (النقد الصحیح ص ۷۷،۷۵) میں اس حدیث کے دو طرق بیان کئے ہیں جن کی روشنی میں یہ حدیث حسن ثابت ہوتی ہے۔ واللہ المستعان۔

ملاحظہ فرمائیے! مجلّة الأبحاث الإسلامية (ناشر دائرة الأوقاف، دبی جزء الأول، رمضان ۱۴۱۷ھ) میں بندہ ناچیز کی بحث، جس کا عنوان ہے: "ابن تيمية وأحاديث فضائل آل البيت ص ۲۵۷ تا ۲۷۳"

اور اسی طرح میں نے حافظ علائی کی کتاب "النقد الصحيح لما اعترض عليه من أحاديث المصابيح" پر میرے حواشی بھی ملاحظہ ہوں، اور اس حدیث پر میرا "إتحاف الأكابر بتصحيح حديث الطائر" کے نام سے ایک رسالہ بھی ہے۔

اور حافظ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۲۷)

پس یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، انہوں نے حلفاً کہا ہے اور نبی ﷺ نے ان کے قول کو مقرر رکھا ہے کہ سیدنا علی آپ کو حضرت ابوبکر سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ قول و اقرار دو یا تین بار صادر ہوا، اور مسئلہ بالکل واضح ہے(۱) لہٰذا جب آپ ایسی احادیث سے آگاہ ہوں جن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب

(۱) متعدد دوسری احادیث بھی اس امر کی تائید کرتی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سے محبوب ترین ہستی فاطمہ تھیں اور مردوں میں سے علی تھے"۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اُن کی موافقت کی ہے۔(سنن الترمذی رقم ۳۸۶۸، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۵۵)

۲۔ اور اسی سلسلے میں یہ حدیث ہے، امام ترمذی اور امام حاکم روایت کرتے ہیں: عمیر بن جمیع تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنہوں (پھوپھی) نے پوچھا: لوگوں میں سے کون رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ، عرض کیا گیا: مردوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا؟ فرمایا: ان کے شوہر"۔

(سنن الترمذی رقم ۳۸۷۴، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۵۴)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس حدیث کے وہ حدیث خلاف ہے جو امام احمد کی مسند میں عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ لوگوں میں سے کون رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا؟ انہوں نے فرمایا: عائشہ۔ میں نے پوچھا: مردوں میں سے کون تھا؟ فرمایا: ان کے والد"۔(مسند اُحمد ج ۶ ص ۲۴۱)

میں کہتا ہوں: عبداللہ بن شقیق ناصبی (دشمن اہل بیت) ہے اور آپ اوپر جان چکے ہیں کہ اس طرح کی بہ ظاہر متعارض احادیث کے مابین مطابقت کا کیا طریقہ ہے، اور اس سلسلے میں اور احادیث بھی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے تو ایسی تمام روایات میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ان احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ کی یہ حدیث تقابل سے خارج ہے۔

۳ اور اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کی ایک جماعت کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب تھے۔ چنانچہ امام احمد نے مسند اور فضائل میں اور امام نسائیؒ نے "الخصائص" میں اور امام طحاوی نے "شرح مشکل الآثار" میں صحیح اسناد کے ساتھ از عبد اللہ بن بریدہ نقل کیا ہے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی، جس میں ہے:

فما كان أحد بعد رسولِ اللہ أحبُّ إلی منْ عليٍّ۔

ترجمہ: "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شخص بھی مجھے علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب نہیں ہے"۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰، فضائل الصحابۃ رقم ۱۱۸۰، خصائص علی رقم ۹۷، شرح مشکل الآثار ج ۴ ص ۱۶۰)

۴ اور اسی سلسلے میں وہ حدیث ہے جسے خلال نے "السنۃ" میں از عبد اللہ بن احمد از داود بن عمرو الضبی، اور اس کو اُبی نے داود بن عمرو سے منتخب کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی علی بن ہاشم نے از ابو الجحاف، از معاویۃ بن ثعلبہ، انہوں نے بیان کیا کہ:

"ایک شخص حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اُس وقت وہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس نے کہا: اے ابو ذر! کیا آپ مجھے اپنی محبوب ترین ہستی کے بارے میں بتائیں گے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ کا محبوب وہی ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں ربّ کعبہ کی قسم! بیشک صحابہ

میں سے مجھے وہی شخص محبوب ترین ہے جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ترین تھا، اور وہ یہ شیخ ہے، اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا درآنحالیکہ وہ ان کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے"۔ (کتاب السنۃ للخلال رقم ۴۵۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ کی تصریحات

۵ امام احمد نے مسند اور فضائل میں، ابن سعد نے طبقات میں، امام نسائی نے "الخصائص" میں، ابن ابی عاصم نے "السنۃ" میں، طبرانی نے الکبیر میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بطریق ابی اسحاق سبیعی از ہبیرہ بن بریم نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

"حضرت حسن بن علی علیہما السلام ہماری طرف تشریف لائے، اُن کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا، انہوں نے فرمایا: کل تمہارے درمیان وہ عظیم الشان ہستی موجود تھی جس سے نہ تو پہلے والے آگے بڑھ سکے اور نہ ہی بعد میں آنے والے اس کے مقام کو پاسکیں گے"۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۱۹۹، فضائل الصحابۃ رقم ۱۰۱۴، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۳۸، ۳۹، الخصائص للنسائی رقم ۲۳، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۷۹)

اس حدیث ان الفاظ کے ساتھ امام نسائی نے خصائص میں روایت کیا ہے، یہ حدیث ثابت ہے اور اس کے متعدد طرق ہیں، اور اس کو امام ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان رقم ۶۹۳۶، المستدرک ج ۳ ص ۱۷۲)

امام ابن عساکر نے اس حدیث کے اکثر طرق کو اپنی تاریخ (مدینۃ دمشق) میں ذکر کیا ہے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام حسن بن علی علیہ السلام نے کوفہ میں یہ خطبہ اہل بیت، صحابہ اور تابعین کے عظیم الشان اجتماع میں ارشاد فرمایا اور کسی نے بھی آپ پر اعتراض نہیں کیا۔ سامعین میں آپ کے بھائی امام حسین علیہ السلام اور حضرت محمد بھی موجود تھے۔ پس ایک جم غفیر کے سامنے امامِ اہل بیت کی اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد افضلیت علی علیہ السلام پر یہ ایک نص ہے۔

سیدنا علی علیہ السلام کا مطلقاً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحبت میں زیادہ ہونا

❻ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صحبت کا مقابلہ عمل نہیں کرسکتا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر سیدنا علی علیہ السلام درجِ ذیل وجوہ کی بنا پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ صحبت یافتہ ہیں۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پرورش پائی، لہٰذا وہ انسانِ کامل کے نور کی ملازمت، اُن پر ایمان اور ان کی معیت میں نماز ادا کرنے میں سب پر مقدم ہیں۔

② حضرت علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں رہے، جبکہ اکثر سابقین صحابہ کرام حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا اور مکہ سے نکلے پھر ابن الدغنہ کی پناہ میں واپس لوٹ آئے اور اپنے گھر کے دروازے کے قریب مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے۔ ملاحظہ ہو: (صحیح البخاری اور البدایۃ والنہایۃ ج ۳، ص ۱۱۰)

③ حضرت علی علیہ السلام نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ عقد فرمایا اور اُن کا گھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے گھروں کے درمیان میں تھا، اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت علی اور فاطمہ کے ساتھ صبح اور شام ایک ایک نشست تھی، اور حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم بردار تھے، اور انہیں ہجرتِ مدینہ کے موقعہ پر بھی بعض ایسے مناقب کی بدولت پیچھے چھوڑا گیا جن میں وہ عالمین سے منفرد ہیں، اور جب ایک غزوہ کے موقعہ پر اُن کا گھر میں رہنا مطلوب تھا تو انہیں ارشاد فرمایا گیا: ''کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا مقام میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک؟'' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں (ایک حج کے موقعہ پر) سورۃ براۃ کی تلاوت کے لیے مخصوص فرمایا، اور فرمایا: ''میری ذمہ داری صرف وہی شخص بجالائے گا جو مجھ سے ہو''۔

④ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیق اعلیٰ کی جانب رحلت فرمانے سے قبل فرماتے تھے: ''أدعُ لِي علياً'' (میرے لیے علی کو بلاؤ)۔

⑤ وہ سیدنا علی علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکفین و تدفین کا انتظام کیا، لہٰذا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہ نسبت آخری وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے والے ہیں اور اس وقت اُن کے ساتھ بنو ہاشم کے چند اشخاص تھے جو اُن کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

⑦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بابُ مدینۃِ العلم ہونا اور علم و حالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہونا

سیدنا علی علیہ السلام مدینۂ علم کا باب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و حال کے وارث ہیں (۱) اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی آپ کے چچازاد اور اہل مکہ پر آپ کے مقرر کردہ عامل

(۱) سیدنا علی علیہ السلام کے علم کے متعلق گفتگو کے لیے ایسی مجلدات کی ضرورت ہے جن میں تمام ائمۂ فن علمِ مرتضوی پر اظہارِ خیال کریں اور بتلائیں کہ وہ کس قدر آپ کے فیضانِ علم سے سیریاب ہوئے، حالانکہ یہ علم ایسے روزِ روشن کی مانند ہے جو آنکھ والے سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کینہ، بغض، حسد اور =

= ناصبیت کو تباہ کرے جس کی وجہ سے امت وارث علم نبوی ﷺ سیدنا علی علیہ السلام کے علم سے استفادہ سے محروم رہی یعنی اس طرح استفادہ نہ کرسکی جس طرح کرنے کا حق تھا۔ جی ہاں صوفیہ کرام اس معاملے میں متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہی نبی ﷺ کے حال کے وارث ہیں اور وہی اُن کے امام ہیں لیکن سیدنا علی علیہ السلام کے علم سے ان کی تصانیف اور ان کے ائمہ کی زبانوں پر جو کچھ جاری ہوا وہ مرتضوی بحر علم سے ایک چلو کے مترادف ہے۔

میں اس مقام پر خود کو فقہ علی علیہ السلام کے متعلق علامہ جلیل القدر عالم شیخ ابو زہرہ مصری جن کی فقاہت اور علمی وسعت و بالیدگی مسلّمہ ہے، کے کلماتِ حسرت نقل کرنے پر مجبور پاتا ہوں وہ اپنی کتاب "الإمام الصادق" میں فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب تقریباً تیس سال حیات رہے، وہ فتوی دیتے، رشد و ہدایت کرتے اور مسائل کی توجیہ بیان کرتے تھے، اور یقیناً وہ غواص تھے اور حقائق کی تحقیق میں سرگرم تھے، اور کوفہ میں ان کا قیام تقریباً پانچ سال تک رہا، لہٰذا یقیناً انہوں نے فتاوی اور قانونی فیصلوں کا ذخیرہ چھوڑا ہوگا، جبکہ وہ مسائل کی توجیہ اور تفہیم میں یکتا تھے، اور ان کی غزارتِ علمی، مسائل میں گہرائی اور گیرائی جانی پہچانی تھی اور سابقین خلفاء کرام کے دور میں استفتاء کا رخ اُن ہی کی طرف تھا، اور ایسے پیچیدہ امور جو ہر لحاظ سے بحث و نظر کے محتاج ہوتے اور جن کے لیے قوتِ استنباط کا ہونا ضروری ہوتا اُن میں آپ کی شرکت لازمی سمجھی جاتی (حتیٰ کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ مسائل عمیقہ کے حل کو جہاد پر ترجیح دیں۔ [تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی] فیضی)۔

لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اس بات کا اقرار کریں کہ فقہِ مرتضوی، فتاوی اور ان کے فیصلے کتب سنت میں اسی قدر بیان نہیں کیے گئے جس قدر ان کے دورِ خلافت میں وقوع پذیر ہوئے، اور نہ ہی اُس دور کے مکمل فتاوی اور دروس روایات کیے گئے جو اُن سے قبل خلفاء راشدین کے دور حکومت میں اُن کے پاس آتے رہے، حالانکہ اُن کی تمام تر زندگی فقہ اور علم دین پر مبنی تھی اور وہ تمام صحابہ کرام کی بہ نسبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ عرصہ متصل رہے، بلاشبہ وہ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل اس وقت رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں آئے جب ابھی بچے تھے اور تا وصال نبوی ﷺ مسلسل آپ کے ساتھ رہے، لہٰذا واجب ہے کہ جو کچھ کتب سنت میں اُن سے مذکور ہے اس سے کئی گنا زیادہ مذکور ہوتا۔

اور جب ہم اس سبب کو پانا چاہتے ہیں کہ جمہور مسلمین سے مرویاتِ علی اور اُن کی فقہ کیوں مخفی رہی تو لازماً ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اس اخفاء، قضاء اور روا فتاء میں اموی حکمرانوں کا بڑا ہاتھ ہے، =

سیدنا ومولانا قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نے تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ امام نسائی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "میں نے حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا علی کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہوئے، حالانکہ وہ تم سے کمتر تھے؟ انہوں نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ ہم سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملے اور خوب ان کی معیت میں رہے"۔

(الخصائص رقم ۱۰۸، ۱۰۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۲۵)

یہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے نقل نہیں کیا اور امام ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے، اور یہ حضرت قثم رضی اللہ عنہ کی جانب سے افضلیت علی رضی اللہ عنہ کی تصریح ہے۔

پھر حاکم نے فرمایا کہ میں نے قاضی القضاۃ ابو الحسن محمد بن صالح ہاشمی کو کہتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا: میں نے ابو عمر قاضی کو کہتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا: میں نے اسماعیل بن اسحاق قاضی (۱) کو کہتے ہوئے سنا: اُن کے سامنے قثم کا یہ قول بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: وارث صرف نسب یا ولاء کے سبب وراثت کا حقدار ٹھہرتا ہے، اور اہل علم کے مابین اس اصول پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چچا کا بیٹا، چچا کی موجودگی میں وارث نہیں بنتا۔ پس اس اجماع سے واضح ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بنو عباس کی بجائے علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ٹھہرے۔

= کیونکہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ لوگ منبروں پر تو مولیٰ علی پر لعنت کریں (معاذ اللہ) اور علماء کو کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ آپ کے علم کا اظہار کریں اور لوگوں کو آپ کے فتاوی اور اقوال منتقل کریں، خصوصاً وہ علم جو اسلام کے اساسی احکام پر مبنی ہے۔

(۱) قاضی اسماعیل بن اسحاق مفسر حافظ مجتہد مصنف صاحب فن اور عراقی مالکیوں کے شیخ تھے، اُن کا انتقال ۲۸۲ھ میں ہوا تھا۔

پھر امام حاکم نے قاضی کی ذکر کردہ روایت کی صحیح سند کے ساتھ بطریق محمد بن صالح بن ہانی از احمد بن نصر، از عمر بن طلحہ قناد، از اسباط بن نصر، از سماک بن حرب، از عکرمہ، از ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا، انہوں نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا{ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیے جائیں تو پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں }(آل عمران: ۱۴۴) خدا کی قسم! اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے بہرہ ور کیا ہم اُلٹے پاؤں نہیں پلٹیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا یا آپ کو شہید کر دیا گیا تو میں ضرور اس بات پر جہاد جاری رکھوں گا جس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں۔ خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی، آپ کا ولی اور وارث ہوں اور آپ کا چچازاد ہوں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقدار مجھ سے زیادہ کون ہے؟

میں کہتا ہوں: اس اثر کو اسی طرح امام نسائی نے "خصائص علی" میں، امام طبرانی نے "الکبیر" میں اور قطیعی نے امام احمد کی "زوائد فضائل الصحابة" میں نقل کیا ہے اور اس اثر کے راوی امام مسلم کی صحیح کے راوی ہیں، اور امام ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں روایت کیا اور فرمایا: "اس اثر کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں"۔

(خصائص علی رقم ۶۵، المعجم الکبیر ج۱ ص ۱۰۷، زوائد فضائل الصحابة للقطیعی رقم ۱۱۱۰، مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۳۴)

حضرت علی علیہ السلام کی وراثت پر امام یافعی کا منظوم کلام

حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت اور اُن کی علمی وراثت پر امام شیخ عبد اللہ بن اسعد یافعی نے اپنے قصیدہ، جس کا نام انہوں نے "حادی الأظعان فی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ عنہما" رکھا، جو اُن کی کتاب (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۱۰)

میں شامل ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں:

① ظلمتوں کو مٹانے اور روشن کرنے والے اپنے بدرِ منیر رسول ﷺ سے علم نبوت اور منصب نیابت پانے والے

② ان کی روشن سنتوں کے پرچم بیضا کو تھامنے والے، اور بدعتوں کی کجی کو درست کرنے والے

③ حسن وحال کو نکھارنے کی خاطر ہر پیچیدہ بات کے چہرے سے دبیز پردے اٹھانے والے

④ علم اسرار کے پوشیدہ برتن، مخفی رازوں کے منبع، حکمتوں کے گھاٹ اور سیرابی کے مرکز۔

⑤ اگر پوچھا جائے کہ کس نے جام بھر لیا؟ تو کہو اُس نے جو نا پینے والا، نڈر شیر اور محاسن وکمالات میں بلند تر ہے، یعنی ابوالحسن

⑥ تینوں خوبیوں کو جمع کرلیا، رضاءِ الٰہی سے سعادت مند ہوا، یہ مرفوع حدیث سے ثابت ہے مرسَل سے نہیں۔

⑦ (۲) ساتھ ہی یہ ارشاد کہ "تو مجھ سے ہے" اللہ اُن سے محبت کرتا ہے، یہ تیسری خوبی ہوئی، اپنے ہم جنسوں میں ولایت میں اول ہے۔

⑧ ان کے فضائل میں تمہیں صحیح روایات ہی کافی ہیں، ان کے فضائل میں عالی رتبہ ہستی ﷺ نے جیسے موتی پروئے کسی دوسرے کے لیے نہیں پروئے"۔

(مرآۃ الجنان للیافعی ج ۱ ص ۱۱۰)

❽ الامام الفقیہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی:

امام احمد نے فضائل میں حدیث شعبہ بطریق ابی اسحاق، از عبدالرحمٰن بن یزید، از علقمہ، از عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كنا نتحدث أن أفضل أهل المدينة علي بن أبي طالب.

ترجمہ: "ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب ہیں۔" (فضائل الصحابہ رقم ۱۰۹۷، ۱۰۳۳)

یہ سند صحیح ہے۔

حافظ نے الفتح میں اس قول کو بزار کی جانب منسوب کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: "اس قول کے راوی ثقہ ہیں اور یہ اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ ابن مسعود نے یہ بات حضرت عمر کی شہادت کے بعد والے زمانے میں ارشاد فرمائی تھی۔"

(فتح الباری ج ۷، ص ۵۸)

اور محب طبری نے الریاض النضرۃ میں کہا: یہ قول ان حضرات کے نزدیک جو ترتیب افضلیت کو ترتیب خلافت کے مطابق قرار دیتے ہیں، اس امر پر محمول ہے کہ حضرت علی خلفاء ثلاثہ کے بعد کے لوگوں افضل ہیں"۔ (الریاض النضرۃ ص ۱۵۸)

میں کہتا ہوں: محب طبری اور حافظ کا ابن مسعود کے واضح کلام کی یہ تاویل کرنا محل نظر ہے اور ظاہر کے خلاف ہے بلکہ ابن مسعود کا یہ قول اگرچہ جمہور کے نزدیک موقوف ہے لیکن محدثین کی ایک جلیل القدر جماعت کے نزدیک مرفوع (کے حکم میں) ہے مثلاً امام حاکم وغیرہ، اور اصولیین کی ایک جماعت کے نزدیک بھی، جیسا کہ امام فخر الرازی وغیرہ۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ ملاحظہ ہو:

(فتح المغیث ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۱۵)

فی الجملہ یہ کہ فقیہ، صحابی سیدنا عبداللہ ابن مسعود کا یہ کہنا کہ "ہم کہا کرتے تھے" اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت کے قائلین مدینہ معظمہ کے جمہور صحابہ کرام اور کبار تابعین عظام رضی اللہ عنہم تھے۔

''اصابہ'' میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے (۱) حالات میں حضرت ابوعمر (ابن عبدالبرؒ) نے فرمایا ہے:

کان یعترف بفضل أبی بکر و عمر. لکنه یفضل علیاً.

ترجمہ: ''وہ حضرات ابوبکر اور عمر کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے لیکن افضل حضرت علی رضی اللہ عنہم کو مانتے تھے''۔ (الاصابۃ ج ۴ ص ۱۱۷)

اور ''اصابہ'' کے حاشیہ پر ''الإستیعاب'' میں ہے کہ امام ابن عبدالبر نے مذکور صحابی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے:

کان متشیعاً فی علی رضی اللہ عنہ و یفضله. ویثنی علی الشیخین أبی بکر و عمر، و یترحم علی (۱) عثمان.

ترجمہ: ''وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شیدا تھے اور انہیں فضیلت دیتے تھے، اور شیخین سیدنا ابوبکر اور عمر کی تعریف کرتے تھے اور حضرت عثمان پر رحمت کرتے تھی رضی اللہ عنہم''۔ (الاستیعاب علی حامش الاصابۃ ج ۴ ص ۱۱۷)

اور نصر بن مزاحم کی کتاب ''صفین'' میں ہے:

کان من مخلصی الشیعة.

ترجمہ: ''وہ مخلصین شیعہ میں سے تھے''۔ (صفین لنصر بن مزاحم ص ۳۵۹)

امام ذہبی ''النبلاء'' میں فرماتے ہیں:

کان من شیعة الإمام علی.

ترجمہ: ''وہ امام علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں سے تھے''۔

(سیر أعلام النبلاء للذھبی ج ۳ ص ۴۶۸)

---

(۱) کتاب ''الکفایة فی علم الروایة'' (ص ۱۵۹) میں ہے: ''ابوعبد اللہ بن اخرم حافظ سے پوچھا گیا کہ بخاری نے ابوالطفیل عامر بن واثلہ کی حدیث کیوں چھوڑ دی؟ انہوں نے کہا: کیونکہ وہ تشیع میں غلو کرتے تھے''۔

میں کہتا ہوں: یہی شیعانِ علی علیہ السلام کا طرز ہے، اور یہی امام زید بن علی اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے آپ کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔"

۱۰ اور جلیل صحابی حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ السوائی رضی اللہ عنہ المشہور وہب الخیر سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیتِ مرتضوی کی تصریح اسانیدِ مشہورہ صحیحہ کے ساتھ منقول ہے، ان میں سے ایک روایت مسند احمد (ج ۱ ص ۱۰۶) میں موجود ہے۔

۱۱ اور حضرت علی کی افضلیت کے قائلین میں سے آپ کے پروردہ اور آپ کے معاون فرزندِ صدیق حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ حضرت علی کے بیٹوں کی طرح تھے، انہوں نے آغوشِ مرتضوی میں نشوونما پائی، کیونکہ اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد مولیٰ علی نے نکاح فرمایا تھا رضی اللہ عنہم۔ وہ محبانِ علی میں سے تھے، اور انہوں نے جمل اور صفّین میں آپ کا ساتھ دیا تھا، پھر حضرت علی نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا اور وہیں اُن کی شہادت ہوئی۔ ۳۸ھ میں باغی ناصبیوں نے گدھے کی کھال میں ڈال کر انہیں شہید کر دیا تھا۔ حضرت علی کی افضلیت اور معاونت کے متعلق اُن کے اقوال مشہور و معروف ہیں۔ اُنہوں نے معاویہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں حضرت علی کی افضلیت کی تصریح فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو: (الإستیعاب ج۳ص ۲۴۸، الإشراف ج۳ص ۱۹۱)

۱۲ حضرت علی کی تقدیم و تفضیل کے قائلین میں جلیل القدر صحابی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی ہے۔ تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب "صفّین" میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ کو کہا:

"امابعد: معاویہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس

امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کر دے اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرمادے، اور ہم تجھے سبقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور یقیناً اللہ نے انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے۔ سوائے معاویہ! تم اپنی روش سے باز آجاؤ، قبل اس کے کہ اللہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو یوم الجمل کی طرح پکڑ لے۔"

(تاریخ الطبری ج ۶ ص ۲، صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

۱۳ سیدنا علی کی ذات گرامی ایسے خصائص وفضائل کا مجموعہ تھی جو آپ کے علاوہ کسی اور میں نہیں تھے۔ اسی لیے لوگ آپ کے گرویدہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کے شیعہ (محبان وحمایتی) موجود تھے۔ چنانچہ امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ فضائل میں اور خلال نے السنۃ میں بطریق سعید بن عمرو بن سعید بن عاص نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ (۱) سے پوچھا کہ کیا تم مجھے ابو بکر اور علی کے متعلق نہیں بتاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا: ابو بکر پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے وہ ایک عمر والے آدمی تھے، اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سبقت کی معیت حاصل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۴ سال تھی۔

(۱) عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔
(الإصابة ج:۲، ص: ۳۵۶)

میں نے کہا: لوگ تو علی کی طرف مائل ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا: ہاں میرے بھتیجے اللہ کی قسم! انہیں ہر چیز میں "ضرس قاطع" (بڑا ملکہ اور وسعت حاصل) تھی۔ نسبی برتری، رسول اللہ ﷺ سے قرابت، آپ سے مصاہرت، قبول اسلام میں سبقت، فہمِ قرآن، سنت میں باریک بینی، جنگی بہادری اور روزمرہ کی مستعمل اشیاء میں سخاوت جیسی خوبیوں میں وہ بہ مشیتِ الٰہی خوب مالا مال تھے۔" (فضائل الصحابۃ ج ۲ ص ۵۷۶، السنۃ للخلال رقم ۴۵۰)

امام ابن عبد البر نے استیعاب میں سعید بن جبیر کی حضرت ابن عباس سے روایت کردہ حدیث کو نقل کیا، انہوں نے فرمایا: جب ہمارے پاس حضرت علی سے کوئی ثبوت آجاتا تو پھر ہم آپ کے قول برابر کسی دوسرے قول کو نہیں سمجھتے تھے۔ (۱)

(الاستیعاب ج ۳ ص ۲۰۷)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے اور حافظ نے الفتح میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۳۳۸، فتح الباری ج ۷ ص ۷۳)

حضرت ابن عباس حضرت علی کے خصائص، ان کی افضلیت اور ان کے تقدم کا بکثرت ذکر کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے خصائصِ مرتضوی میں

(۱) سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما "حبر الأمّة" (امت کا بڑا عالم) کے لقب سے مشہور تھے، وہ تمام لوگوں سے زیادہ سیدنا علی رضوان اللہ علیہ سے وابستہ رہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد انہوں نے جس قدر مرتضوی علم وفہم سے استفادہ کیا اتنا کسی دوسرے سے استفادہ نہیں کیا۔ وہ حضرت علی کے شاگرد اور اُن کے مدرسہ سے نسبت رکھنے والوں میں سے تھے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی تمام صحابہ پر تقدیم کے عارفین میں سے تھے۔ اُن کے لفظ "کُنّا" کی نسبت اگر فقط اُن کے دور کی طرف کی جائے تو یہ اُن کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے تقدمِ علمی اور اقوالِ مرتضوی پر صحابہ کے وثوق واطمینان کا فائدہ دیتا ہے، اور اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمر، ابن مسعود اور سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہم کے اقوال علم میں سیدنا علی کی امامت اور تقدم میں مشہور ہیں۔

ایک طویل و مشہور حدیث ہے، جسے امام احمد نے المسند میں ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ نو [9] افراد پر مشتمل ایک وفد آیا، وہ کہنے لگے: اے ابن عباس! یا تو آپ الگ ہو کر ہماری بات سنیں یا اِن لوگوں کو باہر بھیج دیں۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بلکہ میں علیحدہ ہو کر تمہاری بات سنوں گا، اس وقت تک آپ صحیح تھے اور نابینا نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کہیے! اُنہوں نے گفتگو کی، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے کیا کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فارغ ہو کر آئے تو اپنا دامن جھاڑتے ہوئے فرمارہے تھے: افسوس! یہ لوگ اُس ہستی کی برائی کرتے ہیں جس کو دس خصوصیات حاصل تھیں:

① یہ اُس شخص کی برائی کر رہے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: میں اس شخص کو (پرچم دیکر) بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کبھی اس کو شرمندہ نہیں فرمائے گا۔ اُس پرچم کو حاصل کرنے کے لیے لوگ للچانے لگے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن ابو طالب کہاں ہیں؟ بتایا گیا وہ چکی میں گندم پیس رہے ہیں۔ فرمایا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو یہ کام کرتا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور اُن کی آنکھوں میں شکایت تھی، وہ دیکھ نہیں سکتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا، پھر آپ نے تین مرتبہ جھنڈا لہرایا اور اُنہیں تھما دیا۔ پس وہ صفیہ بنت حیی کو (قیدی بنا کر) لائے۔

② ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سورۃ التوبہ کے ساتھ بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے پیچھے روانہ کیا، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اُس سورۃ کو واپس لے لیا اور فرمایا: اس سورۃ کے ساتھ نہیں جا سکتا مگر وہ شخص

جو مجھ سے ہو یا میں اُس سے ہوں۔

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کی اولاد سے فرمایا: تم میں سے کون مجھ سے دنیا وَ آخرت میں موالات (باہمی نصرت و محبت) کرنا چاہتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اُنہوں نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ دنیا و آخرت میں موالات کرتا ہوں۔

④ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ اول وہ شخص ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائے۔

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان راہِ الٰہی میں فروخت کر دی تھی، جب شبِ ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر لیٹ گئے تھے۔ فرمایا: مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے، دریں اثناء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ (حضور کے بستر پر) لیٹے ہوئے تھے، آپ نے گمان کیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنہیں بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئرِ میمونہ کی طرف تشریف لے گئے ہیں، آپ ان کے پیچھے جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پالیا اور آپ کے ساتھ غار میں داخل ہوئے۔ فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پتھر برسائے گئے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برسائے جاتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ درد سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ فرمایا: انہوں نے اپنا سر لحاف میں چھپائے رکھا یہاں تک کہ صبح ہو گئی، پھر سر باہر نکالا تو مشرکین کہنے لگے تو ذلیل ہے۔ ہم تیرے صاحب پر پتھراؤ کرتے تھے تو وہ درد سے بے چین نہیں ہوتا تھا اور تو بے چین ہو رہا تھا اور ہمیں یہی بات کھٹک رہی تھی (کہ یہ محمد نہیں ہے)۔

⑥ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ غزوہ تبوک کی طرف جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: کیا میں آپ کے ساتھ چلوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رو پڑے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حارون علیہ السلام کی مگر تم نبی نہیں ہو۔ پھر فرمایا یہ درست نہیں ہے کہ میں چلا جاؤں اور آپ میرے نائب نہ ہوں۔

⑦ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے بعد تم ہر مومن کے ولی (محبوب) ہو۔

⑧ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ماسوا باب علی کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس راستے سے حالت جنابت میں داخل ہوتے تھے، اس کے علاوہ اُن کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

⑨ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جس کا مولیٰ ہوں تو بیشک علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔

⑩ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ جل جلالہ نے آگاہ فرمایا کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہے، پس وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے، تو کیا اس اعلان کے بعد اس نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ وہ اُن پر پھر ناراض ہو گیا؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا "جب اُنہوں نے عرض کیا تھا کہ اُنہیں حاطب بن ابی بلتعہ کی گردن اڑانے کی اجازت دی جائے" کہ کیا تم ایسا کرو گے؟ اور کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا اہلِ بدر کے لیے ارشاد ہے کہ: آج کے بعد تم جو چاہو کرو، بیشک میں نے تمہاری مغفرت کر

دی؟(مسند احمد ج ا ص ۳۳۰، ۳۳۱)

میں کہتا ہوں: اس اہم حدیث کے الفاظ کے متعدد ثبوت ہیں جن میں سے بعض متواتر اور بعض صحیح یا حسن ہیں۔ اسے امام احمد، ابن ابی عاصم، امام طبرانی اور حاکم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
(فضائل الصحابۃ رقم ۱۱۶۸، السنۃ رقم ۱۱۸۸، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۹۷، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۳۲)

۱۴ حضرت علی کو افضل ماننے والوں اور ان کی خاطر بائیکاٹ کرنے والوں میں ایک وہ جلیل القدر صحابی بھی ہیں جو کوفہ میں محبانِ اہل بیت کے شیخ تھے اور سب وشتم کرنے والے نواصب کو ٹوکنے میں مقدم تھے یعنی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ۔ ۵۱ھ میں انہیں ان کے دوسرے چھ ساتھیوں کے ساتھ ظلماً شہید کیا گیا۔ ان کے متعلق ایک جماعت نے شہادت دی ہے کہ ان کی رائے میں خلافت اولادِ ابوطالب کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں تھی۔

امام ذہبی "النبلاء" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وہ معزز تھے اطاعت کردہ سردار تھے، بھلائی کا بکثرت حکم دینے والے تھے اور حامیانِ علی رضی اللہ عنہ میں برائیوں سے روکنے میں سب پر مقدم تھے۔" (سیر أعلام النبلاء، ج ۳ ص ۴۶۳)

حجر اور ان کے ساتھیوں کو شام لے جانے پر "هند الأنصارية" نے کہا تھا:

۱ اے روشنی بکھیرنے والے چاند بلند ہو! کیا تو شب میں حجر بن عدی کو چلتے ہوئے دیکھ رہا ہے؟

۲ وہ معاویہ بن حرب کی طرف جارہا ہے، تاکہ وہ (معاویہ) اسے قتل کردے جیسا کہ باخبر شخص کا یقین ہے۔

۳ حجر کے بعد، تسلط وقہر والے لوگ سرکش ہو گئے، پس خورنق اور سدیر کے علاقے

ان کے لئے عمدہ ہو گئے۔

④ اس کے لئے تمام علاقے بنجر ہو گئے، گویا کہ انہیں کسی دن بارش نے زندہ ہی نہیں کیا تھا

⑤ آگاہ ہو اے حجر بن عدی کی قبر! سلامتی اور سرور تیرا استقبال کریں گے

⑥ مجھے تیرے متعلق ایک بیکار گروہ اور دمشق میں ایک گرجدار آواز والے شخص سے خدشہ ہے

⑦ پس اگر تو ہلاک ہو گیا تو قوم کے ہر سردار کو، دنیاوی ہلاکت تک پہنچنا ہے

(الطبقات الکبری لابن سعد ج۶ ص۲۱۷، الاصابۃ ج۱ ص۳۱۴، تاریخ الطبری ج۵ ص۲۵۳، الکامل ج۳ ص۶۹)

امام ذہبی نے یہ اشعار حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے حالات میں نقل فرمائے ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء ج۳ ص ۴۶۵)

⑮ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک جلیل القدر جماعت حضرت علی کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانتی تھی۔ علامہ، حافظ، نقاد وسیع المطالعہ ابو محمد بن حزم نے لکھا ہے:

”مسلمانوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد لوگوں میں افضل ترین شخص کون ہے؟ سو بعض اہل سنت، بعض معتزلہ، بعض مرجئہ اور جمیع اہل تشیع کے مذہب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت میں افضل سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قول صراحتاً بعض صحابہ کرام، تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء کرام سے ہم تک پہنچا ہے“۔

(الفصل فی الملل والنحل ج۴ ص ۱۸۲)

Scanned by TapScanner

ابن حزم کے قول میں غور فرمائیے! آپ کو مسئلہ تفضیل کی نقل میں چار گروہ ملیں گے:

① اہل سنت ② معتزلہ
③ مرجئہ ④ شیعہ

ابن حزم کی عبارت کے الفاظ یوں ہیں:

"بعض السنة، بعض المعتزلة، بعض المرجئة، جميع الشيعة.

یہ تصریح ہے کہ تمام اسلامی فرقے مسئلہ تفضیل میں مختلف ہیں ماسوا شیعہ کے، اُن کے تمام فرقے حضرت علی کی افضلیت پر متفق ہیں اور وہ اس افضلیت کو قطعی مانتے ہیں۔

ابن حزم کی اس عبارت میں "بعض المعتزلة" کا لفظ محل نظر ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ اکثر معتزلہ افضلیت علی کے قائل ہیں، جیسا کہ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑯ ابن حزم نے اپنے رسالہ "المفاضلة بين الصحابة" میں لکھا ہے:

"یہ قول یعنی افضلیت علی میں بعض صحابہ کرام عمار بن یاسر، حسن بن علی تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء کرام سے بھی ہم تک پہنچا ہے۔" (المفاضلة بين الصحابة ص ۱۷۰)

انہوں نے اپنے اسی رسالہ میں لکھا ہے:

"اور ہم تک تقریباً بیس صحابہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا زبیر بن عوام ہیں۔" (المفاضلة بين الصحابة ص ۱۷۰)

انہوں نے الفصل میں لکھا ہے:

وهو - يعني علي بن أبي طالب - عند عمار والحسن أفضل من أبي بكر وعمر.

ترجمہ: ''اور وہ (یعنی علی بن ابی طالب) حضرت عمار بن یاسر اور سیدنا امام حسن کے نزدیک حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔'' (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۱۰)

ابو محمد بن حزم نے الفصل میں لکھا ہے:

''نیز بطریق یوسف بن عبد البر النمیری، از خلف بن قاسم از ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن علی الکندی، از محمد بن عباس البغدادی، از ابراہیم بن محمد البصری، از ابوایوب سلیمان بن داود الشاذکونی، وہ فرماتے ہیں:

''حضرت عمار بن یاسر اور امام حسن بن علی سیدنا علی بن ابی طالب کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔''

(الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۰۹)

اور ابن حزم ''الفصل'' میں لکھتے ہیں:

''ہم نے حضرت ابن مسعود یا جعفر بن ابی طالب یا ابوسلمہ یا تین اسہلیوں کو تمام صحابہ پر فضیلت دینے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں پائی، اور ہم نے توقف کرنے والے کو اس سے زائد نہیں پایا کہ اُس پر اُن کی افضلیت کی اٹل دلیل نہیں اور اگر اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی تو وہ ضرور لاتا، اور ہم نے ایسے لوگوں کی ایک کثیر تعداد پائی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تائید کرتے یا اختلاف کرتے ہیں۔'' (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۱۰)

میں کہتا ہوں: یہ عبارت ثابت کر رہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل کے تعین میں اختلاف تھا اور حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائلین تعداد میں زیادہ ہیں اور حضرت عمر، ابن مسعود، جعفر اور دیگر صحابہ کرام کی افضلیت کے قائلین سے کہیں زیادہ

قوی دلائل و براہین کے حامل ہیں۔

اور تین اسہلیوں سے مراد یہ حضرات ہیں: سہل بن عمرو بن عدی، سہل بن حنیف اور سہل بن ابی حثمہ، یہ تینوں حضرات انصاری ہیں انہوں نے بیعت رضوان کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔

یہ واضح نصوصِ صریحہ ابن حزم ایسے ثقہ، ناقد اور مطلع کے قلم سے ہیں جس کا مولیٰ علی علیہ السلام کے بارے میں موقف بھی معروف ہے۔ ان نصوص میں اربابِ عقل و دیانت کے نزدیک مسئلہ تفضیل کے بارے میں اجماعات، قطعیات اور اطلاقات سے اور مخالف کی تشنیعات و توبیخات سے فروع وظنیات کی طرف نکلنے کے لیے کافی وسعت ہے۔

۱۸ مسئلہ تفضیل میں غور و فکر اور تحقیق کرنے والوں میں ایک نام امام ابوعمر یوسف بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا بھی ہے۔ یہ حافظ الحدیث اور سلف و خلف کے تمام مشاہرین اہل علم کے مذاہب سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کی عظیم الشان تصانیف ان کی معرفت اور مقام و مرتبہ پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

انہوں نے "الإستیعاب" میں حضرت علی علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے:

(۱) مذاہب سلف سے ناواقف بعض حضرات نے اسے حافظ ابن عبد البرؒ کا وہم قرار دیا ہے، جیسا کہ محب طبری کی "الرّیاض النضرۃ" (۱۵۸/۲) میں ہے۔ اس کتاب کے مصنف کے لیے بہتر تھا کہ وہ سکوت اختیار کرتا۔ خصوصاً اس عظیم مسئلہ میں جس پر صحابہ و تابعین کی تصریحات اور ائمہ کے اقوال جیسا کہ امام باقلانی اور ابن حزم وغیرہ، پس امام ابن عبد البر اس مسئلہ میں منفرد نہیں ہیں

اور فقیہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے "الصواعق المحرقة" (ص ۸۸) میں الحافظ الثقہ المجتھد ابوعمر بن عبد البر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ محل نظر ہے۔ ابن عبد البر امت کے مخصوص افراد میں سے ہیں اور ان قد آور اکابرین میں سے ہیں جو فقہ، حدیث، سیرت، تاریخ اور لغت کے جامع تھے، اور وہ کسی بھی مخالف مقلد سے زیادہ جاننے والے تھے۔ پھر ابن عبد البر نے کوئی نئی بات یا منفرد روایت نہیں کی، جیسا کہ باب ھذا وغیرہ سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

''حضرات سلمان، ابو ذر، مقداد، خباب، جابر، ابو سعید الخدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت علی بن ابی طالب پہلے اسلام لائے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے تمام صحابہ کرام پر فضیلت دی ہے۔'' (الاستیعاب ج ۳ ص ۱۹۷)

امام ابن عبد البر کا یہ کلام مذکورہ بالا صحابہ کرام تک محدود نہیں۔

نیز امام ابن عبد البر نے ارشاد فرمایا:

''اسلاف کرام نے سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر کے مابین مسئلہ تفضیل میں اختلاف کیا ہے۔'' (الاستیعاب بہامش الاصابۃ ج ۳ ص ۵۲)

⑲ اصولی، فقیہ، متکلم، ماہر مصنف، شیخ اہل السنۃ، ابو بکر باقلانی شیخ المالکیہ متوفیٰ ۴۰۳ھ نے مسئلہ تفضیل پر اپنی کتاب (مناقب الأئمۃ الأربعۃ) میں مبسوط بحث فرمائی ہے۔ اس کتاب میں متعدد مقامات پر اس بات کی صراحت ہے کہ افضلیتِ علی بن ابی طالب علیہ السلام کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشہور و معروف تھا۔ میں نے امام باقلانی کی اس کتاب سے بعض عبارات کو منتخب کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے!

پہلی عبارت

امام باقلانی فرماتے ہیں:

القول بتفضیل علی رضوان اللہ علیہ مشہور عند کثیر من الصحابة۔

''کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک افضلیت علی رضوان اللہ علیہ کا قول مشہور تھا۔'' (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص ۲۹۴)

پھر فرمایا:

"اگر چہ محدثین کے نزدیک افضلیت ابو بکر کی روایات زیادہ مشہور ہیں۔"

پھر فرمایا:

"رہا حضرت عمر یا عثمان یا عباس یا عبد الرحمن بن عوف کی تمام صحابہ پر فضیلت کا قول تو یہ صحابہ کرام کے مابین غیر معروف تھا اور اسی طرح یہ قول کہ عشرہ مبشرہ فضیلت میں برابر ہیں اور بعض کے مذھب کے مطابق اُن میں سے خلفاء اربعہ فضیلت میں برابر ہیں، یہ تمام نئے اقوال ہیں کسی صحابی سے مروی نہیں ہیں۔"

میں کہتا ہوں اس عبارت سے تین امور ثابت ہوئے۔

① سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت صحابہ اور محدثین کے نزدیک مشہور و معروف تھی۔لیکن افضلیت ابو بکر محدثین کے نزدیک زیادہ مشہور تھی، اور یہ یعنی افضلیت علی کا قول اہل مغازی و سیر، فقہاء، اصولیین، متکلمین، مفسرین، اُدباء اور مؤرخین کے نزدیک مشہور و معروف تھا لیکن یہ شہرت ہم تک اس طرح نہیں پہنچی جیسا کہ پہنچنے کا حق تھا، اور اس کے معروف سیاسی اسباب ہیں۔

② کسی صحابی نے حضرت عمر یا عثمان یا عباس یا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کی "باقلانی کی رائے کے مطابق" افضلیت کا قول نہیں کیا۔لہٰذا حضرت علی رضوان اللہ علیہ اُن سے افضل ہیں کیونکہ جس شخص کی افضلیت میں صحابہ کرام نے اختلاف کیا وہ اُس فضیلت والے شخص سے افضل ہے جس کو سب پر فضیلت نہ دی گئی ہو۔

جی ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت پر راضی تھے لیکن

ان کی دو متی تقدیم سے مولی علی پر ان کی افضلیت لازم نہیں آتی۔

(۸) ایک قول کے مطابق خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مساوات اور دوسرے قول کے مطابق عشرہ مبشرہ کے درمیان مساوات والاقول، ایسے اقوال میں سے ہے جو سلف کے درمیان موجود تھا لیکن صحابہ میں معروف نہیں تھا۔

دوسری عبارت

امام باقلانی مذکور الصدر کتاب میں فرماتے ہیں:

"اور افضلیت علی رضوان اللہ علیہ کا قول کثیر صحابہ کرام کے نزدیک مشہور تھا، جیسا کہ عبداللہ بن عباس، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، جابر بن عبداللہ، ابی الہیثم بن تیہان اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔" (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص ۲۹۴)

تیسری عبارت

امام باقلانیؒ اپنی اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

"روایت کی گئی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور ان کے مابعد بھی حضرت علیؓ کی افضلیت کا علی الاعلان اظہار کیا کرتی تھی۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن عباس بھی ہیں۔ انہوں نے خوارج سے کہا تھا "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے اور قبول اسلام میں سب پر مقدم ہے۔"

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كان والله ذلك خير البشر بعد رسول الله ﷺ.

"اللہ کی قسم وہ (علی) رسول اللہ ﷺ کے بعد خیر البشر تھے۔"

حضرت حذیفہ اور عمار کی رائے بھی حضرت علی کے متعلق اسی طرح تھی۔ یہ دونوں حضرات کہا کرتے تھے" بے شک وہ (سیدنا علی) تمام صحابہ کرام سے اسلام میں مقدم ہیں، سب سے زیادہ اللہ کے دین کا علم رکھتے ہیں اور اُن سب سے زیادہ امت اور اس کے رسول کے حقدار ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے الفاظ منقول ہیں۔

ابوالہیثم بن تیہان سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد زمام اقتدار اس شخص کو سونپی ہے جو سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے قریب، اسلام میں سب پر مقدم، علم میں سب سے بڑا، اللہ عزوجل کے دین کا سب سے بڑا فقیہ اور امت کا سب سے بڑا خیر خواہ ہے۔ پس اللہ تم پر رحمت فرمائے! اپنے امام کی طرف قدم بڑھاؤ! یہ خطبہ لوگوں کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے خلاف جنگ کے لیے اُبھارتے وقت اور ابوموسی کا اہل کوفہ کو جنگ سے باز رہنے کی تنبیہ کے وقت ارشاد فرمایا گیا۔ اور اسی طرح حضرت اشتر، حضرت عمار اور امام حسن رضی اللہ عنہم سے لوگوں کو ابھارنے پر منقول ہے اور یہ قول ابن التیہان اور ان کی مانند دوسرے حضرات سے منقول ہونا بڑی بات ہے۔

ایسا ہی قول حضرت عمار، زید بن صوحان، قعقاع بن عمرو، حجر بن عدی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنے قیام کے آخری دور میں فرمایا تھا:

له سابقة في الإسلام ليست لأحد فانهضوا إليه۔

ترجمہ: ''انہیں اسلام میں ایسی سبقت نصیب ہوئی جو کسی کو نہ ہوئی، لہٰذا تم ان کی طرف قدم بڑھاؤ۔''

اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے فرمایا تھا:

جئتكم من عند خير الناس و أسبقهم إسلامًا. يحتمل أن يكون ممن بقي۔

ترجمہ: ''میں تم لوگوں کے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے بہترین اور سب سے پہلے اسلام کو قبول کرنے والا ہے'' یہاں اس بات کا احتمال (۱) ہے کہ لوگوں سے مراد وہ حضرات ہوں جو موجود تھے۔'' (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص ۴۸۰، ۴۸۱)

چوتھی عبارت

امام باقلانی اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں:

و قد روى أن قومامن الصحابة رضی اللہ عنہم كانوا يذهبون إلى تفضيل علي على أبي بكر۔

ترجمہ: ''روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر تفضیل کا مذہب رکھتی تھی۔''

(مناقب الائمۃ الاربعۃ ص ۴۷۱)

---

(۱) ابن عباس کی عبارت میں کوئی احتمال نہیں، کیونکہ "خير الناس" نکرہ مضاف ہے، پس یہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے، اور "الناس" میں الف لام استغراق کا ہے عہدی نہیں۔ فی الجملہ یہ کہ ابن عباس کی ظاہری عبارت باقلانی کے احتمال کے منافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پانچویں عبارت

امام باقلانی اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ بن عباس، امام حسن بن علی، ابی، زید، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، جابر بن عبد اللہ، ابو الہیثم بن التیہان انصاری، حذیفہ بن یمان، عمرو بن الحمق، ابو سعید الخدری اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

إن علياً خير البشر، و خيرُ الناس بعد رسول الله ﷺ و أعلمهم، و أوّلهم إسلاماً، و أحبهم إلى رسول الله ﷺ إلى نظائر هذه. فيجب دلالة قولهم على تفضيله.

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی خیر البشر اور لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہیں اور صحابہ میں سب سے بڑے عالم، اسلام میں سب سے اول اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہیں۔ صحابہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو واجب کرتا ہے''۔ (مناقب الائمۃ الاربعۃ ص ۳۰۶)

میں کہتا ہوں: بلکہ صحابہ کی وہ عبارات جو باقلانی نے نقل کیں تفضیل کی تصریح ہیں۔

◆1◆ علامہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکافی متوفی ۲۲۰ھ کی تفضیل علی علیہ السلام پر مستقل ایک مطبوع کتاب ہے۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ ''انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت علی تمام عالمین سے افضل ہیں'' اس کتاب کا نام ''المعیار

والموازنۃ" ہے۔ اس میں ایسی عمدہ اور نفیس ابحاث ہیں جنہیں پانے کے لیے شدرحال (کجاوے کسنا، لمبا سفر کرنا) چاہئے۔ تاہم یہ کتاب تحفظات سے خالی نہیں۔ (قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی کتاب تحفظات سے خالی نہیں ہے۔ فیضی)۔

ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن عبد اللہ نحوی، معتزلی رمانی متوفی ۳۸۴ھ کی بھی افضلیتِ علی علیہ السلام پر "تفضیل علی" کے نام سے مستقل ایک کتاب ہے، جسے قفطی نے "إنباه الرواة" میں ذکر کیا ہے۔

۴۲ قاضی عبد الجبار اسد آبادی، معتزلی، شافعی (۱) نے المغنی (۲۰/۲/۱۲۰) میں لکھا ہے:

"رہے ہمارے مشائخ میں اکثر بغدادی حضرات تو وہ سیدنا علی علیہ السلام کو افضل مانتے ہیں، اور اس میں انہوں نے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ اُن میں سے ایک اعمال اور فضائل کا موازنہ ہے۔ سو وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہر فضیلت کے مقابلہ میں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کو لاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ فضائل مرتضوی ترجیح کے حامل ہیں، اور وہ اس ترجیح کو دو صورتوں میں بیان کرتے ہیں:

۱ فضائل کی کثرت یا کسی ایسی توجیہ کے لحاظ سے ترجیح دیتے ہیں جس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

۲ فضائل مرتضوی میں واردشدہ احادیث پر یقین کرتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ حدیث الطیر وغیرہ۔

البتہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ سیدنا علی علیہ السلام کو اُن احادیث کے سبب جن کی

(۱) یہ فقہاء شافعیہ میں سے عظیم فقیہ تھے۔ امام ابن سبکی نے ان کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ (طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۹۷)

صحت یقینی ہے۔ قطعی طور پر افضل مانے ... پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ اعمال کا موازنہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امیر المومنین کے فضائل کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر کثرت اور عظمت کے لحاظ سے ایک گونہ خصوصیت حاصل ہے۔

پھر قاضی عبد الجبار نے ایک فصل قائم کی ہے جس میں اس بات پر دلائل دیئے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام قطعی طور پر افضل ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے!

(المغنی ۲۰/۲/۱۲۲، ۱۳۳)

پھر انہوں نے ایک مستقل باب فریقین کے دلائل پر بطور موازنہ قائم کیا ہے۔ یہ دونوں باب ایسے نفیس ہیں کہ ان کے حصول کے لیے رختِ سفر باندھنا چاہیے۔ ملاحظہ فرمائیں: (المغنی ۲۰/۲/۱۳۴، ۱۴۴)

قاضی عبد الجبار اسد آبادی، شافعی لکھتے ہیں:

''رہی امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت تو وہ حضرت زبیر، حذیفہ بن یمان، جابر بن عبد اللہ، عمار بن یاسر، سلمان الفارسی، ابوذر، مقداد، تابعین کی ایک جماعت اور اُن کے بعد والے جیسا کہ مجاہد، عطاء، سلمہ، ابن کہیل اور حکم سے منقول ہے۔''

قاضی عبد الجبار معتزلی، شافعی نے ''شرح أصول الخمسة'' میں لکھا ہے:

''لیکن ہمارے نزدیک تمام صحابہ سے افضل امیر المومنین علی پھر امام حسن پھر امام حسین علیہم السلام ہیں۔ فرمایا: جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے وہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں وارد آیات واحادیث مبارکہ ہیں، مثلاً حدیث الطیر اور حدیثِ منزلت (أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ) وغیرہا۔ نیز تمام وہ مناقب جو متفرق طور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں وہ سب کے سب امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام میں جمع ہیں، مثلاً علم، تقویٰ، شجاعت اور سخاوت وغیرہ، اور اس پر اہل بیت کرام علیہم السلام کا اجماع بھی دلالت

کرتا ہے۔ فرمایا: اور جس طرح یہ اجماع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح یہ اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ان کے بعد افضل الصحابہ امام حسن پھر امام حسین ہیں علیہما السلام''۔

میں کہتا ہوں: اس تصریح میں سب سے اہم بات اجماع اہل بیت علیہم السلام کی نقل ہے، اور قاضی کا اہل بیت کے اجماع سے استدلال کرنا اجماع اہل بیت کی صحت کی دلیل ہے، اور یہ قوی ترین اجماع ہے۔

یہاں اہل بیت سے مراد ائمہ متقدمین مجتہدین ہیں۔ قاضی عبد الجبار نے سنہ ۴۱۵ھ میں وفات پائی یعنی اہل بیت کے دوسرے مذاہب کی تقلید اختیار کرنے سے قبل۔

۲۲ ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغۃ" میں صحابہ کرام کے مابین افضلیت پر ایک باب باندھا ہے، اس میں ہے:

''حضرت علی کی افضلیت کا قول قدیم ہے، کثیر صحابہ اور تابعین نے یہ قول کیا ہے۔ پس صحابہ میں سے حضرات عمار، مقداد، ابوذر، سلمان، جابر بن عبد اللہ، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم بن التیہان، خزیمہ بن ثابت، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، عباس بن عبد المطلب اور ان کے صاحبزادگان اور تمام بنوہاشم و بنومطلب اس بات کے قائل ہیں''۔

ابن ابی الحدید پھر کہتے ہیں:

''اور بنوامیہ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل تھی، خالد بن سعید بن عاص (۱) اور عمر بن عبد العزیز کا تعلق اسی جماعت سے ہے''۔

(شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید ج ۲۰ ص ۴۰۲)

(۱) یہ سابقون الاولون سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر صحابی ہیں۔

ابن ابی الحدید ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

''پھر تابعین میں سے جن لوگوں نے حضرت علی کی تمام صحابہ پر تفضیل کا قول کیا ہے تو وہ ایک خلق کثیر ہے۔ مثلاً حضرات اویس قرنی، زید بن صوحان، اُن کے بھائی صعصعہ، جندب الخیر، عبیدۃ السلمانی وغیرہم جن کی کثرت کو شمار نہیں کیا جا سکتا، اور اس دور میں لفظ شیعہ کا اطلاق فقط ان حضرات پر کیا جاتا تھا جو تفضیل علی کے قائل تھے (۱) اور اُس دور میں امامیہ اور ان جیسے دوسرے طعن کرنے والے لوگوں کی وہ بکواسات نہیں تھیں جو اسلاف کرام (خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم) کی خلافت کے بارے میں (آج کل) مشہور ہیں۔ فقط تفضیل کے قائلین کا نام ہی شیعہ تھا۔ اسی لیے ہمارے اکابرین معتزلہ اپنی کتب و تصانیف میں کہتے ہیں: ''نحن الشیعۃ حقا'' (صحیح شیعہ ہم ہیں) پس یہی قول سلامتی سے زیادہ قریب اور افراط و تفریط کے دونوں قولوں میں سے حق کے زیادہ مشابہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ''۔

(شرح نھج البلاغۃ لابن اَبی الحدید ج ۲۰ ص ۴۰۵)

میں کہتا ہوں: ابن ابی الحدید نے جو کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کا قول تابعین کی ایک کثرت نے کیا ہے تو اس کی تصریح ذہبی''

(۱) ابن اَبی الحدید کے قول میں غور فرمائیے ''اور اس زمانے میں لفظ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں معروف تھا جو افضلیت علی کے قائل تھے'' یہ بات امام اشعری اور ابن حزم کے اس قول کے موافق ہے جو پیچھے گذر چکا ہے، اور یہ زمانہ صفین اور اس کے بعد کا زمانہ ہے۔ پس اس زمانے میں صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک بڑی تعداد (مذکورہ صورت میں) شیعہ تھی۔

نے بھی کی ہے۔ وہ ثقہ شیعی راوی ابان بن تغلب کوفی جو سیدنا علی کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتا تھا، کے حالات میں لکھتے ہیں:

''غالی تشیع یا بلا غلو تشیع نہ کہ انحراف، تو یہ کثیر تابعین اور تبع تابعین میں دین، تقویٰ اور سچائی کے ساتھ ساتھ موجود تھا۔ لہٰذا اگر ایسے تمام حضرات کی احادیث کو رد کیا جائے تو جملہ احادیث مبارکہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور یہ ایک کھلا فساد ہے''۔

(میزان الاعتدال ج ا ص ۵)

۲۳ ابن ابی الحدید نے تفضیل مرتضوی کے قائل جن تابعین کا ذکر کیا اُن کے علاوہ بھی تابعین عظام کی ایک جماعت کا یہی مذہب تھا، مثلاً حارث الاعور ہمدانی، عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفی، ابو عبد اللہ جدلی، مسیب بن نجیہ فزاری، الکمیت بن زید، دعبل بن علی الخزاعی، نصر بن خزیمہ اسدی، معاویہ بن اسحاق انصاری، حبہ بن جوین عرنی، عدی بن ثابت، ابو الاسود دوئلی، اشتر نخعی، سلمہ بن کہیل، کُدَیر بن قتادہ الضبی اور ان کے علاوہ بھی کثیر ہیں۔ ''التوابین'' وغیرہم کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

''تہذیب الکمال'' میں جریر بن عبد الحمید سے منقول ہے کہ جب حضرت شعبہ بصرہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے اُن عرض کیا: ہمیں آپ اپنے ثقہ (معتبر) مشائخ سے حدیث بیان فرمائیں، تو فرمایا:

''اگر میں تمہیں اپنے ثقہ مشائخ سے روایت کردہ احادیث سناؤں تو پھر میں تمہیں فقط شیعہ میں سے ان چند حضرات کی حدیث پیش کروں گا: حکم بن عتیبہ، سلمہ بن کہیل، حبیب بن ابی ثابت اور منصور رضی اللہ عنہم''۔ (تہذیب الکمال ج ۱۱ ص ۳۱۶)

۲۴۔ حافظ کبیر عبید اللہ بن عبد اللہ الحسکانی نیشاپوری حنفی لکھتے ہیں:

''ہمیں محمد بن علی بن محمد المقری نے سماعت حدیث کے دوران از محمد بن فضل بن محمد، از محمد بن اسحاق بن خزیمہ، از حسین بن حریث ابو عمار، از فضل بن موسیٰ، از فطر، از ابو الطفیل حدیث بیان کی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

لقد سبق لعلي بن أبي طالب علیہ السلام من المناقب ما لو أن واحدة قسمت بين الخلق وسعهم خيراً۔

''حضرت علی بن ابو طالب علیہ السلام کو جو مناقب حاصل تھے اگر ان میں ایک منقبت (خوبی) مخلوق میں تقسیم کی جائے تو سب کی بھلائی کے لیے وسیع ہوگی۔''

(شواہد التنزیل لقواعد التفضیل للحسکانی ص ۱۸)

امام حسکانی فرماتے ہیں:

''فضل بن موسیٰ شیبانی مَرْو کے ائمہ فقہاء سے تھے اور اس حدیث کو اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی فطر بن خلیفہ سے روایت کیا ہے، اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ اللیثی صحابی ہیں اور یہ سند محدثین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، اور ان راویوں سے صحاح ستہ میں احادیث مروی ہیں، اور اس کو امام الحدیث یزید بن ہارون واسطی نے بھی حضرت فطر سے روایت کیا ہے، اور اسے امام ابن ابی شیبہ نے (المصنف ج ۱۲ ص ۸۲، طبع ہند رقم ۱۲۱۷۷) میں اور محمد بن سلیمان کوفی نے ''المناقب

رقم الحدیث ۵۸۳، ۵۰۵، میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تاریخ میں ہے کہ:

"سیدنا علی علیہ السلام نے جب عظیم المرتبت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جب مصر کا حاکم مقرر فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! یقیناً ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہتر ہیں۔ پس اے لوگو تم اٹھو! اللہ سبحانہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بیعت کرو۔ پس اگر ہم نے تمہاری خاطر کتاب وسنت پر عمل نہ کیا تو پھر تم پر ہماری بیعت لازم نہیں۔ اس پر لوگوں نے اٹھ کر بیعت کر لی اور مصر پر ان کی حکومت قائم ہوگئی۔"

(تاریخ الملوک والامم لابن جریر الطبری ج ۳ ص ۲۶ قیمتی)

میں کہتا ہوں: قیس بن سعد بن عبادہ جلیل القدر صحابی اور انصار کے سردار ابن سردار ہیں رضی اللہ عنہما۔ یہ سیدنا علی اور ان کے فرزند سیدنا امام حسن علیہ السلام کے خواص میں سے تھے، ان کے احوال معروف ہیں، رضی اللہ عنہ۔

مقدسی اپنی کتاب "البدء والتاریخ" میں لکھتے ہیں:

"جان لو کہ حضرت علی بن ابی طالب کی حیات مبارکہ میں شیعہ کے تین فرقے تھے۔

① ایک فرقہ کا اوڑھنا بچھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصی وابستگی اور آپ کی محبت تھی، مثلاً حضرات عمار بن یاسر، سلمان الفارسی، مقداد، جابر، ابوذر غفاری، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ ابن عمر، جریر بن عبد اللہ غفاری، جریر بن عبد اللہ البجلی، دحیہ بن خلیفہ اور ان کی مثل دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ ان کے بارے

میں حق کے علاوہ کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ہم ان پر طعن کی کوئی گنجائش پاتے ہیں۔

۲ دوسرا فرقہ حضرت عثمان کے معاملے میں کچھ غلو (تفریط) کا مرتکب ہوا اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہم سے قدرے کنارہ کش ہوا، جیسے عمرو بن الحمق، محمد بن ابی بکر، مالک اشتر وغیرہ۔ اور فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب نے ولید بن عقبہ کی تنقیص کرتے ہوئے فرمایا:

و كان ولى الأمر بعد محمد
علىٌّ و فى كل موطن صاحبه

ترجمہ: ''سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امر خاص کے متصرف علی رضی اللہ عنہ ہیں اور تمام اہم مقامات پر وہ آپ کے ساتھ رہے۔''

یہ حضرات سیدنا ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی اسی قدر غلو کا اظہار کرتے تھے۔

۳ تیسرا فرقہ شدید غالی تھا''۔(البدء والتاریخ ج ۵ ص ۱۲۴،۱۲۵)

۴ اصابہ میں جلیل القدر صحابی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے حالات میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرزبانی نے کہا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اہلِ کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابو موسیٰ اشعری کو کہا: اے ابو موسیٰ آ! ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں، تو ابو موسیٰ نے کہا: جلدی مت کیجئے۔ اس پر حضرت ہاشم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: یہ ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہ میرا، اور میں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، اور یہ اشعار کہے:

① یں بے پرواہو کر علی ﷜ کی بیعت کر رہا ہوں ,اور میں اشعری امیر کا خدشہ نہیں کرتا۔

② میں اُن کی بیعت کر رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ میں اس کی بدولت عنقریب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کو راضی پاؤں گا۔

ہاشم بن عتبہ صفین میں سیدنا علی علیہ السلام کے ساتھ تھے اور وہیں شہید ہوئے تھے۔

اس موقعہ پر ان کی شان میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ ﷜ نے فرمایا تھا:

① اے ہاشم الخیر جنت تجھے جزا میں دی گئی تم نے اللہ کی خاطر سنت کے دشمن۔

② اور تارکِ حق اور خواہش نفس کے پیروکار سے جنگ کی ,احسانِ الٰہی سے جس مقام پر تم فائز ہوئے وہ عظیم مقام ہے۔

(الاصابۃ ج ۳ ص ۵۹۳ ,الاستیعاب ج ۳ ص ۶۲۱ ,الصفین لنصر بن مزاحم ص ۳۵۹)

۲۸ صحابی رسول عتبہ بن ابی لہب بن عبد المطلب ہاشمی ﷜ نے فرمایا:

① میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ پہلے بنو ہاشم سے پھر ابوالحسن سے رُخ موڑ جائے گا۔

② کیا وہ پہلے شخص نہیں جس نے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ,اور کیا وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر عالم کتاب وسنت نہیں؟

③ صحبت کے اعتبار سے وہ تمام لوگوں سے زیادہ نبی ﷺ کے قریب رہے, اور وہ ,وہی ہیں کہ غسل نبوی میں جبریل علیہ السلام اُن کے معاون تھے۔

④ ان میں وہ تمام خوبیاں ہیں جن کے حصول میں لوگ کوشاں رہے ,اور پوری قوم میں وہ محاسن نہیں ہیں جو تنہا اُن میں ہیں۔" (اسد الغابۃ ج ۴ ص ۴۰)

۲۹ حضرت عبداللہ بن انس ﷜ نے نبی ﷺ کے مرثیہ میں فرمایا تھا:

① کاش میں جانتا کہ کون ہماری ذمے داری اٹھائے گا ,اور کیا قریش میں امام

کے بارے میں تنازع ہوگا؟

۲) اس امر کو سنبھالنے کے لیے تین قریشی افراد ہیں اور اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

۳) علی یا صدیق یا عمر اس کے اہل ہیں۔ اور ان تین کے بعد کوئی چوتھا اس کا اہل نہیں۔

اسی طرح طبقات ابن سعد میں ہے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ج۲ ص۴۱۰) ان کا سیدنا علی علیہ السلام کو مقدم کرنا ملاحظہ فرمائیں۔

۳۵) تفضیلیوں میں سے ایک صحابیٔ جلیل، شیعۂ اہل بیت حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ تمام جنگوں میں سیدنا علی علیہ السلام کے معاون رہے۔ انہوں نے جنگِ صفین میں بعض نواصب کی تردید میں فرمایا تھا

۱) تیرے لئے یہ سختی ظاہر کرنے والا دن ہے، یہ وہ دن ہے جو ستاروں کو پوشیدہ نہیں کرتا۔

۲) اے تذبذب کے شکار زندہ! ہم کسی ظالم جماعت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

۳) اس لیے کہ ہمارے درمیان ماہر بہادر موجود ہیں، ابن بدیل غضبناک شیر کی طرح ہے۔

۴) علی ہمیں محبوب ہوگئے، ہم ان پر ماں باپ کو قربان کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت سلیمان بن صُرد تائبین شیعہ کے سرخیل تھے، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کی عدم نصرت پر توبہ کی اور ندامت کا اظہار فرمایا۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ تمام لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بدلہ لینے پر یک جان ہوگئے تھے۔ ان کی دعوت مخفی تھی تا آنکہ ان کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے ابن زیاد اور اس کے لشکر کے ساتھ جنگ کی تو خوب استقامت کا مظاہرہ کیا اور خوب صورت آزمائش پر پورے اترے اور سلیمان بن صُرد عین الوردہ میں ۶۵ھ میں شہید کر

دیے گئے، اور ان کے احوال مشہور ہیں۔''

تاریخ الطبری ج ۵ص ۶۰۱، ۵۹۶ الکامل ج ۳ص ۲۰۳، ۲۰۴ الإصابۃ ج ۱ص ۵، الإستیعاب ج ۱ص ۶۰۶)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہمیں ابو بکر بن ابی دارم حافظ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن موسیٰ بن اسحاق تیمی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں وضاح بن یحییٰ نہشلی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بکر بن عیاش نے از ابو اسحاق، از اسود بن یزید نخعی بیان کیا، انہوں نے فرمایا: ''جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی گئی تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:

إذا نحن بايعنا علياً فحسبنا

أبوحسن مما نخاف من الفتن

ترجمہ: ''جب ہم نے علی کی بیعت کی تو ہمیں کافی ہیں ابوالحسن اُن فتنوں سے بچانے کے لئے جن سے ہم خوف زدہ ہیں۔''

وجدناه أولى الناس بالناس إنه

أطب قريش بالكتاب والسنن

ترجمہ: ''ہم نے انہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ لوگوں کا محبوب پایا، بیشک وہ کتاب وسنت کی رو (یا فہم) سے قریش کی عمدہ ترین ہستی ہیں۔''

و إن قريشا ما تشق غباره

إذا ما جرى يوماً على الضمر البدن

ترجمہ: ''بیشک قریش کا رعب اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ کسی کمزور پر چڑھائی نہیں کریں گے۔''

Scanned by TapScanner

وفیہ الذی من الخیر کلہ

وما فیھم کل الذی فیہ من حسن

ترجمہ: ''اُن (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو تمام لوگوں میں ہیں، اور اُن سب میں وہ سب محاسن نہیں جو تنہا اُن میں ہیں۔''

(المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۱۴، ۱۱۵)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

۳۲ حضرت ابوالاسود دوَلی صادق تابعی رضی اللہ عنہ کا نصرتِ حق میں موقف مشہور ہے، انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جدائی میں کہا تھا:

① اے آنکھ! تجھ پر رحمت ہو تو ہماری مدد کیوں کرتی، کیا تو امیر المومنین پر نہیں روئے گی؟

② ام کلثوم ان پر رو رہی ہیں، آنسو بہا رہی ہیں، یقیناً انہوں نے موت کو دیکھا ہے

③ خبر دار! خوارج جہاں بھی ہوں اُنہیں کہہ دو! ہمارے حاسدوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی۔

④ کیا تم نے ماہِ صیام میں ہمیں تکلیف پہنچائی؟ سب سے بہترین شخص (کے فقدان) سے۔

⑤ تم نے اس شخص کو قتل کر دیا جو تمام شہ سواروں، سواری پر غالب لوگوں اور سفینہ پر سوار ہونے والوں سے بہتر ہے۔

⑥ اور جو جوتی پہننے والوں، اسے سجانے والوں سے اور جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ یس پڑھنے والوں سے بہتر ہے۔

⑦ اور اُسے (قتل کر دیا) جس میں تمام عمدہ مناقب جمع ہیں اور جو رب العٰلمین کے رسول کا محبوب ہے۔

یقیناً قریش جانتے ہیں وہ جو بھی ہوں، کہ وہ حسب اور دین کے لحاظ سے اُن سب سے بہتر ہیں۔

⑨ جب میں ابو الحسین کے چہرۂ اقدس کے سامنے آتا ہوں تو ناظرین کے اوپر چودھویں کا چاند دیکھتا ہوں۔

⑩ ہم ان کی شہادت سے قبل خیر میں تھے کہ اپنے درمیان رسول اللہ ﷺ کے محبوب کا دیدار کرتے تھے۔

⑪ وہ قائم الحق تھا، اُسے حق میں شک نہیں تھا، اور مقرب وغیر مقرب میں عدل قائم کرتا تھا۔

⑫ اور وہ اپنے علم کو چھپانے والا نہیں تھا، اور وہ متکبرین کی نسل سے نہیں تھا۔

⑬ لوگوں نے جب علی کو گم کر دیا تو وہ یوں ہو گئے گویا کہ ملک سنین کے خشک سال۔

⑭ معاویہ بن صخر کو برا نہ کہو، بیشک وہ ہم میں خلفاء کا بقیہ ہیں۔

(أنساب الأشراف ج ۳ ص ۲۶۵، دیون أبی الأسود الدؤلی ص ۱۷۴)

حضرت ابو الاسود دؤلی رضی اللہ عنہ پر بنو قشیر نے ان کی شیعیت کی وجہ سے ملامت کی تو انہوں نے فرمایا:

① بنو قشیر کے رذیل لوگ کہتے ہیں: کیا تم طویل عرصہ تک علی کو نہیں بھلاؤ گے؟

② تو میں نے انہیں کہا: میں کیسے اس عمل کو بھلا سکتا ہوں جو مجھ پر فرض ہے؟

③ میں محمد ﷺ اور ارباب رضا عباس وحمزہ سے شدید محبت کرتا ہوں۔

④ نبی ﷺ کے چچازاد اور ان کے قرابت دار ہمیں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

⑤ سو اگر ان کی محبت رشد (ہدایت) ہے تو میں نے اسے پالیا، اور اگر غی (گمراہی) ہے تب بھی میں گنہگار نہیں ہوں۔

۶ بلا شبہ وہی خیر خواہانِ امت ہیں اور تا حیات میری محبت کا مرکز ہیں۔

۷ میں ان سے یوں محبت کرتا رہوں گا جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ میں اپنی قبر سے اٹھایا جاؤں۔

۸ میں نے ان سے اس وقت محبت کی جب اسلام کی چکی گھومنے لگی، انہوں نے اپنا ہمسر کوئی نہیں چھوڑا۔

۹ میں نے ہر چیز کے خالق کو دیکھا کہ اس نے اُنہیں ہدایت دی اور ان ہی میں سے نبی کو منتخب فرمایا۔

۱۰ اُس نے ان کے سوا اس خصوصیت سے کسی کو نہیں نوازا، انہیں وہ شرف مبارک ہو جس کے لیے اللہ نے انہیں منتخب فرمایا۔" (الأغانی ج ۱۱ ص ۱۱۸)

میں کہتا ہوں: ابو الاسود جن کا نام ظالم بن عمرو الدوَلی ہے، یہ مخضرمین سے ہیں اور فصاحت و بلاغت کے ائمہ میں سے ہیں۔ یہ ثقہ تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی خاطر انقطاعی رویہ رکھتے تھے، اور تمام جنگوں میں ان کے ساتھ رہے۔ سیر أعلام النّبلآء میں ہے کہ

کان من وجوہ الشیعۃ، ومن أکملھم عقلاً ورأیا۔

ترجمہ: "وہ اکابر شیعہ (محبانِ اہلِ بیت) میں سے تھے، اور وہ عقل وفکر میں سب سے بڑھ کر کامل تھے۔"

۳۳ ام سنان بنت خیثمہ مذحجیہ فرماتی ہیں:

۱ اے آلِ مذحج رکنے کا مقام نہیں، جلدی کرو! آلِ احمد (علیہم السلام) کا دشمن پر تول رہا ہے۔

۲ یہ علی ہیں اس بابرکت چاند کی طرح جسے وسطِ آسمان میں کواکب نے گھیرا ہوتا ہے۔

تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور نبی سے چچا زاد ہیں۔ اگر وہ تمہیں نورِ محمدی سے ہدایت دینا چاہتے ہیں تو تم حاصل کرو۔

۳) جب سے انہوں نے جنگوں میں شرکت کی مسلسل فتحیاب رہے۔ فتح ان کے پرچم پر سایہ فگن رہی۔ (عقد الفرید ج ا ص ۲۱۴، صبح الاعشیٰ ج ا ص ۲۵۸)

۳۵ سودہ بنت عمارہ بن اشتر ہمدانیہ نے فرماتی ہیں:

۱) سیدنا علی اور امام حسین اور ان کی جماعت کی مدد کرو۔ اور آہستگی سے ہند اور اس کے بیٹے کا قصد کرو۔

۲) بیشک خلیفہ اللہ کے نبی محمد ﷺ کے بھائی ہیں۔ جو ہدایت کی علامت اور مینارِ ایمان ہیں۔

۳۶ زحر بن قیس نے اپنے ماموں جریر بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۱) جریر بن عبداللہ! ہدایت سے منہ نہ موڑ! علی کی بیعت کرلے۔ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔

۲) یقیناً علی اُن سب سے بہتر ہیں جو کنکریلی زمین پر چلتے ہیں، ماسوا سیدنا احمد ﷺ کے، اور موت تو صبح یا شام آ کر ہی رہے گی۔"

(کتاب صفین لنصر بن مزاحم ص ۱۶)

۳۷ حضرت کعب بن زہیر فرماتے ہیں:

۱) بے شک علی مبارک النفس، اعمال صالحہ کے ساتھ مشہور ہیں۔

۲) دامادِ نبی اور تمام لوگوں سے بہتر ہیں، جو شخص فخر اُان کا مقابلہ کرتا ہے وہ پست ہو جاتا ہے۔

۳) انہوں نے نبی اُمی کی معیت میں سب سے پہلے نماز پڑھی۔ بندوں سے قبل درآنحالیکہ رب الناس کا انکار کیا جاتا تھا۔" (دیوان کعب بن زہیر ص ۴۱)

۳۸ تاریخ دمشق میں امام ابن عساکر سے لیکر امام ابن ابی خیثمہ تک سند کے

ساتھ مذکور ہے۔ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں: ''ہمیں احمد بن منصور بن یسار نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبد الرزاق الصنعانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ حضرت معمر گویا ہوئے اور مسکرا دیے۔ میں ان کے رو برو تھا اور ہمارے ساتھ اور کوئی شخص نہ تھا۔ میں نے عرض کیا: کیا ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے اہل کوفہ پر تعجب ہوتا ہے، گویا کہ کوفہ کی بنیاد ہی حب علی پر رکھی گئی ہے۔ میں نے جس معتدل شخص سے بھی گفتگو کی تو اسے حضرت علی کو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم پر افضلیت دیتے ہوئے پایا، حضرت سفیان ثوری بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبد الرزاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے حضرت معمر سے کچھ عرض کیا: اور انہوں نے محسوس کیا کہ میں اس کو بڑی بات سمجھ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا: کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص کہے: ''علی أفضل عندی منهما ما عنفته إذا ذکر فضلهما عندی'' (علی میرے نزدیک شیخین سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرے سامنے شیخین کی فضیلت کا ذکر بھی کرے)۔ اور اگر کوئی شخص کہے: حضرت عمر سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا۔ امام عبد الرزاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے یہ بات حضرت وکیع کو بتائی اور ہم تنہائی میں تھے تو وکیع رضی اللہ عنہ نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے، پھر فرمایا: سفیان (ذہنی ہم آہنگی کے طور پر) ہمارے ساتھ اس حد تک نہیں پہنچا تھا لیکن انہوں نے حضرت معمر پر اس بھید کو ظاہر کیا جسے ہم سے چھپاتے رہے''۔ (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۱۱)

اس عبارت سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اول: ابن ابی خیثمہ کی سند حضرت معمر تک انتہائی صحیح ہے۔ بلاشبہ ہر وہ شخص جو اہل

کوفہ پر گزرنے والے مسلسل مصائب و آلام سے مطلع ہو، خصوصاً صفین کے بعد تو وہ باغیوں اور ناصبیوں کے عناد کو ضرور جانتا ہوگا، اور لوٹ مار کرنے والے جتھوں کو انصارِ علی کرم اللہ وجہہ کے تعاقب میں عراق، حجاز، یمن اور مصر کی طرف بھیجے جانے کو بھی بخوبی جانتا ہوگا (۱) اور اہل بیت اور ان کے محبین کو بے دخل کرنا، قتل کرنا، پھر لگاتار حادثہ سے قبل اور بعد معاوئین اہل بیت کو ہراساں کرنا، پھر شہادتِ مرتضوی کے بعد پے در پے دردناک ظالمانہ واقعات کا ہونا، پھر حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا ﷺ۔ پھر کربلاء کا قبیح واقعہ برپا کرنا، پھر تائبین کی تحریک، پھر نواسۂ رسول ﷺ کے قاتلین کا قتل ہونا، پھر زبیریوں اور امویوں کا غلبہ پانا، پھر امام زید بن علی بن حسین علیہ السلام کا اموی حکومت کے خلاف خروج کرنا، پھر ان کا شہید ہونا، پھر ان کی قبر کھول کر ان کے جسم اقدس کو صلیب پر لٹکانا اور جلانا، حکومتِ وقت کا منبروں پر مولیٰ علی پر سبّ وشتم کے ساتھ ساتھ محبانِ علی کو خطرناک سزائیں دینا وغیرہ۔ بلاشبہ اہل کوفہ پر ڈھائے جانے والے پے در پے یہ مظالم ٹھوس پہاڑوں کو ہلا دینے والے تھے، اس لیے کہ لشکر وتلوار کے ساتھ یہ منظم مظالم تھے جنہوں نے دانے کی طرح بھون کر رکھ دیا تھا۔ اسی طرح ہم بھی اہل بیت کی مودت وتقدیم پر مامور ہیں، اور جب ایسے حادثات وواقعات کے اسباب ماضی اور حال میں یکساں ہیں تو پھر اہل بیت علیہم السلام کی افضلیت کے قائلین اہلِ کوفہ کا انقطاعی صورت اختیار کرنا اور سہما سہما رہنا ظاہر

---

(۱) تفصیل ملاحظہ ہو: "أنساب الأشراف" سیدنا علی علیہ السلام کے حالات، تاریخ الطبری کی سنہ ۳۰ھ کے حوادث، بعنوان "تفریق معاویۃ جیوشہ فی أطراف علی" سنہ ۴۰ھ کے اوائل میں بسر بن ارطاۃ کی مکہ، مدینہ اور یمن پر غارتگری اور ثقفی کی لوٹ مار۔

ہے، اور یہ حکایت نہیں واقعہ ہے اور "لیس الخبر کالمعاینة" (خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی)۔(۱)

ثانی: سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسئلہ تفضیل امورِ ظنیہ سے ہے قطعیہ سے نہیں، نیز اسی طرف اشارہ کرتا ہے امام خطابی کا وہ کلام جو انہوں نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ:

کان یقول أبو بکر خیر و علی أفضل۔

ترجمہ: "وہ فرمایا کرتے تھے: ابوبکر بہتر ہیں اور علی افضل ہیں۔"

(جواھر العقدین ج ۲، ص ۴۵۹)

ثالث: امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ "لیس معنا أحد" (ہمارے ساتھ کوئی اور نہیں تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کا مذہب مشہور و معروف تھا لیکن باہمی گفتگو، مناظروں، دروس اور خط وکتابت میں برملا اس کا اظہار مشکل تھا۔ حقیقۃً افضلیت کے اظہار میں عظیم خطرات تھے، اس لیے کہ نواصب، جہلاء اور پراپیگنڈا کے ذریعے فکری اور جسمانی طور پر ہراساں کرنے والے لوگ بہت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ افضلیتِ علی علیہ السلام کے متعلق روایات نادر ہیں، تفضیل کا عقیدہ رکھنے والے حضرات سکوت پر کاربند رہے، (کیوں؟) یہ ایک طویل داستان ہے۔

رابع: اسی سلسلہ میں ایک واقعہ وہ ہے جسے ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" میں شیخ الشافعیہ امام علامہ ابوبکر محمد بن احمد مصری المعروف بابن الحداد متوفی ۳۴۵ھ کے حالات میں الکندی کی کتاب "الولاۃ والقضاء" سے

(۱) بالکل اب تک یہی صورتِ حال ہے، تفصیل ایک آدھ صفحہ بعد حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ فیضی

نقل کیا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

''سکندی نے ابن زولاق سے نقل کیا ہے کہ امام ابن حداد رحمۃ اللہ علیہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خصائص علی" (۱) کے ذکر کے دوران ایک واقعہ بیان فرمایا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ابو القاسم بن اخشید کی مجلس میں تھے، مجلس اختتام پذیر ہوئی تو انہوں نے مجھے روک لیا، میں نے عرض کیا: کوئی کام ہے؟ تو فرمایا: "أي ما أفضل أبوبكر و عمر أو علي" (کون افضل ہیں ابو بکر، عمر یا علی؟) تو میں نے کہا: ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ انہوں نے پھر فرمایا: "أي ما أفضل أبوبكر و عمر أو علي" (کون افضل ہیں ابو بکر، عمر یا علی؟) تب میں نے عرض کیا: اگر یہ بات آپ تک رہے تو علی رضی اللہ عنہ ہی افضل ہیں اور اگر آشکارا ہو تو ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ ابن زولاق فرماتے ہیں: مجھے یہ ان سے عجیب ترین بات پہنچی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: اسی کی مانند مجھے ابن عبد الحکم کا واقعہ پہنچا ہے کہ ایک شخص نے ان سے ایسا ہی سوال کیا تو انہوں نے معذرت کی۔ سائل نے اصرار کیا تو فرمایا: اگر تم نے میرے جواب کو کسی شخص پر آشکار کیا تو میں احمد بن طولون سے تمہاری شکایت کروں گا تو وہ تمہیں کوڑے سے مارے گا، علی ہی افضل ہیں''۔

(الولاۃ والقضاء للکندی ص ۵۵۶، سیر أعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۴۹)

ان حقائق سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما کے مابین مفاضلہ علماء اہل سنت کے درمیان محل بحث ونظر تھا۔

---

(۱) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصائص پر یہ کتاب انتہائی مستند اور مفید ہے، عربی وغیرہ زبانوں میں اس پر بہت کام ہوا ہے، اس ناکارہ نے بھی اس پر کام کیا ہے، جسے علماء حق کثّرھم اللہ تعالیٰ نے اب تک کی جانے والی ہر کاوش سے بہتر کاوش قرار دیا ہے، فیضی۔

۲۔ اہلِ سنت کے اکابر ائمہ کی ایک خاصی تعداد سیدنا علی کو حضرت ابوبکر رضوان اللہ علیہما پر فضیلت دیتی تھی، لیکن وہ بوجوہ صراحۃً اظہار نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے ایک وجہ تو نواصب (دشمنانِ اہل بیت) کی طاقت ہے، اور دوسری وجہ منصب (عہدہ و اقتدار) کا تحفظ ہے۔(۱)

خامس: معمر کے قول "منهم سفيان الثوري" (یعنی سفیان ثوری بھی تفضیل علی کے قائلین سے ہیں) سے اُن کے حقیقی مذہب کو بیان کیا ہے، لہٰذا جو کچھ اُن کے متعلق حضرت علی کی حضرت عثمان پر فضیلت یا اس کے برعکس کا جو قول

(۱) یہ بات سو فیصد حق ہے، مجھے ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہوا ہے۔ میں نے مذکور الصدر عظیم الشان کتاب "خصائص علی للنسائی" کی شرح کی اور ایک حدیث کی شرح کے ضمن میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے غیر درست قول کی تردید میں چند شواہد پیش کر کے کہا کہ ترتیبِ خلافت ترتیب افضلیت کو متلزم نہیں، نیز تفضیل قطعی نہیں بلکہ ظنی مسئلہ ہے۔ لہٰذا افضلیتِ مرتضوی علی الشیخین رضی اللہ عنہم کو سیدنا علی کو معبود ماننے کے برابر قرار دینا زیادتی ہے۔ لیکن اتنی سی بات پر بعض عالم نما مگر کم مطالعہ لوگوں نے اودھم مچا دیا اور...

نیز مجھے منصب (عہدہ و اقتدار) کے تحفظ کا تجربہ بھی خوب ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "خصائص علی" کے منظر عام پر آنے کے بعد مجھے ایسے متعدد جید اور کبار علماء کرام دامت فیوضھم سے پہلی مرتبہ بالمشافہ ملاقات نصیب ہوئی جن کا مسئلہ تفضیل میں خاموش (یا یوں کہیے کہ حجرہ میں) عقیدہ وہی ہے جو اوپر امام ابن الحداد اور امام ابن زولاق نے امام ابوالقاسم ابن اخشید سے نقل فرمایا، لیکن وہ بھی اسلاف کرام کی طرح مذکورہ بالا وجوہ کے پیشِ نظر اظہار سے قاصر ہیں۔ خود اندازہ کیجیے کہ اس عاجز نے فقط توضیحاً چند سطور لکھیں تو مسجد کی امامت و خطابت سے ہاتھ دھونا پڑے، تو اگر کسی شخص کو مسجد کی خطابت وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اہم منصب تفویض ہو اور اس کی عقل بھی قائم ہو تو وہ کیونکر مجھ ایسے احمق کی طرح جسارت کر کے اپنی دنیا برباد کرے گا؟

واضح رہے کہ اس عاجز نے "شرح خصائص علی" کے مقدمہ میں عرض کیا تھا کہ میرے قلم سے نکلی ہوئی جو بات کتاب سنت اور اجماعِ اہل سنت کے منافی ہو اس پر مجھے متنبہ کیا جائے، مگر یہ اخلاقی جرأت کسی سے نہیں ہوئی، ہاں لٹھ خوب چلائی جا رہی ہے۔ فیضی۔

مشہور ہے تو وہ فقط حکام وعوام کی سختی وشر بچنے کے لیے تاکہ ان پر رفض وتشیع کی تہمت نہ لگائی جائے۔

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ "المعرفة والتاريخ" کی ایک روایت اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے:

"محمد بن ابی السری بیان کرتے ہیں: ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا، انہوں نے حضرت معمر سے نقل کیا کہ میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ عثمان اور علی میں سے کون افضل ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: خون، خون، عثمان افضل ہیں۔ حضرت معمر فرماتے ہیں: ثوری فرمایا کرتے تھے: ابوبکر اور عمر اور خاموش ہو جاتے۔

ابن ابی السری بیان کرتے ہیں:

"میں نے امام عبدالرزاق الصنعانی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی کیا رائے ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا"۔

اور اُنہوں نے کہا: سفیان ثوری کہا کرتے تھے: ابوبکر اور عمر اور عثمان، پھر خاموش ہو جاتے تھے۔

امام عبدالرزاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ہمیں حضرت سفیان الثوری رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے خواہش کی کہ ابوعروہ (معمر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تنہائی میں ایک شب ملاقات ہو۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں: ہم نے حضرت معمر سے عرض کی کہ ابوعبداللہ آپ سے شب کی تنہائی میں ملاقات کے متمنی ہیں تو اُنہوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں: پھر اُن دونوں کی ملاقات ہوئی، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے امام معمر سے عرض کیا: یا اباعروہ! آپ نے اُنہیں کیسا پایا؟

فرمایا: وہ بھی ایک شخص ہے، پر تم کسی بھی کوئی کو ٹٹولو گے تو اس میں یہ چیز ضرور پاؤ گے۔ گویا انہوں نے تشیع کی طرف اشارہ کیا۔"

اس عبارت کو امام ذہبی نے نقل کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ (ا) (سیر أعلام النبلاء، ج۹ ص ۵۶۹)

سادس: امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول "میں نے یہ بات وکیع کو بتائی اور ہم اکیلے تھے تو حضرت وکیع نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے" ان کے الفاظ "و نحن خاليان" (اور ہم اکیلے تھے) کے ساتھ مذکورہ بالا مظالم کو بھی مدنظر رکھئے، اور اس قول "فاشتهي لها وضحك" (تو حضرت وکیع نے اس کو

(ا) بندہ ضعیف کہتا ہے: اس تصریح میں حسب ذیل فوائد ہیں:

ا۔ اسلاف کرام مسئلہ تفضیل میں اختلاف کرتے تھے۔

ب۔ ان مذاہب کی تصریح جو حضرت علی کو موخر اور چوتھا بناتے ہیں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خاموش ہو جاتے ہیں، ان مذاہب کے پیروکاروں پر کوئی خوف نہ تھا۔

ج۔ اسلاف کرام کا تشیع اور اس کی حقیقت سیدنا علی رضوان اللہ علیہ کی تفضیل تھی، اور یہ ایسا مخفی معاملہ تھا جس کا اظہار مشکل تھا کیونکہ اس کے نتائج شدید اندوہناک تھے۔

د۔ امام زہری امویوں کے خلاف تھے اور محبان اہل بیت میں اپنے مذہب کی تصریح کرتے تھے جبکہ وہ ناصبیوں کی طاقت کی خوف سے خاموش رہتے۔

ہ۔ امام عبد الرزاق نے سکوت اختیار کیا اور مذکورہ معنی پر کلام نہ کیا۔

و۔ ثوریؒ کی عبارت ترتیب کو نہیں ثابت کر رہی کیونکہ واؤ مطلق عطف کے لیے ہے، جبکہ حضرت سفیان نے ابو عروہ معمر بن راشد کو وہ راز بتایا جسے وہ لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اس کی تائید معمر کے اس قول سے ہوتی ہے: "کم ہی کوئی کوئی ہوگا مگر تم اس میں یہ چیز پاؤ گے، گویا تشیع مراد لیا ہے"، پس جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

ز۔ امام معمر کے قول "کم ہی کوئی کوئی ہوگا مگر تم اس میں یہ چیز پاؤ گے" اہل کوفہ کے مذہب کو ظاہر کر رہا ہے۔ اس میں غور کیجئے فائدہ ہوگا۔

بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے) میں واضح صریح ہے کہ حضرت وکیع رضی اللہ عنہ مسئلہ تفضیل میں اہل کوفہ کے مذہب پر راضی تھے، اور ان کی پسندیدگی واضح کرتی ہے کہ اُن کا مذہب یہی تھا اور وہ اپنے مذہب کو دوسرے کوفیوں کی مانند چھپاتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت وکیع بن الجراح کو رافضی کہا گیا۔ دیکھئے آپ کے حالات کے لیے (تھذیب الکمال ج ۳۰ ص ۴۷۶، تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۱۲۸) پس اگر وہ علی الاعلان اپنے حقیقی مذہب کو ظاہر کرتے تو کیا حال ہوتا؟

تاہم میں نے "المعرفۃ والتاریخ" میں حضرت وکیع کے متعلق ایک مضبوط صراحت پائی ہے کہ وہ مبالغہ کے ساتھ تشیع (تفضیل وولائے اہل بیت) کا اظہار فرماتے تھے۔ جس شخص کو تفصیل درکار ہو وہ ملاحظہ فرمائے۔

(المعرفۃ والتاریخ ج ۲ ص ۸۰۶)

۳۹۔ امام ابن عساکر سے ابن ابی خیثمہ تک سند سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن آدم نے کہا: "میں نے کوفہ میں جس شخص کو بھی پایا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے، آغازِ کلام بھی انہی سے کرتا ہے، اور امام یحییٰ بن آدم نے سفیان ثوری کے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔"

(تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳ ص ۳۱۱)

میں کہتا ہوں: یہ سند صحیح ہے، اس پر فرحت کی جائے، اور یحییٰ بن آدم ثقہ ہے، مضبوط ہے، فقیہ ہے پھر اُموی ہے۔ ان کا قول عموم میں داخل ہے، کیونکہ نکرہ نفی کے سیاق میں آیا ہے۔ پھر انہوں نے ثوری کو مستثنیٰ کیا اور استثنا عموم کا معیار ہوتا ہے، اور یہ

روایت حضرت معمر سے مروی گذشتہ اثر (سفیان ثوری کے مخفی مذہب تفضیل والا) کی تائید کرتی ہے۔

◆ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے امام یحیٰی بن معین نے "معرفۃ الرجال" میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن موسیٰ الحافظ کو فرماتے ہوئے سنا: "اس میں کوئی شخص شک نہیں کرتا تھا کہ سیدنا علی حضرت ابوبکر اور عمر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہم"۔ (معرفۃ الرجال ج ۱ ص ۱۵۹)

اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی جسے ابونعیم نے "الحلیہ" میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہمیں ابراہیم بن عبداللہ بن اسحاق نے بیان کیا، انہیں محمد بن اسحاق ثقفی نے بیان کیا، انہیں خ شیش صوفی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں زید بن حباب نے فرمایا "حضرت سفیان ثوری کی رائے ان کے کوفی ساتھیوں کی رائے کی مثل تھی، وہ سیدنا علی کو حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ پھر جب وہ بصرہ چلے گئے تو اس سے رجوع کرلیا اور حضرت ابوبکر و عمر کو سیدنا علی رضی اللہ عنہم پر اور سیدنا علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے لگے"۔

(حلیۃ الأولیاء ج ۷ ص ۳۱)

◆ یہ اولین تفضیلی شیعوں کا مذہب ہے۔ (اولین تفضیلی شیعہ کیسے تھے؟) ابن خلکان "وفیات الأعیان" میں حضرت یحیٰی بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

كان شيعياً من الشيعة الأول، يتشيع تشيعاً حسناً، القائلين بتفضيل أهل البيت من غير

تنقیص لذی فضل من غیرھم.

ترجمہ: "وہ شیعہ تھے، اولین شیعوں میں سے، خوبصورت تشیع کے حامل تھے، کسی صاحب فضیلت کی تنقیص کے بغیر اہل بیت کرام علیہم السلام کی تفضیل کے قائل تھے"۔ (وفیات الأعیان ج۶ ص ۱۷۳)

یہ کلام علامہ دمیری نے بھی نقل کیا ہے۔ (حیات الحیوان ج۱ ص ۱۹۱)

یہی وہ مذہب ہے جو شیعہ اولیٰ کا مذہب ہے، اس پر ابن حزم کا وہ کلام بھی دلالت کرتا ہے جو انہوں نے "الفِصَل" میں یوں ذکر کیا ہے:

"شیعی وہ ہے جو اس بات میں شیعہ کی موافقت کرے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، اگرچہ وہ اس کے علاوہ بین المسلمین مختلف فیہ امور میں اُن سے اختلاف کرے، سو اگر وہ زیر بحث مسئلہ (یعنی تفضیل) میں اُن سے اختلاف کرے تو وہ شیعہ نہیں"۔ (الفِصَل فی الملل والنحل ۲ ص ۱۹۱)

ابوالحسن اشعری مقالات الاسلامیّین میں لکھتے ہیں:

"انہیں شیعہ کہا گیا، اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضوان اللہ علیہ کی حمایت کی تھی، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ پر مقدم مانتے تھے"۔ (مقالات الاسلامیّین ص ۶۵)

میں کہتا ہوں: یہ ایسا ضابطہ ہے جس سے لفظِ شیعہ کی قریب ترین حد کا تعین ممکن ہے، اور وہ ہے تفضیل مرتضوی رضی اللہ عنہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف کرام کے مطابق شیعہ وہ ہے جو سیدنا علی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اس گروہ میں شامل ہو وہ "مُفَضِّلٌ" (تفضیلی) ہے، اور اس میں صحابہ کرام کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک ایسی

بڑی جماعت شامل ہے جن کا علم و عدل مسلّم ہے۔(۱)

◆۴۳ متاخرین احناف کے فخر ابو الحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی، حنفی، ہندی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں:

''اُن اربابِ تشیع کی روایت بھی قبول کی جاتی ہے جو متقدمین کی مشہور اصطلاح میں شیعہ ہیں، اور وہ ہے حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دینے کا عقیدہ، یا یہ عقیدہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کی مخلوق سے افضل ہیں، اور وہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور اُن کے مخالفین خطاوار تھے۔ اسی معنیٰ میں تمام متقدمین اہل کوفہ کی طرف تشیع کی نسبت کی گئی ہے۔''

(ظفر الأمانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی ص ۴۹۱)

میں کہتا ہوں: علامہ لکھنوی کی عبارت سے درجِ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

ا۔ متقدمین کے عرف میں مشہور تشیع کے دو معنیٰ تھے:

① حضرت علی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت

② حضرت علی کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا عقیدہ

ب۔ اگر کہا جائے کہ تمہیں لکھنوی کی عبارت سے دو معنے کہاں سے ملے؟ تو جواب یہ ہے کہ اُن کے لفظ ''أَوْ'' سے جو تنوع کا فائدہ دیتا ہے۔

---

(۱) اس پر ''توابین'' کے واقعات ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں اور وہ کوفہ کے شیعہ تھے، ان کے سربراہ جلیل القدر صحابی حضرت سلیمان بن صُرد الخزاعی رضی اللہ عنہ تھے جو ''عین الوردۃ'' کے مقام پر ۶۵ھ میں شہید ہوئے۔ (واضح رہے کہ جن حضرات کو بعد میں خیال پیدا ہوا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی معیت میں شامی حکومت کے خلاف عملی جنگ میں حصہ نہ لیکر گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، پھر وہ بطور توبہ قاتلین امام عالی مقام علیہ السلام کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے انہیں ''التوابین'' کہا جاتا ہے۔ فیضی)

ج۔ یقیناً سیدنا علی کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت اکثر متقدمین اہل کوفہ کا مذہب ہے۔

علامہ لکھنوی کا قول "المتقدمین" صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد کو شامل ہے اور یہی اہل بیت علیہم السلام کا مذہب ہے۔

د۔ علامہ لکھنوی کا قول "و أنه مصيب فی حروبه كلها و مخالفه مخطئ" (اور وہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور اُن کے مخالفین خطاوار تھے) میں کہتا ہوں یہ شیعہ اور اُن کے علاوہ دوسرے حضرات کا بھی مذہب ہے، اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے، تمام نصوصِ صحیحہ اسی طرف جاتی ہیں اور اس کے خلاف خطا ہے، اور اسی پر اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قائم تھے، حتیٰ کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی وہ بھی جانتے تھے کہ حق پر آپ ہیں، لہٰذا سیدنا علی علیہ السلام کو حق پر کہنا تشیع کی علامات سے نہیں، اور یہ بات ہے ہی واضح۔

طبقات الشافعیہ میں اکثر مقامات پر آیا ہے، اُن میں سے ایک مقام حارث بن سریج النقال کا ترجمہ (سوانح) ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"امام داود بن علی اصفہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حارث نقال کو کہتے ہوئے سنا: وہ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم بن عبداللہ الحجبی کو کہتے ہوئے سنا، انہوں نے امام شافعی سے عرض کیا:

"میں نے آپ کے علاوہ کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت دیتا ہو۔ اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے چچا اور میری خالہ کے بیٹے ہیں اور میں عبد مناف سے ہوں اور تم بنو عبد الدار

سے ہو، اگر یہ کسی شرف کی بات ہوتی تو میں تم سے زیادہ اس کا حقدار ہوتا۔"(۱) (طبقات الشافعیۃ ج ۲ ص ۱۱۳)

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جماعت سے علم حاصل کیا، ان میں سے امام زید بن علی اور ان کے بھتیجے امام جعفر علیہ السلام کے تلامذہ بھی ہیں، اور امام شافعیؒ نے امام یحییٰ بن عبداللہ کامل بن حسن مثنیٰ بن حسن السبط علیہ السلام کی صحبت اختیار کی اور ان سے بیعت ہوئے اور ان کے مشن کے داعیوں میں سے تھے۔ ملاحظہ ہو (أخبار فخ ص ۲۰۴، التحف شرح الزلف ص ۱۳۰) انہیں آل علی کے تشیع (میلان ومحبت) کے الزام میں بغداد لے جایا گیا، جس کا واقعہ مشہور ہے، پھر وہ علمی مشاغل میں منہمک ہو گئے اور اپنے تشیع کو چھپا لیا تاکہ وہ ایسے خوف وہراس اور دباؤ کی زندگی نہ گزاریں کہ ان تک کوئی پہنچ بھی نہ سکے۔ یحییٰ بن معین، عجلی اور بعض مالکی علماء نے امام شافعی پر تشیع کی تہمت لگائی۔ امام شافعیؒ سے جو کچھ مروی ہے اس میں اولاً آپ کے راویوں سے تفضیل کا اثبات منقول ہے، پھر ان روایات میں نظر ثانی کی گئی۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ لغتِ عرب میں امام تھے، ذکاوت میں آیت تھے، لہٰذا ان جیسا شخص معاریض (ذو معنیٰ الفاظ) کے استعمال میں اور جو کچھ اس کے سینے میں ہو اُسے مخفی رکھنے میں پوری استطاعت سے کام لیتا ہے تاکہ مخالف کو گرفت کا موقعہ نہ ملے۔

ابراہیم بن عبداللہ الحجبی ایک ثقہ راوی ہے، اس سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ابن حبّان نے اُنہیں اپنی "کتاب الثقات" میں مستقیم الحدیث کہا ہے، اور جب وہ ذکر کر رہے ہیں کہ تمام ہاشمی سیدنا علی علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے تو میں امام شافعی مطلبی کو اپنے چچاؤں کی اولاد کی مخالفت سے بلند سمجھتا ہوں، لیکن اُنہوں نے معاریض (ذو معنیٰ الفاظ) استعمال کیے، تاہم کبھی کبھار اشعار کی صورت میں تصریح بھی فرما دی۔ بعض اشعار یہ ہیں:

قالوا: ترفضت، قلت: كلا
ما الرفض ديني ولا إعتقادي

"لوگوں نے کہا: تو رافضی ہو گیا، میں نے کہا: ہرگز نہیں، رافضیت میرا دین ہے اور نہ میرا عقیدہ۔"

لكن توليت من غير شك
خير إمام و خير هادي

"تاہم بلاشبہ میں نے بہترین امام اور بہترین ہادی سے محبت کی ہے۔"

إن كان حُبُّ الولی رفضاً
فإنی أرفض العباد

"اگر ولی کی محبت رافضیت ہے، تو یقینا میں تمام بندوں سے بڑا رافضی ہوں۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

شهدتُ بأ ن الله لارب غيره
و أشهد أن البعث حق و أخلص

"میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بعثت حق اور خالص ترین ہے۔"

و أن عرى الإيمان قول مُبَيَّنٌ
و فِعْلٌ زَكِي قد يزيد و ينقصُ

"اور بیشک ایمان خالصۃً روشن قول اور پاکیزہ عمل ہے۔کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم۔"

و أن أبابكر خليفة ربه
و كان أبو حفص على الخير يحرص

"اور بیشک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رب کے خلیفہ تھے، اور ابوحفص (عمر بن خطاب) رضی اللہ عنہ بھلائی پر حریص تھے۔"

و أشهد ربی أن عثمان فاضلٌ
و أن علياً فضله متخصصُ

"اور میں اپنے رب کو گواہ بناتا ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ فضیلت والے ہیں، اور یقینا علی رضی اللہ عنہ کا فضل مخصوص ہے۔"

أئمة قوم يُهْتَدٰی بهداهم
لحا الله مَن إياهم يَنْتقصُ

"وہ قوم کے امام ہیں ان کی ہدایت سے ہدایت طلب کی جاتی ہے اللہ اُنہیں نیست ونابود کرے جو ان کی تنقیص کرے۔"

اور آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

و لما رأيت الناس قد ذهب بهم
مذاهبهم فی أبحر الغی والجهل

"اور جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہیں ان کے مذاہب نے غوایت و جہالت میں دھکیل دیا ہے۔" =

اسی سند کے ساتھ لالکائی نے ''السنۃ'' میں یہی قول روایت کیا ہے لیکن بایں الفاظ:
''میں نے آپ کے علاوہ کسی قریشی کو نہیں دیکھا جو حضرت ابو بکر اور عمر کو حضرت علی پر فضیلت دیتا ہو۔ رضی اللہ عنہم''۔ (السنۃ للالکائی رقم ۲۶۲۴)
اور پہلے الفاظ زیادہ مشہور ہیں اور انہیں امام بیہقی نے بھی نقل فرمایا ہے: (مناقب الشافعی للبیہقی ج ا ص ۴۳۸)
میں کہتا ہوں: یہ صراحت ظاہر کر رہی ہے کہ اجماع یا اتفاق کے دعوے معین لوگوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جبکہ اہل بیت اور تمام بنو ہاشم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب پ

=

رکبتُ علی اسم الله فی سفن النجا
وهم أهل بیت المصطفی خاتم الرسل

''میں اللہ کا نام لے کر نجات کی کشتیوں میں سوار ہو گیا، اور وہ مصطفی خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں۔''

و أمسکت حبل الله وهو ولاء هم
کما قد أمرنا باالتمسك بالحبل

''اور میں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور وہ اُن کی محبت ہے، جیسا کہ ہمیں رسی کو تھامنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لو شق قلبی لبدا وسطه
سطر ان قد خطا بلا کاتب

''اگر میرے قلب کو چیرا جائے تو اس کے وسط میں کاتب کے بغیر دو سطریں لکھی ہیں۔''

الشرع والتوحید فی جانب
و حب أهل البیت فی جانب

''ایک جانب توحید اور شریعت، اور دوسری جانب حُبِ اہلِ بیت۔''

إن کنت فیما قلته کاذبا
فلعنة الله علی الکاذب

''اگر میں اپنے قول میں جھوٹا ہوں تو جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہے۔''

افضلیت دیتے ہیں۔

انہی قائلین تفضیل میں سے فضل بن ابولہب ہیں، اُنہوں نے ولید بن عقبہ کے قصیدہ کے رد میں فرمایا:

ألا إن خير الناس بعد محمد
مهيمنة التالية فی العرف والنكر

ترجمہ: "یاد رکھو سیدنا محمد ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو پیش آمدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہے۔"

و خيرته فی خيبر و رسوله
ينبذ عهود الشرك فوق أبی بكر

ترجمہ: "خیبر میں انہیں منتخب کیا گیا اور ان کے رسول ﷺ نے مشرکین کے معاہدوں کو توڑنے کی ذمہ داری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں سونپی۔"

و أول من صلّیٰ صنونبيه
و أول من أردى الغواة لدى بدر

ترجمہ: "اور سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی نبی کا مثل، اور سب سے پہلے جس نے گمراہوں کو بدر میں ہلاک کیا۔"

فذاك علی الخير من ذا يفوقه
أبو حسن حلف القرابة والصهر

ترجمہ: "پس وہ "علی الخیر" (بلند خیر والا) قرابت اور دامادی کی لڑی میں جڑا ہوا ابوالحسن ہے، کون ہے جو اس سے فائق ہو؟"

بکر بن حماد التاھرتی رحمۃ اللہ علیہ ابن ملجم خارجی کی مذمت میں فرماتے ہیں:

قل لابن ملجم والأقدارُ غالبةٌ

هدمتَ و يلك للإسلام أركانا

ترجمہ: ''ابن ملجم سے کہہ دو! اللہ کے فیصلے غالب ہیں، تجھ پر ہلاکت ہو تو نے اسلام کے ارکان کو گرا دیا۔''

قتلتَ أفضل من يمشي على قدمٍ

و أول الناس إسلاماً و إيماناً

ترجمہ: ''تو نے قدموں کے ساتھ چلنے والوں میں سے افضل، اور اسلام و ایمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول شخص کو شہید کر دیا۔''

و أعلم الناس بالقرآن ثم بما

سنّ الرسولُ لنا شرعاً و تبياناً

ترجمہ: ''اور قرآن کے پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے جو قرآن کی تفسیر اور شریعت چھوڑی، اس کے سب سے بڑے عالم کو (شہید کر دیا)۔''

صهرَ النبي و مولاه و ناصره

أضحت مناقبه نوراً و برهاناً

ترجمہ: ''نبی ﷺ کے داماد اور ان کے (ایسے) محبوب و معاون کو (شہید کر دیا) جن کے مناقب نور اور برہان کے طور پر مشہور ہیں۔''

و كان منه على رغم الحسود له

مكان هارون من موسىٰ بن عمرانا

ترجمہ: ''حاسدین کی کراہت کے باوجود ان کی منزلت نبی کریم ﷺ کے نزدیک ایسی تھی جیسی ہارون کی موسیٰ بن عمران علیہما السلام

کے نزدیک۔"

وكان في الحرب سيفاً صارماً ذكراً
ليثاً إذا لقى الأقران إقرانا

ترجمہ: "اور وہ میدانِ جنگ میں مذکر اور تیز دھاری تلوار تھے، مدمقابل کے سامنے آنے پر بہادر شیر تھے۔"

ذكرتُ قاتلَهُ والدمعُ منحدرٌ
فقلتُ: سبحان ربِّ النّاسِ سبحانا

ترجمہ: "میں نے اُن (سیدنا علی علیہ السلام) کے قاتل (کی کارروائی) کو یاد کیا درآنحالیکہ آنسو رواں تھے تو میں نے کہا: لوگوں کا رب ہی خوب پاک ہے۔"

إني لأحسبه ما كان من بشرٍ
يخشى المعادَ ولكن كان شيطاناً

ترجمہ: "میں گمان کرتا ہوں وہ قاتل انسان نہیں تھا آخرت سے ڈرتا (خوب عبادت گزار) تھا لیکن شیطان تھا۔"

(طبقات الشافعیۃ ج ۱ ص ۲۸۸، ال إصابۃ ج ۸ ص ۴۱)

۴۶۔ محقق اہل سنت سعد الدین تفتازانی نے "شرح النسفیۃ" میں ترک توقف کو ترجیح دی ہے اور افضلیت علی علیہ السلام کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ شیخ رمضان شرح "العقائد النسفیۃ" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"(اور اگر انہوں نے افضلیت سے کثرتِ ثواب مراد لی ہے تو پھر توقف کی وجہ ہے)۔ اس لیے کہ کثرتِ ثواب اور عنداللہ کسی کے مرتبہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، (اور اگر اس چیز کی کثرت کا

ارادہ کیا گیا ہے جسے ارباب عقل فضائل میں شمار کرتے ہیں تو نہیں) یعنی پھر اس مسئلہ میں توقف کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عالم، ان سب سے بڑھ کر بہادر، ان سب سے بڑھ کر تارک الدنیا زاہد، ان سب سے بڑھ کر ساجد اور سخی اور اسلام میں ان سب سے سابق ہیں۔"(۱)

(حاشیہ شیخ رمضان علی شرح العقائد النسفیہ ص ۲۹۴)

۴۷۔ علامہ محقق شیخ محمد معین بن محمد امین ٹھٹھوی سندھی حنفی (۲) متوفی (۱۱۶۱ھ) کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، جس کا نام "الحجة الجليلة فی ردّ من قطع بالأفضلية" ہے، اس میں انہوں نے لکھا ہے:

"راجح اور حق عقیدہ حضرت علی کی خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا ہے۔ بلاشبہ حضرت ابوبکر اور ان کے بعد دو حضرات کی شان میں وارد ہونے والی احادیث سے ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظنی فضیلت کا یقین بھی حاصل نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت علی پر ان کی قطعی فضیلت کا یقین کیا جائے، ان احادیث کا افضلیت کی منطوق (نص صریح) دلیل ہونا باطل ہے، اور بیشک حدیث "أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى" (کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک) قطعی طور پر حضرت علی کی

(۱) قوسین میں سعد الدین تفتازانی کا اور دوسرا کلام محشی رمضان آفندی کا ہے۔

(۲) فخر الدین حسنی کی "تحفة الخواطر" (ج ۶ ص ۶۶۵) اور "دراسات اللبيب فی الأسوة الحسنة بالحبيب" کی تحقیق کے خاتمہ میں ان کے حالات موجود ہے۔

حضرت ابو بکر اور ان کے بعد دو حضرات رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا فائدہ دیتی ہے، اور جو شخص شیخین کریمین کو سیدنا علی پر فضیلت نہ دے یا سیدنا علی کو ان دونوں پر فضیلت دے، اُس پر بدعتی کا فتویٰ لگانا قولی جسارت ہے۔ کیونکہ اُن کی اُن دونوں پر افضلیت کا حکم اکثر گوشہ نشین اولیاء کرام کا قول ہے۔"

ایسے احکام میں ان فتویٰ بازوں پر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا پہلو ہلکا ہو گیا ہے، حتیٰ کہ وہ ان کے معاملہ میں اکثر امور میں متساہل ہو گئے ہیں اور ان کی کما حقہ رعایت نہیں کی، حتیٰ کہ وہ افضلیت کے باب میں اس قدر بے پروا ہو گئے کہ بدعت کا حکم حضرت زید بن علی زین العابدین پر بھی لگا دیا۔ اس لیے کہ ان کا اپنے جد کریم سیدنا علی بن ابی طالب کی حضرت ابو بکر و عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم پر تفضیل کا قول ہے، جیسا کہ ان کے مذہب اور ان کے پیروکاروں کے مذہب سے معلوم ہے۔ پھر فرمایا:

"اگر اس جبری فتویٰ کا رُخ اُن کے علماء مثلاً احناف میں سے ابن ہمام اور شوافع میں سے مزنی، چہ جائیکہ ابو یوسف اور محمد کی طرف ہوتا تو وہ اس حکم کے اطلاق سے باز رہتے۔" ملاحظہ ہو: (ذب ذباب الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات ج ۱ ص ۲،۳)

علامہ سندھی نے اپنے مذکورہ رسالہ میں فرمایا ہے:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے ہیں اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابی کی نسبت سے ہے اور اہل بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، اور اس آیت سے استدلال کیا: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ..." (اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ اُن کی اتباع کی ہم اُن کے ساتھ اُن کی

ذریت کو ملا دیں گے)۔ ملاحظہ فرمائیے! (ذب ذبابات الدراسات، ا/۱۱۷)

۴۸۔ علامہ علی قاری نے "شرح القونوی علی الطحاویة" کے بعض محشی حضرات سے نقل کیا ہے،، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک اور محشی نے کہا: توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ واجب ہے کہ افضلیت مرتضوی رضی اللہ عنہ کی قطعیت کی جائے، کیونکہ ان کے حق میں تواتر کے ساتھ ایسی احادیث و آثار آئے ہیں جو ان کے مناقب کی وسعت، فضائل کی کثرت، کمالات سے متصف اور اعزازات کے مخصوص ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ ان کے سیاق کلام کا مفہوم ہے۔

اسی لیے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں رافضیت کی بو تھی، لیکن یہ بہتان ہے۔ پس حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل اور کمالاتِ عالیہ کی کثرت میں کوئی شک نہیں، اور اس حقیقت میں ایسا تواتر منقول ہے جس کا انکار ممکن نہیں، اور اگر یہ رافضیت اور ترکِ سنت ہو تو اربابِ روایت و درایت میں قطعاً کوئی بھی سنی نہیں پایا جائے گا۔ لہٰذا تم دین میں تعصب سے باز رہو۔"

(شرح الفقہ الأکبر ص ۱۸۸)

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے "إحياء علوم الدین" کی شرح میں ملا علی قاری کے اس مفہوم کو دوسرے علماء کرام سے نقل کیا ہے۔

(إتحاف السادة المتقین شرح إحیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۵۸)

۴۹ (اہل حدیث مصنف) علامہ امیر صنعانی کی کتاب "التحفة العلوية" میں آیا ہے:

کل ماللصحب من مکرمة

فله السبق تراه الأوليا

ترجمہ: ''صحابہ کرام کو جو کوئی عظمت حاصل ہے تم انہیں اس میں مقدم دیکھو گے۔''

جُمعت فيه وفرقت فيهم

فلهٰذا فوقهم صار علياً

ترجمہ: ''اُن (سیدنا علی) میں تمام فضیلتیں جمع کر دی گئیں اور اُن میں متفرق طور پر رکھی گئیں، اسی لیے وہ سب پر فائق ہو کر علی (بلند) ہو گئے۔''

شارح محمد بن اسماعیل امیر صنعانی اور ''سبل السلام'' کے مصنف ''الروضة الندية شرح التحفة العلوية'' میں ان اشعار کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اور مصنف کا قول ''فلهذا فوقهم صار علياً'' (اسی لیے وہ سب پر فائق ہو کر علی (بلند) ہو گئے) پہلے مصرعہ کی شرح ہے۔ شاعر نے مشہور مسئلہ تفضیل کی جانب اشارہ کیا ہے، اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں سب لوگوں نے اختلاف کیا ہے (۱) پس محدثین اور اکثر معتزلہ کے نزدیک افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے، (۲) اور حضرت علی علیہ السلام فضیلت میں چوتھے ہیں، اور قلیل ترین لوگ اُنہیں حضرت عثمان پر مقدم قرار دیتے ہیں، اور فضیلت میں تیسرا درجہ دیتے ہیں، اور جس مذہب پر اہل

(۱) امیر صنعانی کے مطالعہ اور اُن کے انصاف میں غور کیجئے کہ جب انہوں نے لوگوں کے اختلاف کو رفع کرنے اور حق کو اپنے اور اپنے ہم مسلک لوگوں پر موقوف رکھنے، اور اجماع و اطلاق اور مخالف کی مذمت کرنے کی استطاعت نہیں پائی، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، تو انہیں جس طرف دلائل لے گئے وہ اسی طرف چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر رحمت فرمائے جنہوں نے حق کو پہچانا اور انصاف کیا۔

(۲) صحیح یہ ہے کہ محدثین کا ایک بڑا گروہ خصوصاً کوفی محدثین حضرت علی علیہ السلام کو فضیلت دیتے ہیں، اور اکثر معتزلہ خصوصاً بغدادیوں کا مذہب بھی یہی ہے۔

بیت کرام، بعض معتزلی ائمہ اور محدثین کرام کی ایک جماعت جیسا امام حاکم ابو عبد اللہ بن البیع اور دوسرے حضرات کا مذہب ہے کہ حضرت وصی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پوری امت سے افضل ہیں (۱) اور یہی حق ہے جس کی جانب ناظم "رحمہ اللہ تعالیٰ" (اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے) نے اشارہ فرمایا ہے"۔

(الروضة الندية شرح التحفة العلوية ص ۳۸۶)

(۱) علامہ قاضی مجتہد محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مطبوع رسالہ ہے، جس کا نام "العقد الثمین فی إثبات وصاية أمير المؤمنين" ہے۔ یہاں میں شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس رسالہ کے چند مقاصد نقل کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

"مجھ سے علمی سرگرمیوں سے بھرپور شہر زبید (۱) کے باشندوں میں سے علم و شرف کی جامع ہستیوں میں سے بعض سادات کرام نے فرمائش کی کہ میں ان کے لیے ام المومنین زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو وصیتِ نبوی کے صدور کا انکار منقول ہے، اس کی وضاحت کروں۔ جب لوگوں نے اُم المومنین کے سامنے بیان کیا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں تو انہوں نے یوں انکار کیا۔ صحیحین اور سنن نسائی میں اسود بن یزید سے روایت کردہ الفاظ "متیٰ أوصیٰ إلیہ" (حضور نے انہیں کب وصیت کی تھی؟) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینے پر سہارا دے رکھا تھا تو آپ نے ایک تھال منگوایا تو میری گود سے کھسک گئے اور مجھے محسوس بھی نہ ہوا کہ آپ وصال فرما گئے "فمتیٰ أوصیٰ إلیه" (تو آپ نے کب انہیں وصیت کی؟) دوسری روایت کے مطابق ام المومنین نے مطلقاً وصیت کے صدور کا انکار کیا ہے اور اس کو سیدنا علی علیہ السلام کے ساتھ مقید نہیں کیا، پس فرمایا: کیسے حضور نے وصیت فرمائی حالانکہ آپ میرے سینے سے آسرا لگائے وصال فرما گئے"۔

جواب سے قبل ہم بطور تمہید کچھ باتیں عرض کرتے ہیں تا کہ سائل کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہماری گذارش ہے کہ اولاً تو سائل کو یہ جاننا چاہیے کہ صحابی کا قول حجت نہیں ہے، اور "مُثبِت" (ثابت کرنے والا) کو "نَافِی" (نفی کرنے والا) پر ترجیح ہوتی ہے، جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہوتا ہے اور موقوف روایت کو بالفرض حجت تسلیم کیا بھی جائے تب بھی وہ مرفوع روایت کے مقابل نہیں آ سکتی۔ یہ تمام قواعد "علم الاصول" میں مسلّمہ ہیں، اور انہوں نے ایسے بعید دلائل پیش فرمائے جن کے توڑ سے علماء فحول کے ہاتھ بھی عاجز ہیں۔ =

= ثانیاً سائل کو جاننا چاہیے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ایسے اُمور کی تردید میں جلدی اور اُن کے انکار میں مبالغہ کرتی تھیں جو اُن کے اجتہاد کے خلاف ہوتے. جیسا کہ بہت سے مجتہدین سے ہو جاتا ہے، اور کبھی ایسے عموم سے دلیل لاتیں جو منقول کے مقابل نہیں لائے جا سکتے۔(۱)

اور ابن ابی اوفیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً یعنی سیدنا علی علیہ السلام کی طرف نسبت کیے بغیر عدم وصیت میں ام المومنین کی موافقت کی ہے۔ چنانچہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے طلحہ بن مصرف سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''میں نے ابن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی؟ اُنہوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: تو پھر کیسے حضور نے لوگوں کے لیے وصیت لازم فرمائی اور اس کے بارے میں حکم بھی فرمایا اور وصیت کی نہیں گئی؟ انہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی''۔

آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی اوفیٰ کا قول ''أوصیٰ بکتابِ اللّٰہ تعالیٰ'' (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی) حدیث کے اول میں اُن کے قول ''لا'' (نہیں) کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ لفظِ وصیت امورِ متعددہ کے ساتھ ہی معتبر نہیں ہوتا حتیٰ کہ امرِ واحد پر لغت، شرع اور عرف کی رو سے اس کا صدق ممنوع ہو۔ لہٰذا اُن کے لفظ ''لا'' (نہیں) کی تاویل ناگزیر ہے، ورنہ ان کا قول ''أوصیٰ بکتابِ اللّٰہ تعالیٰ'' (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی) درست نہیں رہے گا۔ اور بعض حضرات نے اس کی تاویل فرمائی ہے کہ اس سے ابن ابی اوفیٰ کی مراد ثلث کی وصیت کی نفی ہے، اور اُن کے کلام کو تناقض سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ خوبصورت تاویل ہے۔

جب آپ نے یہ تمہیدی گفتگو سمجھ لی ہے تو اس سوال کا اصل جواب دو بحثوں پر منحصر ہے:

پہلی بحث: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً وصیت کا ثبوت

دوسری بحث: سیدنا علی علیہ السلام کے ساتھ مقید وصیت کا ثبوت (۲)

تنبیہ: جان لیجئے کہ مبغضین کی ایک جماعت نے اس قول کو کہ ''حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں، لوگوں کی خرافات میں شمار کیا ہے۔ اور یہ افراط اور تخریب کاری ہے، انصاف اس کا انکار کرتا ہے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے؟ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ذکر کیا کہ حضرت علی وصی ہیں، اور جیسا کہ بخاری و مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی مذکور ہے، اور اس میں صحابہ کا اختلاف مشہور ہے اور لوگ اسی راستے پر چلتے رہے۔

شاید اس مسئلہ کی بحث کے اوائل میں لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو قبول کر لیا =

(۵۰) ابوسلیمان خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں متأخرین کے کئی مذاہب ہیں۔

(۱) میرے خیال میں یہ بنو اہدل کے حسنی وحسینی سادات سے تھے، اور اُن سے شوکانی کے اچھے تعلقات تھے۔ اس کی تائید شہر زبید کے مفتی علامہ سید عبدالرحمن بن سلیمان اہدل حسینی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کی کتاب "النفس الیمانی والروح الریحانی باجازۃ القضاۃ الثلاثۃ بنی الشوکانی" سے ہوتی ہے، جو طبع ہو چکی ہے۔

(۱) یہاں شوکانی کے الفاظ نرمی اور وشائستگی کے محتاج ہیں۔

(۲) پھر شوکانی نے احادیث نقل فرمائیں۔

ا۔ اُن میں سے بعض نے صحابیت کی جہت سے حضرت ابوبکر کی تقدیم اور قرابت کی جہت سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی تقدیم کا قول کیا ہے۔

ب۔ ایک قوم نے کہا: بعض کو بعض پر مقدم نہ کیا جائے۔

ج۔ اور ہمارے بعض مشائخ فرمایا کرتے تھے: ابوبکر بہتر ہیں اور علی افضل ہیں، فرمایا: بابِ خیریت اور ہے اور اور بابِ فضیلت اور۔" (معالم السنن ص ۱۸)

میں کہتا ہوں: خطابی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۳۸۸ھ محدثین اور فقہاء شوافع میں سے ہیں۔ اُن کا مقصود اختلاف واقوال کا اثبات ہے، اور یہ کہ سیدنا علی اور سیدنا ابوبکر کی تفضیل میں لوگوں کا نزاع ہے، اور اہل علم کا ایک ٹولہ ان دونوں حضرات کی ایک دوسرے

= اور وہ ان کے سینوں میں بڑا ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے اسے لوح محفوظ کا مکتوب گردان لیا اور اس کے علاوہ دوسرے اقوال سے اپنے کانوں کو بند کر لیا اور اسے دلیل قطعی کی مانند بنا دیا، حالانکہ ایسا طریقہ انصاف کے راستوں سے دور ہٹا دیتا ہے"۔

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہاں مقصود پورا ہوا۔ اور وصیت کے متعلق امیر صنعانی کی کتاب "الروضۃ الندیۃ شرح التحفۃ العلویۃ ص ۱۲۸، ۱۳۸" بھی ملاحظہ فرمائیں۔

پر تقدیم سے اجتناب کرتا تھا۔

عبداللہ بن محمد الناشیء الاکبر اپنی کتاب ''اصول النحل'' میں فرماتے ہیں:

''بشر بن معمر اور دوسرے حضرات نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی تمام لوگوں سے افضل تھے اور حضرت ابو بکر فضیلت میں اُن کے بعد تھے الایہ کہ کچھ قریش اُن کی بہ نسبت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ اس لیے کہ حضرت علی نے اُن میں سے بعض کو تکلیف پہنچائی تھی اور نبی کریم ﷺ کے غزوات میں انہیں تہ تیغ کیا، لہٰذا اصحابِ محمد ﷺ نے انہیں خلیفہ مقرر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا تاکہ وحدت قائم رہے، انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا حالانکہ وہ فضیلت میں حضرت علی سے کم تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت سے پیچھے رہنا اس بنا پر نہیں کہ وہ اس کو نبھانے کے اہل نہیں تھے۔''

انہوں نے کہا: اس سبب کی رو سے اُس صورتِ حال میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُمت کی اصلاح کے لیے زیادہ موزوں تھے۔

اس مسئلہ میں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بعد والے تمام لوگوں سے افضل ہیں، انہوں نے دلیل دیتے ہوئے کہا ہے: ہم نے فضیلت کو دین میں پایا جو فقط علم اور عمل سے حاصل کی جا سکتی ہے، پھر جب ہم نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں اُن احادیث کی روشنی میں غور کیا جو ہم تک پہنچی ہیں تو ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم و عمل میں اُن سب سے راجح پایا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم پوچھتے ہیں: مسلمانوں میں اسلام کے لحاظ سے

مقدم کون؟ تو ایک جماعت نے کہا: علی، دوسری قوم نے کہا: ابو بکر، تیسری قوم نے کہا: زید، اور ایک قوم نے کہا خباب رضی اللہ عنہم۔ تو ہم نے کہا: اس سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِن حضرات میں سے ایک شمار کریں۔ پھر ہم یہ فیصلہ نہیں کرتے کہ حضرت علی اسلام میں ان سب پر مقدم ہیں اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ وہ اسلام میں اُن سب سے متأخر ہیں، اگرچہ احادیث میں حضرت علی کا اسلام میں اُن سب پر مقدم ہونا زیادہ مشہور اور بکثرت منقول ہے۔

اور جب ہم نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑھ کر جہاد کرنے والا اور سب سے بڑھ کر اپنے (کفار) رشتے داروں کو ہلاک کرنے والا اور میدانِ جنگ میں سب سے بڑھ کر کوشش خرچ کرنے والا کون؟

تو لوگوں نے کہا: علی، زبیر، عمر، ابو دجانہ اور براء بن مالک رضی اللہ عنہم، تاہم اس پر اُن کا اتفاق ہے کہ جس قدر ہم پلہ اور ہم زمانہ بہادروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا اتنا اِن حضرات کے حصہ میں نہیں آیا۔

تو ہم نے کہا: کم از کم اتنا تو ثابت ہوا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِن حضرات میں ایک شمار کریں، اور اُنہیں جو دوسرے فضائل حاصل ہیں ہم اُنہیں شامل نہیں کر رہے۔

اور جب ہم نے دریافت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑا عالم کون؟

تو لوگوں نے جواب دیا: معاذ بن جبل، عمر، عبد اللہ بن مسعود، علی رضی اللہ عنہم، تاہم اس پر وہ متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا تھا اور حضرت علی سوال نہیں کرتے تھے۔

تو ہم نے کہا: کم از کم اتنا تو ثابت ہوا کہ علم میں ہم انہیں اُن کی طرح کا ایک شخص سمجھیں، اور اُن کی شان میں اس سلسلہ میں جو احادیث آئی ہیں اُنہیں ہم شمار نہیں کر رہے۔

اور جب ہم نے دریافت کیا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر زاہد کون؟

تو ایک قوم نے کہا: ابوذر، دوسری قوم نے کہا: عمر، تیسری قوم نے کہا: سلمان، چوتھی قوم نے کہا: ابو الدرداء اور ایک قوم نے کہا: علی رضی اللہ عنہم تاہم وہ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علی عرب و عجم کی حکومتوں اور بیت المال کے مالک تھے مگر جب اُن کے پاس مال آتا تو وہ سارے کا سارا لوگوں میں تقسیم فرما دیتے اور اس میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھتے، پھر بیت المال میں جھاڑو پھیر کر اس پر چھڑکاؤ کراتے اور فرماتے: ''اے سونا اور چاندی! تم میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دو، اور مال تقسیم کرتے وقت فرماتے:

هذا جناى و خياره فيه
إذ كل جان يده إلى فيه

ترجمہ: ''یہ میرا پھل ہے اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ ہر پھل توڑنے والے کا ہاتھ اس میں شامل ہے۔''

تو ہم نے کہا: کم از کم حضرت علی ان زاہدین میں سے ایک تو ہیں۔

استدلال کرنے والے حضرات فرماتے ہیں: پس جب ہم نے

دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر فضیلت میں شریک ہیں اور اُن کے کچھ فضائل ایسے ہیں جن میں اُن کا کوئی بھی شریک نہیں تو ہم نے جان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد والے لوگوں میں وہ افضل ترین ہیں، لہٰذا ہم پر واجب ہوگیا کہ ہم اُنہیں تمام اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دیں۔"

(أصول النحل ص ۵۶، ۵۷)

۵۳ علامہ مؤرخ علی بن حسین المسعودی (۱) میں فرماتے ہیں:

"جن باتوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ فضیلت کے متحق ہوئے وہ یہ ہیں:

ایمان میں سبقت، (خدا و رسول کے لیے) ہجرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت، آپ کی قربت، قناعت، آپ کے لیے جان خرچ کرنے کی عزیمت، علمِ کتاب و سنت، راہِ الٰہی میں جہاد و عزم شِہادت، زھد و ورع کی دولت، فیصلہ و عدالت کی صلاحیت اور علم و فقہ میں مہارت۔ ان میں سے ہر ہر بات میں سیدنا علی علیہ السلام کو وافر نصیبہ اور بڑا حصہ حاصل تھا، ان کے علاوہ پھر کچھ فضائل ایسے ہیں جن میں وہ منفرد ہیں

(۱) مسعودی معتدل مؤرخ اور علامہ تھے، اور ناصبیوں کی عادت ہے کہ وہ ہر اُس شخص پر شیعیت کی تہمت لگا دیتے ہیں جو اہل بیت کرام علیہم السلام کی طرف مائل ہو، اور مسعودی کی طرف "الوصيّة" کتاب کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، اُن پر شیعیت کا الزام یا تو مذکورہ کلام کی مانند اظہارِ خیال کی وجہ سے لگایا گیا ہے، یا اس لیے کہ انہوں نے "مزاهر الأخبار وطرائف الآثار للصفوة النورية والذرية الزكية، أبواب الرحمة وينابيع الحكمة" اور "حدائق الأذهان في أخبار آل محمد علیہم السلام" جیسی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ابو بکر بن عربی نے اپنی کتاب (العواصم من القواصم ص ۲۴۹) میں جو علامہ مسعودی کے حق میں ہرزہ سرائی کی ہے اور محب الخطیب نے حاشیہ میں جو اُن کی روش اپنائی ہے، وہ سب نالائق کلام ہے۔

اور وہ زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔ مثلاً جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اخوت قائم فرمائی تو انہیں فرمایا:

أنت أخي۔

''آپ میرے بھائی ہیں۔''

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مثیل ونظیر نہیں ہے، اور آپ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا:

أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لانبي بعدي۔

ترجمہ: ''تمہارا مرتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من كنتُ مولاه فعليٌّ مولاه. اللّٰهم والِ من والاه وعادِ من عاداه۔

ترجمہ: ''میں جس کا مولیٰ ہوں تو علی اس کا مولیٰ ہے، اے اللہ! تو اُسے دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور اُس سے دشمنی رکھ جو اس سے دشمنی رکھے''۔

اس کے ساتھ ساتھ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دعا جو آپ نے اُس وقت فرمائی جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بھنا ہوا پرندہ پیش کیا:

اللّٰهم أدخِلْ إليَّ أحب خلقك إليك يأكلُ معي مِن هذا الطائر. فدخل عليه عليٌّ۔

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے پاس اپنی مخلوق کے محبوب ترین فرد کو بھیج

دے تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے سے کھائے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے"۔

پس یہ اور اس کے علاوہ دوسرے فضائل اور مخصوص خوبیاں اُن میں جمع تھیں اور دوسرے حضرات میں متفرق تھیں"۔ (مروج الذھب ج ۲ ص ۲۳۷)

۵۳ افضلیتِ مرتضوی پر علامہ صاحب بن عباد کے بیان کا خلاصہ

صاحب بن عباد متوفی ۳۸۵ھ اپنی کتاب "الزیدیة" میں فرماتے ہیں:

"فصل اس بیان میں کہ امیر المومنین علیہ السلام اللہ کے نزدیک افضل الصحابہ اور ثواب کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہیں: اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

ترجمہ: "اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے ثواب میں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو جہاد کی بدولت مجاہد کے سوا ہر فرمانبردار پر فضیلت بخشی ہے۔ لہٰذا مفہومِ آیت یہ ہوا: گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جہاد کا ثواب جہاد کے علاوہ ہر طاعت کے ثواب سے زیادہ ہے، اور اگر معاملہ اسی طرح ہے تو پھر ہر وہ شخص جس نے عملاً ثابت کر دیا کہ اس کا فائدہ جہاد کے معاملہ میں عظیم ترین ہے تو واجب ہوگا کہ اس کا ثواب بھی سب زیادہ ہو۔ اور ہم نے بالیقین احادیثِ متواترہ سے جانا ہے کہ جہاد کے معاملہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا فائدہ اُس پوری جماعت سے بڑا تھا جن کے اور آپ کے درمیان مسئلہ تفضیل کی اختلافی بحث چھیڑی جاتی ہے، جیسا کہ حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ امیر علیہ السلام کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا، اور اُن سے ایسے کبائر کا صدور (ماننا) جائز نہیں جو حبط (بربادیٔ اعمال و) ثواب کا سبب ہوں۔ لہٰذا قطعی طور پر واجب ہوا کہ آپ اِن (تینوں) حضرات سے افضل ہیں۔

پھر جب ثابت ہوا کہ آپ اِن حضرات سے افضل ہیں تو آپ کا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہونا واجب ہوا، جبکہ ایسا کوئی فرد نہیں جس کے حق میں فرمانِ الٰہی ہو کہ وہ اِن حضرات سے اور پوری جماعتِ صحابہ سے افضل ہے، اور جب یہ صحیح ہے تو جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا کہ سیدنا علی علیہ السلام قطعی طور پر عند اللہ افضل الصحابہ ہیں۔

دوسری دلیل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

أنت مني بمنزلة هارون من موسیٰ إلا أنه لا نبي بعدي۔

ترجمہ: ''تمہاری منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ علیہما السلام سے الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے لازم آتا ہے کہ ہر وہ منزلت (۱) جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھی وہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے لیے ثابت

(۱) کیونکہ استثناء معیارِ عموم ہے۔ پس ہر وہ مرتبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہے وہی علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ثابت ہے، ماسوا اس کے جسے دلیل سے خاص کر دیا گیا، پس حدیث کا ظاہر افضلیتِ مرتضوی کا فائدہ دیتا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا ہے:

و قد کفی فیه حدیث المنزلة
فما لهارون جمیعا فهو له

''اُن کی شان میں حدیثِ منزلت کافی ہے، پس جو کچھ ہارون علیہ السلام کے لیے ثابت وہی اُن کے لیے بھی ثابت ہے۔''

إلا النبوة التي استثناها
عنه النبي فهو منتهاها

''ماسوا نبوت کے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے مستثنیٰ فرما دیا، پس اُن کے مراتب کی یہی حد ہے۔'' =

ہے، ماسوا اُن مراتب کے جو دلائل سے مخصوص ہوں، اور ان میں سے ایک منزلت یہ ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی امت کے افضل فرد ہیں۔"

(الزیدیۃ لصاحب بن عباد ص ۱۱۵، ۱۲۹)

تفضیل مرتضوی پر صاحب ابن عباد کے مزید دلائل اُن کی مذکورہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۴۔ علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی حسینی حضرمی شافعی اپنے رسالہ "تقویۃ الأیمان" میں فرماتے ہیں:

"برادرِ نبی سیدنا علی علیہ السلام کی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کے قائلین کثیر ہیں۔ جن میں سب اہل بیت، تمام بنو ہاشم، جمیع بنو عبد المطلب

=

و آیة العموم الاستثناء
و لیس فی إتصاله خفاء

"استثنا عموم کی دلیل ہے، اور اُن کے اتصال (بالنبی) میں کوئی خفاء نہیں۔"

ہمارے شیخ علامہ سیدی عبد اللہ بن صدیق "البرهان الجلی" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"حدیث "أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ" اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سیدنا علی کا نبی ﷺ سے وہی مرتبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا اخوت اور خلافت میں تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے: "وَقَالَ مُوسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾". (اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا)۔ اور اخلاق و علوم اور ہر اُس خوبی میں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مابین مشترک تھی سوائے نبوت کے، اسی لیے حضور ﷺ نے اِن الفاظ میں خود ہی استثنا فرمایا "إلا أنه لا نبی بعدی" (مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور استثناء عموم کا معیار ہے۔ جیسا کہ علم اصول سے ثابت ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا علی علیہ السلام امت کے سب سے بڑے عالم ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام سب سے بڑے عالم تھے"۔

اور افاضل و برگزیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شامل ہے (۱) جیسا کہ حضراتِ مقداد، زید بن ارقم، سلمان، ابو ذر، خباب، جابر، ابوسعید خدری، عمار، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابو ایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم بن التیہان، خزیمہ بن ثابت، قیس بن سعد، ابوالطفیل وغیرھم رضی اللہ عنہم۔ اسے علماء کرام نے اپنی کتب میں مختلف مقامات پر نقل فرمایا ہے، مثلاً امام ابن عبدالبر اور امام ابن الاثیر وغیرہما، اور اس کا اکثر حصہ الحبیب علوی بن احمد حداد نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں بحوالہ ابن عبد البر اور عصامی نقل کیا ہے۔ حبیب علوی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

اور اس سلسلے میں ہم نے جو نصوص پیش کیں ان میں بھی غور فرمائیے آپ پر حقیقت عیاں ہو جائے گی، اور مرجوح قواعد، متروک اطلاقات اور جہلاء کی قباحتوں کے دھوکہ میں مت آئیے۔

"سبطین (حسنین کریمین)، زین العابدین علی بن حسین، ان کے فرزند محمد الباقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے کچھ منقول نہیں، الا یہ کہ وہ شیخین سے محبت اور ان کی تعریف کرتے تھے، اور ان سے حضرت علی پر شیخین کی تفضیل بھی منقول نہیں۔" (۲)

(تقویۃ الایمان ص ۵۷، ۵۹)

---

(۱) سید محمد بن عقیل کے کلام میں غور و خوض فرمائیے:

ا۔ تمام اہل بیت اطہار علیہم السلام ب۔ تمام بنوہاشم

ج۔ جمیع بنوعبدالمطلب د۔ افاضل و برگزیدہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے! "أحسن القول والخطاب فی بیان أفضلیۃ الأصحاب أنها ظنیۃ علی الصواب" مخطوط۔

تفضیل امام علی علیہ السلام کا معنی حبیب عبداللہ بن علوی الحداد کے ایک خط میں مذکور ہے جو انہوں نے کسی شخص کو "قطب" کے متعلق سوال کے جواب میں لکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے قطب سیدنا علی علیہ السلام ہیں، اور کہا گیا ہے کہ ابوبکر اور پھر بالترتیب باقی خلفاء رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر امام حسن و حسین، پھر امام زین العابدین علیہم السلام...... علوی حداد فرماتے ہیں: قطب اُسے کہتے ہیں جو ہر زمانے کے اہل ایمان میں افضل شخص ہو۔"

علوی حداد نے حضرت علی علیہ السلام کو قطعی طور مقدم ذکر کیا پھر بالترتیب آپ کی اولاد کا ذکر کیا اور حضرت ابوبکر اور اُن کے بعد کے خلفاء رضی اللہ عنہم کی تقدیم کا ذکر بقول دیگر صیغۂ تضعیف و تمریض (قِیْلَ) کے ساتھ کیا، لہٰذا اس میں غور فرمائیے! اور تفضیل علی کا یہ معنی جو ہم نے ابن عقیل شافعی سے روایت کیا ہے اُسے ہم نے "النصائح الکافیة" میں دیکھا ہے۔

اور اسی پر حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اکابر و افاضل علماءِ تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت قائم ہے، اور ہر طبقہ میں اس مذہب کے قائلین ہیں، اور یہ حضرات جس طرف گئے ہیں اُس پر ایسے دلائل صحیحہ اور واضحہ موجود ہیں جن کی کثرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ سید محمد بن عقیل آل باعلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا۔

۵۵ ہمارے شیخ علامہ محدث صوفی، الشریف سیدی عبدالعزیز بن صدیق الغماری الادریسی الحسنی کی افضلیت علی علیہ السلام میں بحث

ہمارے شیخ نَوَّرَ اللهُ مَرْقَدَهٗ اپنے رسالہ "الإفادة بطُرُق حديث: النظر إلیٰ علی عبادة" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

۴۔ یہ ایسے جلیل القدر امام ہیں جنہوں نے علوم و معارف ربانیہ کو اس شان سے جمع کیا کہ اس طرح کوئی دوسرا شخص نہ کر سکا، اور ایسے اعلیٰ شرف و بزرگی اور مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہوئے جس پر ان کی مثل کوئی دوسرا پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں "سید العرب" اور بعض روایات کے مطابق "سید المؤمنین" کے لقب سے نوازا۔

اور وہ سید الانبیاء والمرسلین کے داماد، سیدۃ نساء العالمین علیہا الصلاۃ والسلام کے شوہر اور سَیِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ صلی اللہ علیہما وسلم (نوجوانانِ اہلِ جنت کے سادات) کے والد گرامی ہیں۔

ایسے شرف اور ایسی سیادت کو سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی شخص جمع نہیں کر سکا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے سسر ہیں لیکن وہ سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کے شوہر اور "سید اشباب أهل الجنة" کے والد نہیں، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں "سید العرب" یا "سید المؤمنین" کے الفاظ ارشاد فرمائے (۱) اور ایسا ہی حضرات عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہے۔

---

(۱) بندہ ضعیف کہتا ہے: اس حدیث کے متعدد طرق ہیں جو ضعف سے خالی نہیں، لیکن حاکم نے (المستدرك ج۳ ص۱۲۴) اور ابن المغازلی نے (مناقب علی ص۲۱۴) میں از ابو حفص عمر بن حسن راسبی، از ابو عوانہ، از ابو بشر، از سعید بن جبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أنا سيد ولد آدم و علی سيد العرب" (میں اولاد آدم کا سید ہوں اور علی عرب کے سید ہیں) امام حاکم فرماتے ہیں: "یہ حدیث صحیح السند ہے اور شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔ اس کی سند میں عمر بن حسن ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ سچا ہے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو میں اس حدیث پر شیخین کی شرائط کے مطابق صحت کا حکم لگاتا لیکن ذہبی (اللہ ان کی بھول کو معاف فرمائے) =

اور جب بہترین صحابہ میں یہ اوصاف معدوم ہیں اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے یہ خصائل مفقود ہیں تو پھر ان کے علاوہ کسی دوسرے میں ان کا پایا جانا محال ہے، بلکہ حضرت علی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "إِنَّهُ سَيِّدُ الْعَرَبِ" کے مطابق اُن سب کے سید ہیں اور دوسرے ارشادِ نبوی "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" کے مطابق اُن سب کے مولیٰ ہیں۔"

ب۔ اور یہی حضرات سلمان، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خدری، زید بن ارقم اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔(۱)

= نے "مختصر المستدرك" میں کہا ہے: "میں گمان کرتا ہوں کہ اس حدیث کو اسی (رابعی) نے وضع کیا ہے۔"

میں کہتا ہوں: گمان کو چھوڑیئے! درست بات یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ ذہبی کا نفس مفہوم حدیث کو برداشت نہیں کرسکا تو انہوں نے جھٹ پٹ حدیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ پھر انہوں نے وضع حدیث کا سبب تلاش کیا تو انہیں رابعی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میں نے ذہبی سے قبل کسی کو عمر بن حسن رابعی پر جرح کرتے ہوئے نہیں پایا۔ ذہبی کی جرح کا زور متن حدیث "علی سید العرب" پر ہے، حالانکہ متن میں کوئی انہونی بات نہیں ہے، جیسا کہ عنقریب وضاحت آئے گی، اور رابعی میں امام حاکم کا قول "أرجو أنه صدوق" (میں امید کرتا ہوں کہ وہ سچا ہے) ہی لائق التفات ہے۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ منزلت تھی جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ پس ہر وہ مرتبہ جو موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا تھا وہی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اور ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنی قوم پر سردار تھے، اسی طرح حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنی قوم پر سردار ہیں۔ لہٰذا متن حدیث میں کوئی انہونی بات ہے اور نہ ہی ذہبی کے دعویٰ کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے، اور اس کی سند قوی ہے۔

"المستدرک" پر ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی فضائل اہل بیت علیہم السلام کی احادیث پر جو تعلیقات ہیں، اُن کے تعاقب (تحقیقی جائزہ) میں ایک کتاب لکھنا ممکن ہے، تعاقب کرنے والا انصاف پسند شخص حیرت زدہ رہ جائے گا۔

(۱) ہمارے شیخ غماری فرماتے ہیں: "بلکہ ہر وہ شخص جس نے سیدنا علی علیہ السلام کی حمایت میں قتال کیا اور اُن کے پرچم کے سائے میں آیا، اسی عقیدہ پر تھا۔

پس جس شخص نے صحابہ اور تابعین علماء کی یہ تعداد جاننے کے بعد بھی سیدنا علی علیہ السلام کو جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل قرار دینے والے پر کذب، زیادتی اور ضلالت کا دعویٰ کیا تو یقیناً وہ خود ہی گمراہ ہے، اور اگر اس مسئلہ میں کسی صحابی کا قول نہ بھی ہوتا تب بھی تفضیل کے قائل کو گمراہ کہنا انتہائی غلو، جہالت اور بدترین تعصب ہوتا۔

کوئی شخص ہمیشہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے حق میں بہترین گفتگو کرے اور جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرے، پھر وہ اپنے نزدیک ثابت شدہ دلائل کی وجہ سے فضیلت میں کسی ایک صحابی کو سب پر ترجیح دے تو یہ بات اس کے دین میں خلل کا باعث ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے عقیدے کو مخدوش کر سکتی ہے، خصوصاً زیر بحث مسئلہ تو قدیماً اور حدیثاً (تب سے اب تک) اختلافی چلا آرہا ہے۔

سو حضرت علی علیہ السلام کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا قائل کوئی ایسا قول نہیں لے آیا جو پہلے سے موجود نہ ہو اور نہ ہی اُس نے اپنی طرف سے کوئی نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ اُس نے فریقین کے دلائل کا جائزہ لیا اور جس پہلو کی طرف دلائل نے اس کی راہنمائی کی اُس نے اسی کو ترجیح دی۔ لہٰذا وہ اس مسئلہ میں دوسرے مجتہدین کی طرح ایک مجتہد ہے، اگر حق پر ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر خطا پر ہے تو پھر اس کے لیے ایک اجر ہے۔

ج۔ اور یہ مسئلہ ایسے قطعی مسائل میں سے نہیں جن میں حق ایک ہی کے ساتھ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس میں اجتہاد و فکر ناجائز ہوتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ قطعی ہوتا تو عصرِ اوّل سے مسلمان اس میں اختلاف نہ کرتے، یہ قطعی نہیں بلکہ دوسرے ایسے نظریاتی مسائل کی طرح ہے جن میں دلائل کی نگاہ سے حق ظاہر ہوتا ہے اور اس کی اتباع کی جاتی ہے۔

د۔ امام عبد الرزاق حضرت معمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت عمر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا اور اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت علی میرے نزدیک حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں تو میں اسے نہیں ڈانٹوں گا جب کے وہ شیخین کی فضیلت کا اقرار کرے، ان کے ساتھ محبت رکھے اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرے جس کے وہ اہل ہیں۔ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں: میں نے معمرؒ کی اس بات کا ذکر وکیعؒ سے کیا تو اس بات نے اُنہیں تعجب میں ڈال دیا اور اُنہوں نے اسے بہت پسند کیا"۔(۱)

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جمہور حضرت علی علیہ السلام پر خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل ہیں، بر تقدیرِ صحت ہم عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں جمہور کی اتباع کا مکلف نہیں بنایا(۲) ہمیں فقط دلائل و براہین کی اتباع کا مکلف بنایا ہے۔

---

(۱) اس صحیح اثر پر گفتگو پیچھے گذر چکی ہے۔

(۲) سیدی عبد العزیز فرماتے ہیں:

"ایک اور سبب ہے جو انسان کو حق کی اتباع اور اس پر عمل سے روکتا ہے، اگر چہ حق اپنے واضح ہونے میں آفتابِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہو، اور وہ ہے انسان کا اپنے آباء و اقارب سے اثر قبول کرنا، اور اُس خاندانی ماحول سے متاثر ہونا جس میں اس نے تربیت پائی اور جوان ہوا۔ ماحول کا ایسا انتہائی گہرا اثر ہوتا ہے جو شرعی دلائل میں ایسے غور و خوض سے روکتا ہے جو انسان کے سینے کو یوں کھول دے کہ وہ کسی کے قول اور رائے کی پروا کیے بغیر اُس پر عمل پیرا ہو جائے۔ اس پر بالدلائل تفصیلی گفتگو کسی اور مقام پر کی جائے گی۔ نیز اس موضوع پر تھوڑی سی روشنی ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں ڈالی ہے۔"

۵۔ افضلیتِ مرتضوی کرم اللہ وجہہ پر چند دلائل

جب آپ یہ تصریحات جان چکے ہیں تو پھر کتب عقائد کے مؤلفین جس قول کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں کہ جمہور کے مطابق فضیلت میں سیدنا علی علیہ السلام چوتھے ہیں، محلِ نظر ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ کسی شخص کی افضلیت ایسے منفرد و مخصوص خصائل سے ثابت ہوتی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص میں نہ ہوں، اور جس قدر یہ خوبیاں زیادہ ہوں گی اسی قدر ان خوبیوں والا شخص دوسروں سے افضل ہوگا۔ مثلاً اگر آپ اہل عقل کی مجالس میں بیان کریں کہ: زید عالم ہے، شریف النسب ہے، کریم ہے اور بہادر ہے، اور مزید اُس کی ایسی خوبیوں کا ذکر فرمائیں جو اس میں جمع ہوں، اور ساتھ ہی عمرو کے فقط عالم اور شریف ہونے کا ذکر کریں اور دوسری کوئی خوبی بیان نہ کریں تو لاریب اہلِ مجلس عمرو پر زید کی افضلیت کا اعتقاد رکھیں گے کیونکہ اس میں ایسی منفرد خوبیاں جمع ہیں جو عمر میں نہیں۔

ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کا تَتَبُّع کیا (جستجو کی) تو ہم نے کسی کی شان میں ایسی احادیثِ صحیحہ نہ پائیں جیسی سیدنا علی علیہ السلام کی شان میں پائیں جو جملہ صحابہ پر آپ کی فضیلت کی شاھد ہیں۔

پس آپ کے علم، تقویٰ، شجاعت، اللہ اور اس کے رسول سے محبت، اللہ اور رسول کی اُن سے محبت، اُن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ منزلت جو ہارون علیہ السلام کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھی، اُن کا سید العرب اور سید المؤمنین ہونا، اُن کا ہر اُس شخص کا مولیٰ ہونا جس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولیٰ ہیں، علاوہ ازیں اتنے فضائل ہیں جن کا شمار و احاطہ دشوار ہے، ان کا دسواں حصہ بھی مطلقاً کسی صحابی کی شان میں وارد نہیں ہوا،

خواہ اس کا مقام و مرتبہ کتنا ہی بلند ہو۔(۱)

اور ہمارے پیش کردہ دلائل کے برعکس جو شخص مسئلہ تفضیل کو قطعی قرار دے تو اسے چاہیے کہ اگر وہ سچا ہو تو دلیل لائے! اور وہ اس میں ہر گز دلیل نہیں پائے گا۔

پھر تم پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کسی صحابی کی شان میں جو کوئی فضیلت وارد ہوئی اس کی مثل سیدنا علی علیہ السلام میں موجود ہے، بخلاف سیدنا علی علیہ السلام کے، کہ اُن کی شان میں جو فضائل وارد ہوئے وہ مطلقاً کسی دوسرے کی شان میں وارد نہیں ہوئے، پس اُن کی ذات دوسروں کے محاسن کی جامع اور اپنے محاسن کی مانع ہے۔(۲) اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آپ کے بعض شیعوں نے فرمایا:(۳)

ما كنت أحسب أنّ الأمر مُنْصَرِفٌ

عن هاشم ثم منهم عن أبي الحسن

ترجمہ: ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ خلافت پہلے بنو ہاشم سے، پھر بنو ہاشم کے بعد

---

(۱) امام الحافظ شیخ المقرئین، شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری نے اپنی تصنیف ''أسنى المطالب فی مناقب سیدنا علی بن أبی طالب'' جو کہ انتہائی لطیف اور مفید رسالہ ہے، میں فرمایا ہے:

''اُن (سیدنا علی) پر جمیع فضائل کی انتہائی ہوتی ہے۔ علم کی اقسام، تمام محاسن، قرآن و حدیث کے بیان فرمودہ تمام مکارم اخلاق، فقہ، قضاء، تصوف، شجاعت، ولایت، جود و سخا، زہد و ورع، حسن خلق، عقل، تقویٰ اور رائے کی درستگی۔ اسی لیے قلوبِ سلیمہ اُن کی محبت پر اور فطرتِ مستقیمہ اُن کے طریقہ پر چلنے میں متفق ہیں۔ پس اُن کی محبت سعادت مندی اور ایمان کی علامت ہے، اور اُن سے بغض رکھنا سراسر بدبختی، منافقت اور رسوائی کا باعث ہے۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ اور دلائل واضحہ کے ساتھ گذر چکا ہے۔''

(۲) اسی لیے سید اسماعیل امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ''التحفة العلوية'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ صحابہ میں جو فضیلتیں متفرق تھیں وہ اُن کی ذات میں جمع تھیں، پس اسی فوقیت نے انہیں اُن سب پر علی (بلند) کر دیا۔

۲۔ صحابہ میں سے جس نے جو کچھ پایا، پایا، اور جس نے مسابقت کی وہ پیچھے رہ گیا۔

(۳) یہ عتبہ بن ابی لہب ہاشمیؓ ہیں۔

ابوالحسن سے دور ہو جائے گی۔''

ألیس أول من صلّی لقبلته
و أعلم القوم بالأحکام والسنن

ترجمہ: ''کیا وہ پہلے شخص نہیں جنہوں نے اپنے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، اور کیا وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر قرآن وسنت کے عالم نہیں؟''

ما فیهم من صنوف الفضل یجمعها
و لیس فی القوم مافیه من الحسن

ترجمہ: ''وہ صحابہ میں موجود تمام خوبیوں کے جامع ہیں، اور جو محاسن اُن میں ہیں وہ پوری قوم میں نہیں۔''

و۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیقیت کے ساتھ خاص ہیں:

ہم کہتے ہیں: حضرت رضی اللہ عنہ بھی صدیق ہیں، صدیقہ کے شوہر اور صدیقین کے والد ہیں، پس جو شخص ان حضرات کی صدیقیت کی نفی کرے تو وہ جاہل ہے۔ دراصل صدیقیت صحابہ کرام کا مخصوص درجہ ہے، اور اس میں کس کو شک ہے کہ علی علیہ السلام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص میں سے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ اخص الخواص سے ہیں۔

سو اس تعریف کے تقاضا کے مطابق اُن کے لیے صدیقیت ثابت ہے، اور اگر ثابت نہ بھی ہوتی تو آپ جان چکے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام مرتبہ صدیقیت سے زیادہ اعلی واعظم ہیں۔

دراصل صدیقیتِ کبریٰ سیدتنا فاطمہ، سیدینا علی، حسن اور حسین علیہم السلام کا مقام ہے، اور یہی مقام ہے جس کو شیخ اکبر نے مقام قربت کا نام دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مقام نبوت کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

اور آپ پر یہ امر مخفی نہ رہے کہ مقاماتِ معنویہ میں سے بہت سے مقامات

درجات اور مراتب میں باہم متفاوت (کم زیادہ) ہوتے ہیں۔ مثلاً صدیقیت میں ہی کئی مقامات و مراتب ہیں جیسا کہ سیدنا علی علیہ السلام کے اس ارشاد "أنا الصديق الأكبر" (میں سب سے بڑا صدیق ہوں) سے ظاہر ہے۔

پس صدیقیت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام فضیلت والے اُن مؤمنین کے علاوہ ہے جن کی صدیقیت کی شان میں اللہ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں"۔

اور (توحید و رسالت کے قلبی اقرار کی وجہ سے) جو مقامِ صدیق ہے، اُس کے علاوہ بھی مقام صدیق ہوتا ہے جو ہمیشہ اپنے کلام میں سچائی کے باعث صدیق لکھ دیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اور یہ تمام باتیں معروف ہیں محتاجِ بیان نہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کی شان میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ صدیقیت سے عظیم تر ہے۔ اس لیے کہ صدیقیت مقامِ قربت سے کم تر ہے۔ جیسا کہ سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے "كشف الحجاب والرّان عن وجه أسئلة الجان" میں سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ درجہ مقامِ قربت سے کم تر ہے اور اُنہوں نے مقام قربت کو نبوت سے جڑا ہوا قرار دیا اور اس کے بعد صدیقیت ہوتی ہے۔

اور سیدنا علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم الصلاۃ السلام کی شان میں احادیثِ کثیرہ آئی ہیں جن سے اِن حضرات کا مقام قربت ثابت ہے، بلکہ رسول کریم صلوات اللہ علیہ و آلہ نے ان کی محبت کو اللہ کی محبت اور ان کے بغض کو اللہ کے بغض کی مانند قرار دیا، اور اُن کے ساتھ محبت کی مضبوطی کو اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو تھامنا قرار دیا ہے جو ٹوٹتی نہیں ہے، اور سیدنا علی علیہ السلام کے ساتھ بغض کو منافقت کی علامت قرار دیا۔

سو جس ہستی کی محبت محبت الٰہی کی علامت ہو اور جس کے ساتھ بغض کفر اور منافقت کی علامت ہو تو پھر مسلمان شخص شک نہیں کرے گا کہ وہ اہل قربت سے ہیں، جنہیں صوفیہ کرام رضی اللہ عنہم نے مقامِ صدیقیت والوں سے برتر و اعلیٰ قرار دیا ہے۔

۷۔ اور خلافتِ ظاہری میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا سیدنا علی علیہ السلام پر مقدم ہونا اور اس ترتیب پر اجماع کا واقع ہونا لاریب حق ہے، لیکن یہ اجماع دور و نزدیک سے اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ حضرات سیدنا علی سے افضل ہیں کیونکہ ترتیبِ خلافت میں سبقت مطلقاً افضلیت کا فائدہ نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اولوالعزم رسل کی مانند بنایا اور ان تمام کے آخر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اہل توحید کے اجماع کے مطابق آپ ہی افضل ہیں۔

لہٰذا جو لوگ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو سیدنا علی علیہ السلام پر ترتیب خلافت میں تقدم کی وجہ سے افضل مانتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اُن تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دیں کیونکہ ترتیب میں آپ اُن سب کے بعد آئے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کی نمازوں میں آخری نماز عصر کو ٹھہرایا، اور نمازِ عصر کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہوئیں اس سے پہلی نمازوں کے لیے وارد نہیں ہوئیں، جیسا کہ یہ حدیث: ”جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی تو گویا کہ اس کے مال و عیال ضائع ہو گئے“ یہ حدیث صحیح میں ہے۔

اور صحیح کی ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ جس نے عصر کی نماز ترک کی تو اس کا عمل برباد ہوگیا۔ یہ فضیلت نماز ظہر کے لیے وارد نہیں ہوئی حالانکہ وہ اس سے پہلے ہے۔ پس ترتیب میں سبقت افضلیت پر دلالت نہیں کرتی جب تک کہ اس پر دلیل نہ ہو، اور یہاں دلیل کہاں ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ خلفاء کی یہ ترتیب اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ سابق لاحق

(پہلا دوسرے) سے افضل ہے، اور سب توفیق، اعانت اور تائید اللہ ﷻ کے کرم سے ہے۔ ہمارے شیخ سیدی عبدالعزیز بن صدیق رحمہ اللہ و رضی عنہ کی بحث اختتام پذیر ہوئی۔

۵۶ آل باعلوی کے اکابر حسنی حسینی سادات کی ایک جماعت حضرت علی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتی ہے، ان میں سے بعض صراحۃً اظہار کرتے ہیں اور اکثر سکوت اختیار کرتے ہیں۔(۱)

جن حضرات نے افضلیت علی علیہ السلام کا صراحۃً اظہار کیا یا اپنی کتب اور دروس میں اس مذہب کی طرف مائل ہوئے وہ یہ ہیں: امام سید علی بن حسن العطاس، امام سید زین العابدین العیدروس اور علم کے بحر زخار، ماہر علوم وفنون سید ابو بکر بن عبدالرحمن بن شہاب، جنہوں نے "وجوب الحمية" (ص ۱۸) میں فرمایا: "مسئلہ تفضیل کے اختلافی ہونے کا انکار نہیں کرے گا مگر وہ جو محض جاہل ہو۔"

اور علامۃ المکرم سید محمد بن عقیل بن یحییٰ جن کی کتب محتاج بیان نہیں اور ان کے ساتھ آل ابن یحییٰ کی ایک بڑی جماعت اور اُن کے بھتیجے اور داماد سید عیدروس بن عمر بن عقیل، اور مفتی علامہ سید ابراہیم بن عمر بن عقیل بن یحییٰ اور مفتی حضرموت مجتہد سید عبدالرحمٰن بن عبد اللہ السقاف اور علامہ مفتی مؤرخ سید علوی بن طاہر الحداد مصنف "القول الفصل بما للعرب وبني هاشم من الفضل" اور اُن کے بھائی علامہ سید عبد اللہ بن طاہر الحداد، علامہ سید صالح بن علی بن صالح الحامد مصنف "تاریخ حضر موت" اور محدثِ حضرموت علامہ سید علی بن محمد بن یحییٰ الازہری المصنِّف اور سید

(۱) کثیر اہل سنت کا طرز یہی ہے، خصوصاً وہ حضرات جو عملاً یا محبۃً سالکانِ تصوف ہیں۔ ان کا ایک جم غفیر قلبی اور عملی طور پر اہل کساء کی طرف مائل ہے۔ حجاز، یمن، شام، مصر، مغرب، عراق اور ہندوستان کے کثیر علماء نے مجھے بتایا ہے کہ اُن کا مذہب یہی ہے لیکن وہ سکوت اختیار کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔ (اِس ناکارہ کو بھی "شرح خصائص علی" کے بعد یہی تجربہ ہوا ہے، فیضی)۔

محمد بن عبدالرحمن بن شہاب الدین اور ماہر انساب محقق سید ضیاء بن شہاب الدین مصنف "حواشی علی شمس الظّٰہیرۃ" اور فقیہ علامہ معمر محمد بن احمد الشاطری اور صاحب نظر عمیق سید سقاف بن علی الشیخ الکاف، مصنف "تاریخ حضر موت" اور ان کے علاوہ ہمارے شناسا معاصرین علماء کرام جیسا کہ کتب مشہورہ کے مصنف سید حسن بن علی السقاف۔

انہوں نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ ان کے بزرگ امام، مہاجر احمد بن عیسیٰ بن محمد بن علی العُرَیضی بن جعفر الصادق علیہم السلام متوفی ۳۴۵ھ کا ان کی اولاد، نواسے اور بصرہ سے یمن کی طرف ہجرت میں جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کا یہی مذہب ہے (۱) اور یہ حضرات بنو اھدل اور بنو قدیمی سادات کے آباء واجداد ہیں۔ یہ اپنے آباء علیہم السلام کے مذہب پر تھے اور امامت و نقابت انہیں میں تھی، اور اہل بیت کا مولیٰ علی کی تقدیم پر اتفاق ہے، جیسا کہ ساتویں باب میں آرہا ہے۔

۷ تفضیل کا یہی مذہب علامۃ المجتھد، ناصر العترۃ سید احمد بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں مطلقاً افضل سیدتنا فاطمہ علیہا السلام، آپ کے دونوں بیٹے حسن اور حسین اور ان دونوں کے والد علی رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔ اس لیے کہ:

- اگر افضلیت کا تعلق نسب سے ہو تو نسباً یہ مخلوق میں منتخب ترین ہیں۔
- اور اگر افضلیت کا انحصار صحبت پر ہے تو یہ حضرات صحبت کا مغز ہیں۔
- اور اگر افضلیت علم سے ہے تو یہ علم کا منبع ہیں اور ان کے سینوں سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں اور سیدنا علی علیہ السلام مطلقاً اعلم الصحابہ ہیں۔
- اور اگر افضلیت کا تعلق ثوابِ آخرت سے ہے تو کسی شخص کو ان کی محبت اور

(۱) علامہ سید صالح الحامد کی (تاریخ حضر موت ج:۱، ص:۳۲۳) ملاحظہ فرمائیں۔

ان کے جدِ کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر ثواب حاصل ہی نہیں ہو سکتا اور اس امت کے کسی بشر کا جنت میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک درجے میں ہونا محال ہے، اور سیدتنا فاطمہ آپ کے جسم اقدس کا حصہ ہیں اور مخلوق میں آپ کو محبوب ترین ہیں اور حسن و حسین دنیا میں آپ کے دو پھول ہیں، باقی سب لوگ خواہ وہ جو ہوں ان سب کے بعد ہیں ماسوا انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے، بلکہ نبی کریم ﷺ کی دوسری بیٹیاں اور آپ کی ازواج مطہرات بھی فضیلت میں ان کے بعد ہیں۔ پھر ان کے بعد افضلیت کی مذکورہ ترتیب چلتی ہے۔"

پھر سید احمد بن صدیق فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ پر ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی جس پر لوگوں کو عقیدہ رکھنا واجب ہو۔'' (البحر العمیق فی مرویاتِ ابن الصدیق ج ۱ص ۵۴)

۵۸ ہمارے شیخ محقق علامہ سید عبد اللہ بن صدیق الغماری قدس سرہ (حدیث منزلۃ کی تشریح میں) فرماتے ہیں:

"إلا أنه لا نبی بعدی" (سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) یہ استثنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فضیلت میں نبی کریم ﷺ کے نزدیک حضرت ھارون علیہ السلام کی مانند ہیں، علم، خلافت اور ہر شے میں ماسوا نبوت کے، اور اس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ سیدنا علی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے عالم اور اُن سب سے افضل ہیں۔ رہی خلافت تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فقط حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں خلافت سنبھالی تھی اور اسی طرح سیدنا علی علیہ السلام کو بھی نبی کریم ﷺ سے خلافت فقط آپ کی حیات میں ہی حاصل ہوئی تھی، اور اسی سے مشابہت کامل ہوگئی۔"

(الغرائب والوحدان ص ۹۱)

۵۹ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اہل انصاف کے نزدیک تحقیق مقصد کے لیے

اس میں بے نیاز کر دینے والا مواد ہے۔اب میں اس بحث کو علامہ فقیہ مورخ شیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمہ اللہ کے کلام پر ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

"اموی دور میں متعدد سیاسی فرقوں کا ظہور ہوا، اگرچہ ان کی جڑیں ماضی میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں تاہم ان کے بال و پر اس وقت نکلنا شروع ہوئے جب اسلام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کی گئی۔ "إذ کان من الصحابة من یری تفضیل علی" (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض تفضیل علی کے قائل تھے) انہیں میں حضرت زبیر بن عوام، مقداد بن اسود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم ہیں۔" (الامام زید [علیہ السلام] ص ۱۰۷)

شیخ ابو زہرہ کی عبارت نقل کرنے میں ہمارا مقصود یہ جملہ ہے: "إذ کان من الصحابة من یری تفضیل علی" (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض تفضیل علی کے قائل تھے)۔

فائدہ

ہمارے شیخ سید عبد العزیز بن الصدیق نور اللہ مرقدہ اپنے رسالہ "الوقایة المانعة" میں فرماتے ہیں:

"امام بزار اپنی مسند میں، اور الفاظ انہیں کے ہیں، اور امام طبرانی، اور اُن کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف لائے، پھر فرمایا: "میں نے جنت میں تمہارے محلات کو دیکھا...... اور اسی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر فرمایا:

يا على أو ما ترضىٰ أن يكون منزلك فى الجنة مقابل منزلى۔

ترجمہ: ''یا علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ جنت میں آپ کا محل میرے محل کے بالمقابل ہوگا؟''

ہمارے شیخ فرماتے ہیں:

''یہ ایسی نص ہے جو نواصب کی کمر توڑ دے گی اور ان کے جگر کو ریزہ ریزہ اور ان کی زبانوں کو گنگ کر دے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بجائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مختص فرمایا کہ ان کا گھر جنت میں آپ کے گھر کے سامنے ہو۔ پھر ہمارے شیخ نے فرمایا: اور ہماری بیان کردہ یہ حدیث اگر صحیح نہ بھی ہو تو ہمارے نزدیک حسن ہے۔''

میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ عارف باللہ، محدث سیدی عبد العزیز قدس اللہ سرہ اپنے خانوادہ کی طرح اہل بیت کو مقدم مانتے تھے، اور میں نے اہل بیت کے لیے اُن کی خالص محبت دیکھی، وہ اہل بیت کے ذکر سے بہت متأثر ہوتے تھے، گریہ کی وجہ سے اُن کی آنکھیں چھلکنے لگتیں اور وہ بوجہ محبت و ہیبت تڑپنے لگتے۔ اُنہوں نے اپنے خانوادہ کی طرح علم، عمل، تصوف اور اہل بیت کے ساتھ عقیدت و محبت کو اپنے سینے میں جمع کر رکھا تھا۔ فسلام الله عليهم أجمعين وأعلىٰ درجاتهم، و رضى عنهم وعنا بهم۔

ساتواں باب

اہل بیت اطہار علیہم السلام کا مذہب تفضیل علی علیہ السلام ہی ہے

1. تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل اُن ہمقرین قرآن برگزیدہ نسل ائمہ مطہرین علیہم السلام کا مذہب ہے جن کی پیروی میں اللہ تعالیٰ نے لغزش سے ضمانت رکھی ہے، اوراس کے علاوہ ان کا مذہب نہیں جانا جاتا۔ گزشتہ باب میں افضلیت مرتضوی پر امام حسن بن علی علیہم السلام کا خطبہ گزر چکا ہے اور یہی وہ مذہب ہے جس کی امامِ شہید زید بن علی بن حسین علیہم السلام متوفیٰ ۱۲۲ھ نے اپنے رسائل میں تصریح فرمائی، اور یہی مذہب اُن سے اور اُن کے اصحاب سے ان کی اپنی تصانیف میں اور تمام ملل ومذاہب کی کتب میں منقول ہے، اور یہ اہل بیت علیہم السلام کے اجماعات سے ہے۔

2. اسی مذہب کو امام مجدد ہادی یحییٰ بن حسین بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن المثنی بن حسن سبط علیہم السلام متوفیٰ ۲۹۸ھ نے اپنے والد سے اورانہوں نے اپنے والد گرامی امام المعقول والمنقول مجتہد قاسم بن ابراہیم الرَّسی متوفیٰ ۲۴۶ھ سے نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں:

"ایسا ہی آل رسول علیہ و علی آلہ السلام کے علماء کرام کا (تفضیل مرتضوی میں) واحد قول ہے جس میں وہ اختلاف نہیں کرتے۔ اس لیے کہ سیدنا علی علیہ السلام ایمان باللہ میں سابق تھے،

کیونکہ اُن پر (آغوشِ نبوی کی بدولت) احکام الٰہی کا علم غالب تھا اور وہ (بعد از انبیاء کرام) معرفتِ الٰہی میں تمام بندگانِ خدا میں بڑے عارف تھے اور خشیتِ الٰہی میں سب سے زائد تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بے شک اللہ غالب بخشنے والا ہے۔"

پھر جو خشیتِ الٰہی میں سب سے بڑھ کر ہو وہی ہدایت میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور جو ہدایت میں سب سے بڑھ کر ہو وہی أَتْقٰی (سب سے بڑا متقی) ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَمَنْ یَّھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَہِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی ۚ فَمَا لَکُمْ ۣ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: "بھلا جو حق کا راستہ بتائے وہ اس لائق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یا وہ کہ جب تک کوئی اسے راستہ نہ بتائے، راستہ نہ پائے تو تم کو کیا ہوا ہے کیسا انصاف کرتے ہو؟"

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ۚ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ۚ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "اور سبقت کرنے والے ہی سبقت کرنے والے ہیں، نعمت کی بہشتوں میں (بھی) وہی مقرب ہیں۔"

اور جو تمام مومنین سے بڑھ کر اپنے رب کی طرف سبقت کرنے والا ہو وہی

اُن سب سے بڑھ کر اُس کا محبوب ہے، اور اُن سب سے زیادہ اُس کا مقرب ہے اور سب سے زیادہ مکرم ہے۔"(۱) (الأحکام فی الحلال والحرام ج۱ص ۳۸، ۳۹)

۳ امام منصور باللہ عبد اللہ بن حمزہ الحسینی متوفیٰ ۶۱۴ھ نے اپنے رسائل میں ارشاد فرمایا:

"جو ہمارے نزدیک طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت میں افضل ترین سیدنا علی علیہ السلام ہیں اور اُن کے بعد اُن کے دونوں صاحبزادے افضل ہیں۔ اس لیے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کی شان میں دلائل غالب ہیں۔"

(رسائل المنصور ج۲ص ۳۵۳)

امام، مجتہد یحییٰ بن حمزہ حسینی متوفیٰ ۷۴۷ھ ارشاد فرماتے ہیں:

"جان لیجئے کہ ہم جو اعتقاد رکھتے ہیں اور جسے حق سمجھتے ہیں اور اُسی پر اللہ سے ملاقات کرنا پسند کرتے ہیں، وہ ہمارے اسلاف کرام آباء واجداد اور اکابر و معتدل اہل بیت کرام کا وہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مخلوق میں افضل ترین امیر المومنین (علی علیہ السلام) ہیں، بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے فضائل ظاہرہ سے مخصوص فرمایا جنہیں اُن کے بعد کوئی پا نہ سکا اور اُن سے قبل کسی کو حاصل نہ تھے۔"

(الرسالۃ الوازعۃ للمعتدین عن سب صحابۃ سید المرسلین ص ۳۷، ۳۸)

۴ اس اجماع کو قاضی، متکلم عبد الجبار شافعی نے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"ہمارے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضل امیر المؤمنین پھر

---

(۱) اہل بیت کے کلمات، اُن کے بحر انوار کے چشموں اور ان کے استدلالات کی جھلک میں غور فرمائیے! ان کے مصطفوی خزانے کے موتی اجنبی نہیں ہوتے۔

امام حسن پھر امام حسین علیہم السلام ہیں'' پھر انہوں نے کہا: ''اور اس پر اہل بیت اطہار علیہم السلام کا اجماع دلیل ہے۔''(۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کی تقدیم اور اُن کی تفضیل اجماعاتِ اہلِ بیت علیہم السلام سے ہے اور تمام مذاهب کی بہ نسبت اتباع کے لحاظ سے یہی مذہب افضل ہے۔ اس لیے کہ اہل بیت ''الثقلین'' میں سے ایک ''ثقل'' ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنی تارك فيكم ما إن تمسكتم به لن تضلوا بعدی، الثقلين كتاب الله وعترتی أهل بيتی ولن يتفرقا حتیٰ يردا علی الحوض۔

ترجمہ: ''میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے، اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے اہل بیت، اور یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر اکٹھے میرے پاس آئیں گے۔''

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث متواتر ہے۔ (جامع الترمذی رقم ۳۷۸۸، المستدرک للحاکم ج ۳، ص ۱۱۸)

---

(۱) اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اجماع میں غور فرمائیے اور اس کا تقابل اس شخص کے ساتھ کیجیے جو اپنا منفرد و تنہا مذهب رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے ہم مذهب اور اہل علاقہ ہی مسلمان ہیں، اور اہل بیت کے آخر پر اجماعات کے دعوے کرتا ہے اور تلبیس و اطلاقات (تاویلات) سے کام لیتا ہے۔ واللہ المستعان۔

آٹھواں باب

اجماع کے دعووں کا جائزہ

اگر سوال کیا جائے کہ خلفا کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر اُن کی ترتیب خِلافت کے مطابق اجماع ہو چکا ہے، لہٰذا اِجماع کو تسلیم کرنا واجب ہے؟

جواب: ہرگز نہیں، اُمت اُن کی ترتیب خِلافت کے مطابق اُن کی افضلیت کی ترتیب پر متفق نہیں ہوئی، اُمت کے درمیان اختلاف مشہور ہے، جس انکار نہیں کرتا مگر متکبر، ہٹ دھرم، جاہل اور اوہام کی تقلید کرنے والا، اور مقلد کا اپنا کوئی نظریہ نہیں ہوتا، اور تقدیم کے قائل کے لیے اختلاف کے باوجود اجماع کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے۔ پس اگر آپ گذشتہ سطور جان چکے ہیں تو پھر یہ کلماتِ واضحہ ملاحظہ فرمائیں:

اوّلاً: اجماع یا اس کے ہم معنیٰ کسی لفظ کے قائلین کی مراد اجماعِ مذہبی ہے اور وہ کسی کے نزدیک شرعی حجت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں علماء مذاھب کی عبارات یوں ہیں:

۱۔ ابو منصور بغدادی کا قول ہے:

أجمع أهل السنة والجماعة على أن أفضل الصحابة أبو بكر، فعمر، فعثمان، فعلي۔

ترجمہ: ''اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام میں افضل حضرت ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔'' (اُصول الدین ص ۳۰۲)

ب۔ سعد تفتازانی کا قول ہے:

الأفضلية عندنا بترتيب الخلافة، مع تردد فی ما بين عثمان و علی۔

ترجمہ: ''ہمارے نزدیک افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق ہے، اس تردد کے ساتھ جو حضرت عثمان وعلی کی افضلیت کے مابین ہے''۔

(المقاصد مع الشرح ج ۵ ص ۲۹۰)

ج۔ علامہ عراقی کا قول ہے:

والأفضل الصديق ثم عمر۔

ترجمہ: ''افضل صدیق ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما'' (الألفية للعراقی ج ۳ ص ۸۳)

امام سخاوی فرماتے ہیں:

والأفضل منهم مطلقاً بإجماع أهل السنة۔

ترجمہ: ''اور اُن میں سے بہ اجماع اہل سنت مطلقاً افضل''۔

(فتح المغیث ج ۳ ص ۱۱۵)

د۔ علامہ قونوی ''شرح الطحاویہ'' میں فرماتے ہیں:

أجمع أهل السنة والجماعة على أن أفضل هذه الأمة...

ترجمہ: ''اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ امت کا افضل......''

ہ۔ علامہ سفارینی حنبلی کا قول ہے:

ترتيبهم فی الأفضلية على ترتيبهم فی الخلافة، و هذا قول عامة أهل السنة۔

ترجمہ: ''افضلیت میں اُن کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے اور یہ اکثر اہل سنت کا قول ہے''۔

(لوامع الأنوار البهية شرح الدرة المرضية فی عقيدة الفرقة المرضية ج۱، ص۳۵۵)

آپ نے غور فرمایا کہ جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اجماعِ شرعی نہیں کہ اس کے مخالف کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ وہ اجماع ایک مخصوص جماعت کے اتفاق کے معنیٰ میں ہے، لہٰذا وہ ایک مذہبی اتفاق ہے، اجماع شرعی نہیں۔ اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو اہل سنت کا ایک گروہ اس سے اختلاف وتعارض رکھتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔

ثانیاً: اہل علم کے ایک گروہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجماع اختلاف کے اثبات کے بعد ہے، پھر انہوں نے اس اجماع کو اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف منسوب کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص اجماع ہے۔ جن اہل علم نے یہ تصریح کی ہے اُن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ امام ابوالحسن اشعری نے لکھا ہے:

الإختلاف بين أئمة المسلمين فی تعيين أفضل الصحابة۔

ترجمہ: ''أفضل الصحابہ کے تعین میں مسلمانوں کے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے''۔ (مقالات الاسلامیین ص ۱۴۷)

پھر اُنہوں نے ''اهل الثغر'' کی طرف اپنے ایک مراسلہ میں لکھا: تذکرے میں (ص،۲۹۹) فرمایا:

و أجمعوا علىٰ أن خير العشرة الأئمة الأربعة: أبوبكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی رضوان الله عليهم۔

ترجمہ: ''اور انہوں نے اس پر اجماع کرلیا کہ عشرہ مبشرہ میں بہتر چار خلفاء ہیں: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضوان اللہ علیہم''۔

(رسالۃ الأشعری إلیٰ أهل الثغر ص ۲۹۹)

سو معلوم ہوا کہ یہ اجماع اہل سنت کے ساتھ مخصوص ہے۔اس لیے کہ اثباتِ اختلاف کے بعد واقع ہوا،لہٰذا یہ ایک جماعت یا ایک مذہب والوں کا اتفاق ہے۔

ب۔ علامہ مازری فرماتے ہیں:

''اور جہاں تک بعض صحابہ کی بعض پر فضیلت کا تعلق ہے تو ایک گروہ نے اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کی ہے، انہوں نے بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت نہیں دی،اور کہا کہ: وہ ہاتھ کی انگلیوں کی مانند ہیں لہٰذا ان کے مابین افضلیت کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے،اور ان کے سوا جنہوں نے افضلیت کا قول کیا ہے تو انہوں نے اس مسئلہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔پس خطابیہ نے حضرت عمر بن خطاب کو، راوندیوں نے حضرت عباس کو،اہل سنت نے حضرت ابو بکر کو اور شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہم کو افضل قرار دیا ہے۔''

(المعلم بفوائد صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۷)

مازری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے شیخ المالکیہ تھے،اور وہ اصولی متکلم اور فقیہ تھے، انہوں نے مسئلہ تفضیل میں کچھ اختلاف کا ذکر تو کیا ہے مگر احاطہ نہیں کیا۔

ج۔ ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں:

''ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں، پھر ان کے بعد عشرہ مبشرہ کے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح۔ پھر ان کے بعد بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر جنگ احد میں حصہ لینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر حدیبیہ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل

کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔"(۱)

اور ہمارے اصحاب نے حضرت علی اور حضرت عثمان کے مابین افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔پس امام اشعری نے عثمان کو مقدم مانا ہے اور اس کی بنیاد اس کی اصل (یعنی) مفضول کی امامت کی ممانعت پر رکھی ہے،(۲) اور امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور حسین بن فضل البجلی نے تفضیل علی کا قول کیا ہے، اور امام قلانسی نے فرمایا ہے: میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے اور اُنہوں نے مفضول (کم فضیلت والا) کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔" (اُصول الدین ص ۳۰۴)

ابو منصور بغدادی کے قول "أصحابنا" (ہمارے اصحاب) نے اجماع کو مقید کر کے اُسے ایک مخصوص جماعت کی طرف پھیر دیا ہے، اور وہ فقط اُنہیں کی جماعت ہے۔غور فرمائیے!

د۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین افضلیت کے اختلاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

الإجماع ان عقد بآخرة بين أهل السنة أن ترتيبهم فى الفضل كترتيبهم فى الخلافة۔

ترجمہ: "آخر میں اہل سنت کے مابین اجماع منعقد ہو گیا کہ فضیلت

---

(۱) سیدتنا فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کہاں گئے؟ انہوں نے امام حسن بن علی علیہما السلام کا ذکر کیوں نہ کیا جو اہل سنت کے نزدیک پانچویں خلیفۂ راشد ہیں؟ اس بے پروائی اور نسیان کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ (میرا حسنِ ظن یہ ہے کہ شاید اِن اکابرین کے نزدیک اہل بیت کرام علیہم السلام تفاضل و تقابل کی بحث سے مستثنیٰ ہیں، اور بھلا کیوں مستثنیٰ نہ ہوں جبکہ اُن کے بعض افراد کے مقدس سروں پر بلوغت اور مکلف زندگی سے بھی قبل جنتی سیادت کا تاج سجا دیا گیا تھا، تو یہاں کیسا تفاضل اور کہاں کا تقابل؟ فَتَدَبَّرُوا! فیضی)

(۲) یہ اصول صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ہے اور اس پر تفصیلی گفتگو تیسرے باب میں ہو چکی ہے۔

میں ان کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی مانند ہے''۔(۱)

(فتح الباری ج ۷، ص ۴۴)

اس تمام تر بحث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تفضیل پر کوئی اجماع نہیں ہوا، یہ اختلافی اور ظنی مسئلہ ہے اور جس نے اجماع کا دعویٰ کیا تو اس نے اس کو فقط اہل سنت کے ساتھ مخصوص کیا، اور اس کی مزید توضیح میں ہم عرض کرتے ہیں کہ جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے یہ فقط اہل مذہب کا یا اُن میں سے بعض کا دعویٰ ہے، جس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ بے شک اسلاف کرام خلفاً بعد سَلَفٍ یعنی صحابہ اور ان کے بعد تابعین، پھر تبع تابعین اور پھر اُن کے پیروکاروں نے افضل کے تعین میں اختلاف کیا تھا جس پر متعدد اور مختلف مذاہب ہو گئے تھے، جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ درحقیقت یہ اجماع اہل سنت کی اکثریت کا قول ہے، پس یہ واجب اور حجت نہیں، جیسا کہ علم اصول کا ضابطہ ہے۔ اسی لیے علامہ علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا ہے:

''خلاصہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے افضلیت صدیق پر جس اجماع کا ذکر کیا ہے وہ اجماع اُن حضرات پر محمول ہے جو اہل سنت کی ایک بڑی تعداد ہے، لہٰذا بعض اہلِ بدعت کی مخالفت کی بنا پر اسے اجماعِ اُمت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔'' (شرح الفقہ الاکبر ص ۲۰۴)

میں کہتا ہوں: ملا علی قاری کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک معتد بہ قسم اور یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہے اور دوسری قسم معتد بہ نہیں ہے اور یہ اختلاف کرنے والے ہیں۔ یہ ملا علی قاریؒ کی تصریح ہے کہ اہل سنت کے مابین مسئلہ تفضیل میں اختلاف موجود ہے اور اُن کی نگاہ میں دعوئ

(۱) امام حسن بن علی علیہما السلام کے ذکر سے غفلت کے ساتھ۔

اجماع فقط ایک بڑے طبقہ کا قول ہے۔

پس قواعد کے مطابق یہ اجماع اگر صحیح بھی ہو تو لازم وحتمی نہیں ہے۔اس کی حیثیت ایک جماعت میں اضافہ کے علاوہ کچھ نہیں،لہٰذا اس کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا،مخالفین کو ذہنی طور پر ہراساں کرنا اور ان پر بدعت کے فتوے لگانا مردود عمل ہے۔

ثالثاً: علماءِ اصول نے اجماع کی تعریف میں فرمایا ہے:

هو إتفاق المجتهدين من الأمة بعد وفاة محمد ﷺ في عصر على أي أمر كان.

ترجمہ: ''وہ نبی کریم ﷺ کے وصال اقدس کے بعد امت میں سے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی امر پر متفق ہونا ہے۔''

(المحصول ج ۴ ص ۲۰،جمع الجوامع ج ۲ ص ۲۱۰،التوضیح ج ۲ ص ۴۱)

علماءِ اصول کے قول ''المجتهدين'' میں الف لام استغراق کا ہے،لہٰذا یہ تمام مجتہدین کو شامل ہے،پھر ''الأمة'' کا لفظ امت کے مجتہدین کے ہر فرد کو شامل ہے اور یہ امتِ اجابت ہے،لہٰذا اس میں تمام طبقاتِ اسلامیہ کے مجتہدین شامل ہیں۔پس اگر کسی امر پر فقط مجتہدین حرم یا فقط مجتہدین اہل سنت،یا فقط مجتہدین زیدیہ، عراق،مصر،یا فقط مجتہدین اہل سنت اور معتزلہ متفق ہو جائیں تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔

رابعاً: اگر کوئی متشدد شخص کہے کہ اہل سنت کے ماسوا تو بدعتی ہیں تو ان کے اختلاف کا اجماع میں کیا اعتبار کیونکہ بدعتی کا اختلاف لائق التفات نہیں ہے۔

تو جواباً عرض ہے کہ اصولیین نے ایسے بدعتی مجتہد کے اجماع میں شامل ہونے پر بحث فرمائی ہے جس کی بدعت کفر کو نہیں پہنچی،آیا اس کے بغیر اجماع منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

واللہ اعلم درست یہ ہے کہ اس بدعتی مجتہد کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ اجماع کی تعریف میں داخل ہے۔ اس لیے کہ علماء اصول نے اپنی تصریح میں "مجتهدي الأمة" کا یا "المجتهدين من الأمة" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور اس فرمانِ نبوی ﷺ کی وجہ سے بھی "لا تجتمع أمتي على ضلالة" (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور یہی امام الحرمین، ابو اسحٰق الشیرازی، امام غزالی، ابن الحاجب اور دوسرے علماء کا مختار مذہب ہے۔

اہل ہوا کو اجماع میں شامل کرنے کے وجوب پر ابو محمد بن حزم کی عمدہ بحث ہے۔ جو ان کی ''اصول'' (ج ا ص ۵۸۰) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فرض کیجئے ہم نے اہل بدعت کو اجماع سے خارج کر دیا اور اس اخراج کے قائلین بعض اہل سنت ہیں حالانکہ وہ خود کئی مسائل میں باہم اختلاف رکھتے ہیں اور اُن میں سے ایک گروہ کو اشاعرہ اور حنابلہ کے گرم اختلاف کے باعث اجماع سے خارج کرنا ممکن ہے، بلکہ اہل حدیث کے مابین بھی ایسے کئی مسائل ہیں ان میں سے ایک مسئلۂ لفظ ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارے شیخ محقق علامہ سید عبدالحی بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مطبوع رسالہ ہے "الإقناع بإعتبار خلاف داود في الإجماع" اس میں اُنہوں نے بہت عمدہ و مفید معلومات فراہم کی ہیں۔

تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کے اختلاف کا لحاظ رکھنا واجب ہے، جن میں سے (قدیم اور اولین) شیعہ، خصوصاً زیدیہ اور وہ سیدنا علی اور اہل بیت کرام علیہم السلام کو تمام صحابہ پر مقدم مانتے ہیں اور یہ تقدیم ان کے جمہور کے نزدیک قطعی ہے۔

خامساً: ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو چھوڑ کر وجودِ اجماع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ ثقلین میں سے ثقل ثانی، کتاب اللہ کے قرین (ہمیشہ کے ساتھی) اہل اجتہاد اور اہل استقامت ہیں۔ اُن میں سے سیدنا علی کے بعد حسنین کریمین، زین العابدین،

حسن المثنی، زید بن علی اور اُن کے فرزندان، اور اُن کے بھائی باقر، اُن کے بیٹے صادق پھر اُن کی اولاد، اور عبداللہ الکامل اور اُن کے فرزندان ائمہ خمسہ، اور امام زید بن حسن اور ابراہیم بن حسن اور ان کے فرزندان ائمہ کرام اور انہیں میں سے امام قاسم اور امام ہادی وغیرہم ہیں۔ علیہم السلام۔

تعجب بالائے تعجب ہے اجماع اور محبت اہل بیت کے اُن مدّعیوں پر جو جھٹ پٹ اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور اہل بیت کرام علیہم السلام کی رائے کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ وہ کتاب اللہ کے ساتھی اور سفینۂ نجات ہیں اور وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کا قول ذکر کیا جائے خصوصاً مسئلہ تفضیل میں۔ لیکن لوگوں پر غفلت ونسیان کی مہر لگا دی گئی ہے۔ پس اُن کا ذکر قصائد اور شعراء کی زبان پر تو ہوتا ہے لیکن اصول تو کیا فروع اور اُن جیسے دوسرے مسائل میں اُن کے اقوال کا تذکرہ نہیں کرتے۔ یہ ایسی انتہائی ناشکری اور قبیح ترین بات ہے جس پر میرا سینہ تنگ اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ فإلی اللہ المشتکی وھو المستعان۔

نواں باب
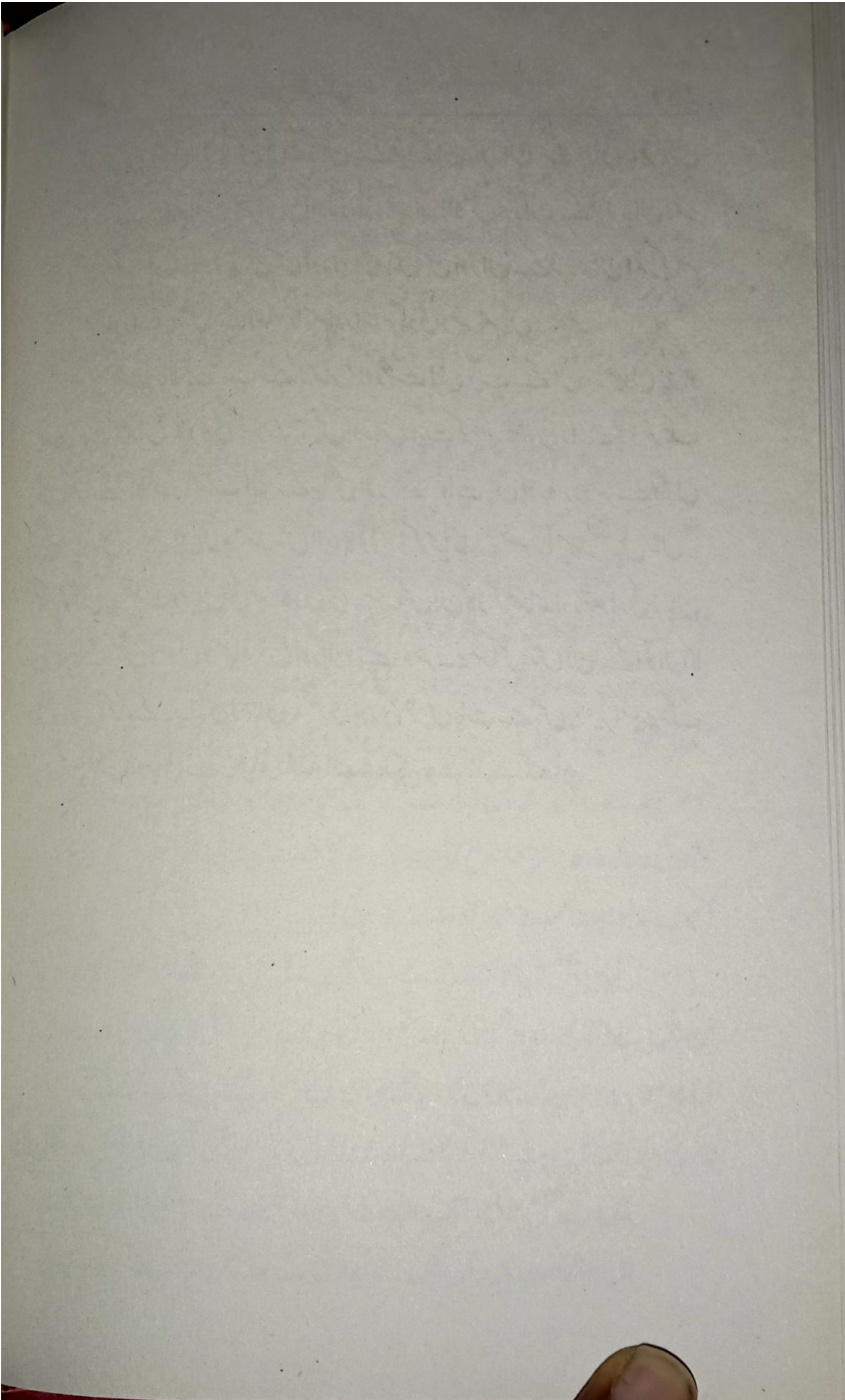
ناپسندیدہ اقوال کا جائزہ

یہ جان لینے کے بعد کہ امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے افضل صحابی کے تعیّن پر متفق نہیں ہوئی اور انہوں نے اس میں اختلاف کرتے ہوئے کئی واضح مذاہب اختیار کیے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نصِ یا قولِ واضح یا اشارہ صحیح یا ضعیف اُس شخص کی مذمت میں منقول نہیں ہوا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی معیّن صحابی کو افضل نہ مانے۔

جب آپ یہ سمجھ چکے ہیں تو پھر اگر بعض لوگ اُن حضرات کی مذمت کریں یا اُنہیں بدعتی اور دوسرے نامناسب اوصاف سے متصف کریں کہ وہ سیدنا علی یا سیدنا عمر یا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو افضل مانتے ہیں تو اس مذمت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ مذمت تو اس صریح دلیل سے ٹکراتی ہے جس کو اپنانا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور وہ عار ہے، البتہ اگر وہ مسلّمہ قواعد سے ماخوذ ہو تو اور بات ہے۔

ناپسندیدہ قواعد اور اقوالِ مردودہ پر ایک نظر (۱)

اولاً حافظ ذہبی کے اقوال

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

(۱) میں نے مشہور علماء پر اکتفاء کیا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ مباحثہ سے اجتناب کیا ہے =

''بدعت دو قسموں پر مشتمل ہے: بدعتِ صغریٰ جیسا کہ تشیع میں غلو کرنا یا تشیع کو بغیر غلو اور شدید میلان کے اختیار کرنا۔ سو یہ دین، تقوی اور صدق کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ان حضرات کی احادیث کو اس قسم کے تشیع کی بنا پر رد کر دیا جائے تو جملہ احادیث نبویہ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، اور یہ ایک کھلی تباہی ہے۔'' (میزان الاعتدال ج ا ص ۵)

میں کہتا ہوں: یہاں حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کچھ حساب کی ضرورت ہے۔

۱۔ بدعت اور ابتداع کی مثال پیش کرنے میں تشیع یا شیعیت تک محدود رہنا شیعیت اور تشیع کے خلاف ذہبی کی حساسیتِ مفرطہ (حد سے متجاوز نفرت) کی نشاندہی کرتا ہے، ورنہ اہل بدعت میں شیعہ سے بڑھ کر بدعتی موجود ہیں، مثلاً قدریہ، جہمیہ، نواصب اور خوارج۔ خصوصاً اِن مذکورہ اہل بدعت کی مذمت میں تو بعض نصوصِ صریحہ بھی آئی ہیں۔

۲۔ ذہبی کا مطلقاً بلا غلو اور بلا بغض تشیع کو بدعت شمار کرنا خطا ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اصل تشیع محمود ہے، مذموم نہیں۔ ازہری ''تہذیب اللّغۃ'' میں لکھتے ہیں:

= جو اپنے مخالف یا معاصر کے قول کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ مقلد ہیں، اور مقلد کا اپنا کوئی قول نہیں ہوتا وہ محض دوسروں کے اقوال کو بلاتحقیق بیان کرتا ہے۔ میں نے ایک شخص کو جمہور اہل سنت کا یہ قول بیان کرتے ہوئے پایا کہ ''ترتیبِ افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق ہے''، لیکن اس نے اجماع کا دعویٰ کیا اور اس قول کو اہل سنت کے ساتھ مقید نہ کیا، پھر اہل بیت، شیعہ اور معتزلہ وغیرہ کا اختلاف نقل کیا۔ پھر امام زید کے مذہب کا رُخ کیا اور اسی لمحے اُن کے خلاف اجماع کا دعویٰ بھی کر دیا۔ پس اُس کا کلام متضاد تھا، اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تردید کر رہا تھا۔ اسی لیے میں نے ایسے (مخبوط الحواث) لوگوں کے ساتھ مباحثہ سے اجتناب کیا ہے۔

”شیعہ کسی شخص کے معاونین اور پیروکاروں کو کہا جاتا ہے، اور ہر وہ قوم جو اپنے معاملہ میں جمع ہو جائے تو وہ شیعہ ہے اور اس کی جمع شِیَع اور اَشْیَاع ہے۔ (اصطلاحی معنیٰ میں) شیعہ سے وہ قوم مراد ہے جو نبی ﷺ کی اولاد سے محبت کرتی ہے۔“

(تہذیب اللغۃ ج ۳، ص ۶۱)

پس تشیع کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں: موالات، محبت، متابعت اور نصرت، اور یہ صریح ایمان ہے اور جو ان اوصاف سے اہل بیت کے ساتھ منسلک ہو اس کے مومن ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کی اس کے تشیع کی بناء پر مذمت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کی تعریف وتوصیف کرنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ”تجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق“ لہٰذا تشیع (ولائے اہل بیت) امر مطلوب ومحمود ہے۔

البتہ تشیع میں غالی یا جسے رافضی کا نام دیا جاتا ہے تو اُس کی مذمت اُس کے تشیع کی بناء پر نہیں بلکہ اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام سے اعراض یا خلفاء ثلاثہ یا حضرات طلحہ یا زبیر یا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا بہم کو سبّ وشتم کرتا ہے یا اُن پر لعنت کرتا ہے یا اُن کے مقام کو گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ اور یہ فسق ہے عدل کو ساقط کر دینے والا ہے۔ پس جب عام مؤمنین کو سبّ کرنا فسق ہے تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو ایسی جلیل القدر ہستیوں کے بارے میں جرأت کرے؟ سو مذمت مطلق تشیع کی بنا پر نہیں بلکہ تشیع پر ایک ایسے امر زائد کی بنا پر کی جاتی ہے جو تشیع کی حقیقی روح کے بھی خلاف ہے اور نصوصِ شرعیہ کے بھی منافی ہے۔

فی الجملہ واجب ہے کہ ہم دو باتوں میں فرق کریں:

1. محض تشیع
2. تشیع میں غلو یا رفض

جہاں تک اول (یعنی تشیع) کا تعلق ہے تو یہ سیدنا علی علیہ السلام کی محبت، آپ کی نصرت اور آپ کی حقانیت کے عقیدہ کو لازم کرتا ہے، اور یہ صریح ایمان ہے، کیونکہ تشیعی شخص نے اس بات کو پورا کیا ہے جو اس پر واجب ہے نہ کہ وہ بدعت ہے، جیسا کہ اکثر سمجھتے ہیں۔(۱)

ثالثاً: ذہبی نے پہلے ذکر کیا غالی تشیع یا بلا غلو تشیع بدعت صغریٰ ہے اور یہ کثیر تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے، پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "مع الدين والورع والصدق" (یعنی اُن کا یہ عقیدہ دین، تقویٰ اور صداقت کے ساتھ تھا) پھر ذکر کیا کہ وہ اربابِ حدیث و آثار ہیں۔ پھر کہا: "اگر ان تمام کی احادیث کو رد کر دیا جائے تو احادیث نبویہ کے بڑے حصے سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور یہ کھلا فساد ہے۔"

ذھبی کا یہ کلام حضرت ابان بن تغلب کوفی الشیعی کے حالات کے ضمن میں ہے، اور اُنہوں نے اُن کے حالات کو اس پر ختم کیا ہے کہ وہ [ابان بن تغلب] غالی

---

(۱) ہمارے شیخ المشایخ محمد حبیب اللہ شنقیطی مالکی اپنی کتاب "مناقب علی" میں فرماتے ہیں:

"جو تشیع غیر ممنوع ہے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زائد محبت کرنا ہے، فضیلت میں آپ کو دوسروں سے کم سمجھنے پر راضی نہ ہونا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض کے بغیر اور انہیں سبّ وشتم کرنا تو اور زیادہ برا ہے۔ تشیع کی یہ تعریف حضرت معمر بن راشد رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے قریب ہے جو پیچھے گذر چکا ہے کہ: "جس نے کہا: حضرت عمر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کریں گے اور جس نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن دونوں سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کریں گے، بشرطیکہ وہ شیخین کی فضیلت، اُن کی محبت اور جس تعریف کے وہ اہل ہیں اُس کا معترف ہو۔" (مناقب علی للشنقیطی المالکی ص۱۵۵)

شیخ شنقیطی کی عبارت وضاحت کر رہی ہے کہ حضرت علی کی شیخین کریمین رضی اللہ عنہم پر تقدیم کا عقیدہ اُن دونوں کی فضیلت کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ ایسا تشیع ہے جو ممنوع نہیں۔

نہیں تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ولم یکن أبان بن تغلب یعرض للشیخین أصلاً، بل قد یعتقد أن علیاً أفضل منهما۔

''ابان بن تغلب شیخین سے قطعاً روگرداں نہیں تھے بلکہ وہ کبھی کبھار حضرت علی کی ان دونوں پر افضلیت کا عقیدہ ظاہر کرتے تھی رضی اللہ عنہم''۔

میں کہتا ہوں: ذہبی کا قول ''بل قد یعتقد أن (۱) علیاً...'' (بلکہ وہ کبھی کبھار حضرت علی کی ان دونوں پر افضلیت کا عقیدہ ظاہر کرتے تھی رضی اللہ عنہم) میں مقامِ غور ہے۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا علی کی شیخین رضی اللہ عنہم پر تقدیم کا عقیدہ بلاغلو تشیع ہے اور یہ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت پایا جاتا تھا جس کی تائید گذشتہ سطور سے ہوتی ہے، اور سلف کی یہ قسم ذہبی کے اعتراف کے مطابق دین دار، متقی اور اہل صدق تھی، نہ کہ نواصب کے ڈھنڈورے کے مطابق اس کے برعکس۔

ثانیاً: حافظ ابن حجر کے اقوال پر ایک نظر

۱۔ حافظ نے ''فتح الباری'' کے مقدمہ میں لکھا ہے: (۲)

''حضرت علی کی محبت اور صحابہ پر اُن کی تقدیم تشیع ہے، پھر جس شخص نے اُنہیں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم پر مقدم کیا تو وہ اپنے تشیع میں غالی ہے اور اس پر ''رافضی'' کا اطلاق ہوتا ہے، ورنہ وہ شیعہ ہے۔'' (مقدمۃ فتح الباری ص ۴۵۹)

(۱) صحیح یہ ہے کہ ابان بن تغلب حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائل تھے۔

(۲) جب میں ''فتح الباری'' کا مقدمہ اپنے شیخ علامہ محقق سیدی عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتا تھا تو انہوں نے مجھے فرمایا تھا: ''میزان الاعتدال'' کی پہلی جلد میں ذہبی کا تشیع کے متعلق کلام حافظ کے اس کلام سے نرم ہے۔''

میں کہتا ہوں: حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اُس محبت کو جو تقدیم کو لازم کرتی ہے تشیع میں محصور کر دیا ہے۔ میری گذارش ہے کہ جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ ہر مسلمان پر واجب ہے، اور رہا تقدیم کا معاملہ تو اُسے حافظ نے دو درجوں میں تقسیم کیا ہے:

① جس شخص نے شیخین کریمین کو مستثنیٰ کر کے حضرت علی کو تمام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم مانا تو وہ شیعہ ہے اور اُن (حافظ) کے نزدیک مجروح العدالۃ ہے...... حالانکہ امت کا ایک عظیم طبقہ اس قسم میں داخل ہے۔

② رہا وہ شخص جو حضرت علی کو حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم پر مقدم مانتا ہے تو وہ شدید مجروح ہے اور حافظ نے اسے غالی شیعہ یا رافضی شمار کیا ہے، اور یہ حافظؒ سے انتہائی شدید غلو ہے۔ واللہ المستعان۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہی بعض نے حضرت ابو بکر کو مقدم تسلیم کیا، بعض نے حضرت عمر کو، بعض نے حضرت علی کو، بعض نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو، بعض نے حضرت ابو سلمہ کو اور بعض نے اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقدم مانا جو حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انتقال فرما گئے تھے۔ جیسا کہ یہ بحث مبسوط و معروف ہے۔

③ تاج العروس اور دیگر کتب میں مادہ ''رفض'' کے تحت مرقوم ہے کہ:

''رافضۃ: شیعوں کا وہ فرقہ ہے جنہوں نے امام زید بن علی بن حسین علیہم السلام کی بیعت کی، پھر کہا: آپ حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بیزاری کا اظہار فرمائیں تا کہ ہم جنگ میں آپ کا ساتھ دیں تو آپ نے یہ مطالبہ مسترد کرتے ہوئے فرمایا تھا: شیخین میرے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر تھے۔ اس پر انہوں نے کہا: ''نَرْفُضُكَ'' (ہم آپ کو چھوڑتے ہیں) پھر انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا، اس وقت سے اُن کا نام ''رافضہ'' پڑ گیا۔''

پس اس تصریح سے معلوم ہوا کہ شیخین کریمین سے بیزاری رفض ہے، فضیلت یا محبت میں سیدنا علی کی اُن دونوں پر تقدیم رفض نہیں (بلکہ اصطلاح صحابہ و تابعین میں

تشیع ہے)۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

إذا نحن فضّلنا علياً فإننا
روافض بالتفضيل عند ذوي الجهلِ

ترجمہ: ''جب ہم حضرت علی کو فضیلت دیتے ہیں تو پھر ہم بہ سبب تفضیل کے جہلاء کے نزدیک رافضی ہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام پر حضرت علی رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل کو رافضی قرار دینا جہالت ہے، اور اس شعر میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ امام شافعیؒ حضرت علی علیہ السلام کو افضل مانتے تھے۔ فَتَدَبَّرْ!

❸ حافظ کے کلام پر شدید تنقید کرتے ہوئے علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی شافعی حضرمیؒ اپنی کتاب ''العتب الجمیل'' میں فرماتے ہیں:

''اور حافظ کے اس کلام کا معنی مخفی نہیں ہے'' کہ جمیع محبانِ علی اور شیخین پر اُن کی تقدیم کے قائلین رافضی ہیں، اور تقدیم و محبت میں شیخین کو مستثنیٰ کرنے والے شیعہ ہیں اور یہ دونوں مجروح العدالۃ ہیں۔ اگر بات یہی ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد مثلاً حضرات زید بن ارقم، سلمان، ابوذر، خباب، جابر، ابوسعید خدری، عمار، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم بن تیہان، خزیمہ بن ثابت، قیس بن سعد، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، عباس بن عبدالمطلب اور ان کے فرزندان، تمام بنوہاشم، تمام بنوعبدالمطلب اور ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد حضرت علی رضی اللہ عنہم کی تفضیل برشیخین اور آپ کی محبت کے

باعث رافضی قرار پائے گی،اور ان صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ تابعین اور تبع تابعین کے اکابر ائمہ کرام اور امت کا اتنا بڑا خالص ترین طبقہ شامل عدد جس کا شمار نہیں کرسکتا،انہیں میں علماء کتاب بھی تھے۔ان سب کی عدالت کو انہوں نے مجروح قرار دے دیا،اللہ کی قسم کمر توڑ معاملہ ہے۔"

شاید شیخ کے کلام کا محمل کچھ اور ہو جس کو ہم نہ پاسکے ہوں،تاہم ان کے کلام کا ظاہر معنیٰ انتہائی بعید ہے۔ہمارا یہ حسن ظن اُن کے علم،دین اور مقام کے لحاظ سے ہے۔ جو اشکال سید محمد بن عقیل نے وارد کئے ہیں وہ قابل توجہ اور قوی ہیں،سو اُن کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے۔اسی طرز کی ایک نفیس بحث ہمارے شیخ علامہ محدث سید عبد العزیز بن صدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے،ملاحظہ ہو:"الباحث عن علل الطعن فی الحارث ص ۱۴،۱۵)

۴ حافظ ابن حجر حضرت ابان بن تغلب رضی اللہ عنہ کے حالات میں فرماتے ہیں:

"متقدمین کے عرف میں تشیع سے مراد شیخین کی تقدیم و تفضیل کے اعتراف کے ساتھ حضرت علی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا اعتقاد ہے،اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالفین خطا پر تھے،اور بسا اوقات بعض حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل الخلق اعتقاد کرتے ہیں۔ جب اس عقیدہ والا شخص متقی،دیندار،صادق اور مجتہد ہو تو بایں سبب اس کی روایت رد نہ کی جائے گی خصوصاً جبکہ وہ اس عقیدہ کی دعوت نہ دیتا ہو۔" (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۴)

میں کہتا ہوں:اگر حافظ کا مقصد مطلقاً تشیع کی مذمت ہے تو ان کا کلام محل نظر

ہے۔ رہی حضرت علی کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تقدیم تو اس میں کسی قسم کی کوئی بدعت نہیں۔ کیونکہ تفضیل مرتضوی بر عثمانِ غنی کا قائل امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے۔ اہلِ بیت، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے حضرات رضی اللہ عنہم اس میں شامل ہیں۔ شاید سطورِ بالا کی تحریر کے وقت حافظ رحمہ اللہ کے ذہن میں قواعد موجود تھے اور حقائق مستحضر نہیں تھے۔

پھر میں نے حافظ رحمہ اللہ کے اس قول پر تعجب کیا کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالفین خطا پر تھے۔" [سمجھنا تشیع کی علامت ہے] کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی حقانیت پر نصوصِ صریحہ متواترہ گونج رہی ہیں۔ خود حضرت علی علیہ السلام، صحابہ کرام، تمام اہل بیت کرام، اہل سنت، شیعہ اور معتزلہ تمام کے تمام حضرت علی علیہ السلام کو حق پر سمجھتے تھے۔ رہی تقدیم مرتضوی بر شیخین رضی اللہ عنہم تو اس پر سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے۔"

تنبیہ

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں لکھا ہے:

الإجماع انعقد بأخرة بين أهل السنة أن ترتيبهم في الفضل كترتيبهم في الخلافة۔

ترجمہ: "آخر میں اہل سنت کے مابین اجماع منعقد ہو گیا کہ فضیلت میں ان کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی طرح ہے۔"

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴)

میں کہتا ہوں: یہ اجماع نہیں، اس لیے کہ یہ امت کے بعض افراد کا قول

ہے، اور مذاہب اربابِ مذاہب کی موت سے مرا نہیں کرتے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ اقوال میں سے یہ ایک منتخب قول ہے۔ پھر انہوں نے "أهل السنّة" کہا، جس سے یہ اجماع، شرعی اجماع سے خارج ہو گیا، لہٰذا تم تاویلات سے دامن بچاؤ! اور باقی رہے اہل سنت میں وہ لوگ جو حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر مقدم مانتے ہیں تو اس کے لیے (کتابِ ھذا کے عربی متن کے صفحہ [۱۰۶،۱۰۷] میں علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ "حادي الأظغان في تفضيل عليٍ على عثمان" ملاحظہ فرمائیں۔

❁❁❁❁
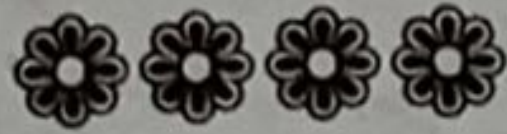
ثالثاً: خلال کی کتاب السنۃ کی تصریحات

جان لیجیے کہ اہل علم کی ایک جماعت جب مختلف تاثیرات سے مرعوب ہو گئی تو اُن سے مسئلہ تفضیل میں نا مناسب تعبیرات صادر ہوئیں، اور اللہ عز و جل نے ہم پر لوگوں میں سے کسی شخص کے قول کی اتباع واجب نہیں فرمائی، ہمارے لیے حجت اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور جس چیز کی طرف یہ دونوں راہنمائی فرمائیں اُسی میں ہے۔

سطور ذیل میں ہم ایسے ناپسندیدہ اقوال خلال کی "كتاب السنّة" سے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ خلّال لکھتے ہیں:

"ہمیں زہیر بن صالح بن احمد بن حنبل نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد (احمد بن حنبلؒ) نے بیان کیا کہ اُن سے اُس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور میں سن رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا: یہ شخص بدعتی ٹھہرائے جانے کا اہل ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تھا"۔

(کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۳۰)

اس سلسلے میں خلال نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مزید اقوال بھی نقل کیے ہے۔ (کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴)

صاحب "صولات والجولات" بربھاری حنبلی کہتے ہیں:

"جس نے عثمان اور علی کے مابین توقف کیا اور جس نے علی کو عثمان پر مقدم مانا تو وہ رافضی ہے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ دیا رضی اللہ عنہم۔" (السنۃ للبربھاری ص ۱۳۴)

میں کہتا ہوں: یہ برے اقوال اپنے قائلین کے لئے مضر ہیں، کیونکہ سیدنا علی علیہ السلام کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت کا مذہب ہے اور یہی تمام کوفیوں بلکہ خود سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام کا مذہب ہے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت کے زیادہ حقدار وہی ہیں، اور اسی حقیقت کی حضرت عمر بن خطاب اور اُن کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تصریح فرمائی ہے، اور یہی تمام اہل بیت علیہم السلام کا مذہب ہے، جبکہ اس معاملہ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت کا مذہب توقف ہے۔

خلال نے خود اپنی "السنۃ" میں نقل کیا ہے:

"مجھے محمد بن ہارون نے بیان کیا کہ اُسے اسحاق نے ذکر کیا: ابو عبداللہ (امام احمد رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں کوفیوں (۱) ابراہیم اور

---

(۱) یعنی علی علیہ السلام کی تقدیم، (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۸۸) میں ہے: =

دوسروں سے روایت کردہ مذہب کو اختیار نہیں کرتا اور نہ ہی اہل مدینہ سے روایت کردہ مذہب کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا تمام حضرات بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تو یہ ایسی قیامت اور مصیبت ہے جس کا کوئی حل نہیں۔

فائدہ

علامہ شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی نے اپنے قصیدہ "حادی الأظعان فی تفضیل علیؓ علی عثمان" جس کو انہوں نے اپنی کتاب (مرآۃ الجنان ج اص ۱۱۱) میں ذکر کیا ہے، میں فرماتے ہیں:

إن الامام شهيد الدار خاشعهم
الناسك الجامع القرآن والتالی

ترجمہ: "بیشک شہید الدار امام اور صحابہ میں خشوع والے، عبادت گذار، جامع القرآن اور تلاوت کرنے والے۔"

القانت المنفق الأموال حيث رضی
مولاه مولیً عفيفاً طاهرُ أذيال

= ابوالفضل سلیمانی نے اُن شیعہ محدثین کے اسماء ذکر کیے جو سیدنا علی کو حضرت عثمان پر مقدم مانتے تھے: اعمش، نعمان بن ثابت، (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ) شعبہ بن حجاج، عبدالرزاق، عبیداللہ بن موسیٰ اور عبدالرحمن بن ابی حاتم"۔

میں کہتا ہوں: ان حضرات کے زمانے میں علی کی عثمان پر تقدیم تشیع نہ تھا اس معاملے سے تو وہ پہلے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان کے نزدیک خصوصاً امام اعمش اور عبیداللہ کے نزدیک سیدنا علی علیہ السلام کی تقدیم اور جن لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی، اُنہیں برسرِ منبر سبّ وشتم کیا اور حسنین کریمین رضوان علیہما کے ساتھ اُن کی حیات اور بعد از حیات میں لڑائی کی اور توبہ نہ کی، ایسے لوگوں کی مخالفت کو تشیع کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: ''وہ خلوص کے ساتھ اپنے مولیٰ کی رضا میں مال خرچ کرنے والے، پاکیزہ و پاکدامن ہیں۔''

مجلل منه تستحيى ملائكة
و ذوحياء و حلم غير منلال

ترجمہ: ''ایسی عظمت والے ہیں فرشتے جن سے حیا کرتے ہیں، اور شرم اور بردباری کا پیکر ہیں کم تر نہیں ہیں۔''

ليست فضائل ذى النورين منكرة
لكن كم قوم حاوى الفضل مفضال

ترجمہ: ''ذوالنورین کے فضائل سے انکار نہیں، لیکن بہت سے لوگ حاوی فضیلت کے حامل ہیں۔''

ليس الذى ينفق الأموال محتسباً
فى نصرة الدين سمحاً فيه بالمال

ترجمہ: ''وہ شخص جو مال کو ثواب کے ارادہ سے خرچ کرتا ہے، اور نصرت دین میں مالی سخاوت کرتا ہے۔''

كبا ذل نفسه فى الله محتسباً
فى كل هيجا جنود الكفر قتال

ترجمہ: ''اُس کی مانند نہیں جو گھمسان کی جنگ میں لشکر کفر کے ساتھ لڑتے ہوئے راہِ الٰہی میں جان خرچ کرتا ہے۔''

كل حميد و لكن ليس جو دفتى
بالمال كالجود بالروح الزكى الغال

ترجمہ: ''سب خوبیوں والے ہیں لیکن کسی نوجوان کی مالی سخاوت پاکیزہ

اور قیمتی جان کی سخاوت کی طرح نہیں۔"

وليس تالى كتاب الله جامعه
كنا شر لمعا لم دينه العالى

ترجمہ: "قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا، اسے حفظ کرنے والا، اللہ کے بلند دین کے مقاصد کو پھیلانے والے کی طرح نہیں ہے۔"

(مرآۃ الجنان ج ا ص ۱۱۱)

۲ امام احمد سے منقول بعض اقوال کا جائزہ

محدث خلال امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

أهل الكوفة كلهم يفضلون۔

ترجمہ: "تمام اہل کوفہ فضیلت دیتے ہیں۔" (کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۶۸)

جب یہ تمام تفضیلی امام احمد کے نزدیک بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے آئندہ روایت میں نقل کیا ہے:

أهل الكوفة يفضلون علياً على عثمان إلا رجلين: طلحة بن مصرف و عبيدالله بن إدريس۔

ترجمہ: "تمام اہل کوفہ سیدنا علی علیہ السلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں سوائے دو شخصوں کے طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن ادریس۔"

(کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۶۹)

امام احمد نے فرمایا، جیسا کہ خلال لکھتے ہیں:

لم تخرج الكوفة إلا رجلين: طلحة بن مصرف، و عبدالله بن إدريس۔

ترجمہ: ''سرزمین کوفہ نے دو ہی عظیم شخص پیدا کئے ہیں طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن ادریس''۔ (کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۶۷)

میں کہتا ہوں: اگر یہ نقل امام احمد رضی اللہ عنہ سے صحیح ہو تو طلحہ اور عبداللہ دونوں ثقہ ہیں اور عثمانی ہیں۔ دیکھئے: "تهذيب التهذيب" جبکہ کوفہ نے علم وعمل کے لحاظ سے ایسی جلیل القدر ہستیاں پیدا کی ہیں جو طلحہ اور عبداللہ سے فضیلت، ثقاہت اور فقہ میں دس گنا بڑھ کر ہیں۔

۳ محدث خلال لکھتے ہیں:

''حسین بن صالح نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن حبیب نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے حاتم بن ابی حاتم جوہری نے از قبیصہ از سفیان ثوری روایت کیا، انہوں نے فرمایا: ''جس نے علی کو ابو بکر اور عمر پر مقدم جانا تو یقیناً اُس نے بارہ ہزار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادتی کی اور مجھے خدشہ ہے کہ اس عقیدہ کے ساتھ اس کو اس کا عمل کچھ فائدہ نہ دے گا۔'' (کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۱۵)

میں کہتا ہوں: یہ اور اس کی مثل دوسرے اقوال (۱) ہمیں بڑی تفریق

(۱) مثلاً حنبلی طرز پر عقائد کی ایک کتاب میں ہے: ''جس نے علی کو ابو بکر یا عمر پر فضیلت دی، یا نسب کے علاوہ علی کو ان دونوں پر فضیلت اور امامت میں مقدم مانا، تو وہ رافضی بدعتی اور فاسق ہے، کافر نہیں''۔ (مختصر نهاية المبتدئين في أصول الدين ص ۱۰۷)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ مطالعہ، فہم، عقل اور انصاف پر رحمت ہی فرمائے، اگر قائل جن وانس سے بھی مدد طلب کرے تو اس قبیح غلطی پر ایک دلیل بھی پیش نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ بات دین کے اصولوں میں شمار ہوتی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے یہ مغالطہ آفرینی نصوصِ شرعیہ سے متصادم ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ کیونکر یہ دعاوی ان کے دماغ وقلم سے نکل کر کتب عقائد میں گھسیڑ دیئے گئے؟

ایسی ایک مثال سفارینی نے بھی نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ابن حمدان نے نہایۃ المبتدئین میں کہا ہے: جس نے سیدنا علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دی تو وہ رافضی، بدعتی اور فاسق ہے، =

پیدا کرنے والی ایسی نصوص کی یاد دلاتے ہیں جنہیں بعض لوگوں نے امام مقدم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی جرح میں اور اُن کے علم وعظمت کی چادر کو داغ دار کرنے میں روایت کی ہیں۔ پس اگر ان روایات کی اسناد صحیح بھی ہوں تو یہ شاذ اور مردود ہیں اور ان پر سکوت کرنا اور ان کی امام جلیل سفیان ثوری کی طرف نسبت کا انکار کرنا واجب ہے، کیونکہ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس مفہوم کے خلاف بھی منقول ہے، اور اگر یہ (تقدیم مرتضوی کی) نقل صحیح نہ ہو تو پھر بھی مذکورہ قول دونوں حالتوں میں مردود و مغلوب ہے اور فکری دہشت اور حقائق کو مٹانے کی واضح مثال ہے۔ واللہ المستعان۔

شیخین پر سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی فضلی تقدیم کے قائلین جیسا کہ پہلے بھی کئی بار گذر چکا ہے، صحابہ اور تابعین میں سے بہت ہیں، اور یہی اہل بیت اطہار اور ان کے شہید امام سیدنا زید بن علی علیہم السلام کا مذہب ہے، تو کیا ان حضرات کے اعمال اس ظنی مسئلے کی وجہ سے برباد ہو جائیں گے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی وحی نازل ہو رہی ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی، پناہ اور انصاف کا سوال کرتے ہیں۔

۴ نیز خلال نے ہی نقل کیا ہے کہ ہمیں الدوری نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن

= اور دوسری روایت میں ہے: وہ سیدنا علی کو فقط حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینے سے رافضی و بدعتی نہ ہوگا۔"

(لوامع الأنوار البهية ج۲ص۳۵۵)

میں کہتا ہوں: اس سطحی قول کا دین کے اصول سے تو کیا فروع سے بھی کوئی تعلق نہیں، اس لیے کہ یہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ ابن عمر جو تفضیل کی حدیث میں مشہور ہیں، حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ اُس اللہ کے لیے تمام حمد ہے۔ جس نے ہمیں اُن اہل بیت علیہم السلام پر زیادتی اور بغاوت سے محفوظ رکھا جن سے اُس نے ہر عیب دار چیز کو دور کر دیا اور کتاب وسنت کی نصوص سے انہیں خوب فضیلت بخشی، مگر یہ نصوص اُن سے اوجھل ہیں جو خود ساختہ قواعد، شخصی اقوال اور بیہم متعارض شبہات وتخیلات کے غلام ہیں۔

معین کو فرماتے ہوئے سنا، شریک نے کہا: جس میں بھلائی ہوگی وہ ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما پر کسی کو مقدم نہیں مانے گا۔'' (کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۱۸)

میں کہتا ہوں: یہ قول خلافت میں صحیح ہے، کیونکہ ''النبلاء'' میں ہے:

''ابن عیینہ فرماتے ہیں: شریک سے دریافت کیا گیا: آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو حضرت علی کو حضرت ابو بکر پر فضیلت دیتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ رسوا ہوا، اس نے مسلمانوں کو خطاوار ٹھہرایا۔'' (سیر أعلام النبلاء للذھبی ج ۸ ص ۲۰۴)

انہوں نے خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں آپ گذشتہ قول پر جو کچھ حاشیہ میں عرض کیا گیا ہے اُس میں غور فرمایئے اور یہ بھی یاد رکھئے کہ شریک شیعی تھا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس کا کلام کسی خاص مطلب پر محمول ہو یا انہوں نے یہ بات تقیۃً کہی ہو، کیونکہ وہ عباسیوں کا قاضی تھا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی علیہ السلام کے لئے خلافت طلب فرمائی تھی اور یہ تمام حضرات بیعت صدیق رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہے تھے۔

قارئین کرام! آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ دریافت کریں کہ کیا عالمین کی خواتین کی سردار فاطمہ علیہا السلام بھی شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی علیہ السلام پر فضیلت دیتی تھیں؟ اور کیا سیدنا حسن بن علی علیہما السلام بھی شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی علیہ السلام پر فضیلت دیتے تھے؟ حالانکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کا افسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''آج تمہیں اس شخص نے داغ مفارقت دیا ہے جس سے تمام اولین علمی سبقت نہیں کر سکے۔''

۵ اسی طرح خلال نے نقل کیا ہے کہ مجھے محمد بن ابی ہارون نے بیان کیا کہ اسحاق بن ابراہیم نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو سیدنا علی علیہ السلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم مانتا ہے؟ تو اُنہوں

نے فرمایا: وہ بڑا شخص ہے، ہم اس شخص سے آغاز کرتے ہیں جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مقدم کیا اور جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت دی"۔

(کتاب السنۃ للخلال رقم ۵۲۶)

میں کہتا ہوں: اگر امام احمد بن حنبلؒ سے اس روایت کی سند صحیح ہے تو پہلے آپ گذشتہ صفحات میں مذکور قول پر ہماری معروضات کو دوبارہ بغور ملاحظہ فرمائیں، اور یہاں ہم مزید عرض کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ حنبلی اپنے مشہور میلان کے باوجود لکھتے ہیں:

هذه المسألة: مسألة عثمان وعلى۔ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها عند جمهور أهل السنة۔

ترجمہ: "یہ مسئلہ، عثمان اور علی کے مابین افضلیت کا مسئلہ، جمہور اہل سنت کے نزدیک اُن اصولی مسائل میں سے نہیں جن میں اختلاف کرنے والے کو گمراہ قرار دیا جائے۔" (العقیدۃ الواسطیہ ص ۸۶)

لمحۂ فکریہ

میں کہتا ہوں: اس شدت اور فکری دہشت گردی کے بہت برے نتائج نکلے، جن میں سے بعض یہ ہیں، علامہ ذھبی ابراہیم عبدالعزیز کے حالات میں لکھتے ہیں:

"ابوالشیخ نے ذکر کیا کہ ابونعیم حدیث بیان کرنے کے بیٹھے تو انہوں نے حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان کیے، پھر فرمایا: اب ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شروع کریں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے؟ تو لوگ کہنے لگے: یہ رافضی ہے، پھر انہوں نے اُن کی حدیث کو ترک کر دیا۔" (لسان المیزان ج ا ص ۲۱۸)

میں کہتا ہوں: گذشتہ دور کے طلبۂ حدیث کی حالت میں غور فرمائیے! وہ کس قدر دینی دہشت گردی اور باطل تقلید میں مبتلا تھے؟ حافظ نے ''لسان'' میں اس بری تاثیر کا خوب تعاقب کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

و هذا ظُلمٌ بين،فإنَّ مذهب جماعةمن أهل السنة التوقف في تفضيل أحدهما على الآخر، و إن كان الأكثر على تقديم عثمان،بل كان جماعة من أهل السنةيقدِّمون علياًعلى عثمان، منهم: سفيان الثَّوري، و ابن خزيمة۔

''یہ کھلا ظلم ہے، کیونکہ اہل سنت کی ایک جماعت کا مذہب ان دونوں کی ایک دوسرے پر تفضیل میں توقف کا ہے، اگرچہ اکثر تقدیمِ عثمان کے قائل ہیں بلکہ اہل سنت کی ایک جماعت سیدنا علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر مقدم مانتی ہے، انہیں میں امام سفیان ثوری اور امام ابن خزیمہ بھی ہیں۔'' (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۱۴)

میں کہتا ہوں: شیعانِ علی سیدنا علی علیہ السلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم مانتے ہیں اور یہ اہل بیت کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد ہے، امام ذہبیؒ نے اس حقیقت کی شہادت دی ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۲) میں اُن کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ کے لیے بہتر تھا کہ وہ نزاع کے خاتمہ کے لیے یہاں اہل بیت، صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم کے مذاہب کو بیان کرتے، شاید یہ مقام اُن پر دشوار ہو گیا ہو گا۔

رابعاً: دار قطنی سے منسوب کلام کا جائزہ

سیر اعلام النبلاء میں ہے:

''دار قطنی نے فرمایا: اہل بغداد نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، ایک قوم نے کہا: عثمان افضل ہیں اور دوسری قوم نے کہا: علی افضل ہیں۔ پھر وہ تمام لوگ میرے پاس فیصلے کے لئے آئے تو میں نے خاموشی اختیار کی اور کہا کہ خاموشی بہتر ہے۔ پھر میں نے دینی بھلائی کے پیش نظر سکوت کو بہتر نہ جانا اور میں نے سوال کرنے والے شخص سے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ابو الحسن کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کے اتفاق کی بناء پر علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور یہی اہل سنت کا قول ہے اور یہی وہ پہلا مسئلہ ہے جہاں سے رافضیت قرار پکڑتی ہے''۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں: سیدنا علی علیہ السلام کو افضل ماننا رافضیت اور بدعت نہیں ہے۔ (۱) بلکہ اس کی طرف صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت گئی ہے۔ عثمان و علی دونوں فضیلت والے اور سبقت و جہاد والے ہیں۔ علم و جلالت میں دونوں متساوی ہیں اور شاید آخرت میں بھی دونوں درجے میں برابر ہوں، دونوں شہداء کے سرداروں میں سے ہیں لیکن جمہور ائمہ کا مذہب حضرت عثمان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہما پر ترجیح کا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے، اور اس مسئلہ میں دلائل آسان ہیں، اور بلا شبہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں سے افضل ہیں، جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے''۔

(سیر أعلام النبلاء ج ۱۶، ص ۴۵۷)

(۱) یہاں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدال اور غلال کے گذشتہ اقوالِ سیئہ کو ملا کر ان میں غور فرمائیے!

میں کہتا ہوں: اگر دار قطنی کے کلام کی سند صحیح ہو(۱) تو اس پر شدید اعتراضات ہیں۔ یہ روایت اُن کے تبحرِ علمی و معرفت کے شایانِ شان نہیں ہے، اور اس روایت کو قبول کرنے میں ہمارا توقف ممکن ہے، امام دار قطنی پر شیعیت کا الزام تھا، ممکن ہے انہوں نے یہ داغ دھونے کا ارادہ کیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ وہ معصوم نہیں تھے۔ دار قطنی کا یہ کہنا "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے افضل ہیں" ایسی بڑی خطا ہے جو اس قول کی صحت کو مخدوش کر رہی ہے، ذھبی کا اقدام مستحسن ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کے اثبات سے اُن کی تردید فرمادی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اس مسئلہ میں خطا اور گھبراہٹ کا شکار ہیں۔ لہٰذا تم ان کی مخالفت سے مت گھبراؤ، بلاشبہ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُس کی اتباع کی جائے، اور رجال وہی ہیں جو حق سے پہچانے جاتے ہیں (نہ کہ حق رجال سے پہچانا جاتا ہے)۔

ذھبی نے اس سلسلے میں ایک اور مقام میں لکھا ہے:

"پھر عراقی شیعوں کی بڑی تعداد علی و عثمان رضی اللہ عنہما دونوں سے محبت کرتی ہے لیکن علی کو عثمان پر فضیلت دیتی ہے۔"

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۲)

میں کہتا ہوں: تم کوئی ایسا شیعہ نہیں پاؤ گے جو حضرت عثمان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہو اور شیعوں میں صحابہ اور تابعین کی بڑی تعداد شامل ہے بلکہ ان میں سے بعض صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھے۔ آپ "میزان الاعتدال" کے گذشتہ مقام کا مطالعہ فرمائیں، اُس میں فائدہ ہے۔

---

(۱) جی ہاں اگر ان سے یہ قول صحیح منقول ہو تو دار قطنی تشیع کی طرف منسوب تھے، وہ سید حمیری کا دیوان زبانی یاد رکھتے تھے، اور وہ رقت آمیز دیوان اہل بیت علیہم السلام کی مدحت، ان کی نصرت اور ان پر ہونے والے مظالم کے متعلق مشہور تھا۔

رہا امام ذہبی کا یہ قول:

ترجمہ: ''عثمان و علی دونوں فضیلت والے اور سبقت و جہاد والے ہیں، علم و جلالت میں دونوں متساوی ہیں''۔

تو یہ محل نظر ہے، اہل علم میں سے تمام اولین و آخرین جانتے ہیں کہ سیدنا علی علیہ السلام اسلام و نماز میں سب سے سابق صحابی ہونے کے لحاظ سے سب سے بڑے، جہاد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر شیر، علم میں سب سے زیادہ اور نسب کے لحاظ سے سب سے معزز ہیں، اور اُن کے فضائل میں آنے والی احادیث سب سے زیادہ ہیں۔

و ليس يصح فى الأذهان شيء
إذا احتاج النهار إلىٰ دليل

ترجمہ: ''اُن ذہنوں میں کوئی چیز صحیح نہیں ہوسکتی جب (اُن کے نزدیک) دن ہی دلیل کا محتاج ہو''۔

رہا امام ذہبی کا یہ قول:

''اور بلاشبہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں سے افضل ہیں، جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے''۔

میں کہتا ہوں: اس میں ائمہ اہل بیت اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے اور یہ رافضیت یا بدعت نہیں ہے۔ اگر امام ذہبی اصرار فرمائیں کہ یہ رافضیت اور غالی شیعیت ہے تو پھر اس رافضیت میں ہی خیر ہے۔ ذرا امام شافعی کا ارشاد تو ذہن میں لائیے:

إذا نحن فضّلنا عليّاً فإننا
روافض بالتفضيل عند ذوى الجهل

ترجمہ: ''جب ہم علی کی تفضیل بیان کرتے ہیں تو جہالت مآب لوگوں کے

نزدیک تفضیلی رافضی قرار پاتے ہیں۔"

خامساً: ابن تیمیہ حرانی کے ساتھ مباحثہ

ابوالعباس احمد بن تیمیہ نے مسئلہ تفضیل کو اپنے فتاوی اور منہاج میں متعدد مقامات پر بیان کیا ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہم اُن کی منہاج کے بعض مقامات سے اقتباس نقل کر کے اُن کا جائزہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ابن تیمیہ منہاج میں لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ امت میں جن علماء اور عبادت گذاروں کو سچی زبان حاصل ہے وہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تقدیم پر متفق ہیں، جیسا کہ امام بیہقی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ: "صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی حضرت ابوبکر و عمر کی تفضیل میں اور اُن کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقدیم میں اختلاف نہیں کیا" اور اسی طرح علماء اسلام مثلاً امام مالک اور ان کے پیروکار، امام ابوحنیفہ اور ان کے پیروکار، امام احمد اور ان کے پیروکار، داود ظاہری اور ان کے پیروکار، سفیان ثوری اور ان کے پیروکار، لیث اور ان کے پیروکار، اوزاعی اور ان کے پیروکار، اسحاق اور ان کے پیروکار، امام ابن جریر اور ان کے پیروکار، ابوثور اور ان کے پیروکار اور دوسرے تمام مشہور علماء نے اختلاف نہیں کیا۔ ماسوا اُن لوگوں کے جو لائق توجہ اور قابل التفات نہیں۔

اور میں نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں اہل فتویٰ حضرات سے کوئی اختلاف منقول ہو، ماسوا اُس کے جو حسن بن صالح بن حی سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی کو فضیلت دیتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ

یہ اُن پر بہتان ہے، اور اگر یہ نقل اُن کے متعلق صحیح بھی ہو تو اس سے امام شافعی کے نقل کردہ اجماع میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حسن بن صالح صحابہ سے ہے اور نہ ہی تابعین سے"۔

(منہاج السنۃ ج ۷ ص ۲۸۶)

ا۔ ابن تیمیہ کا کہنا: (اس میں کوئی شک نہیں کہ امت میں جن علماء اور عبادت گذاروں کو سچی زبان حاصل ہے......)

میں کہتا ہوں: (ا) پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امت میں قول وفعل میں صادق صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتی تھی، جیسا کہ متعدد صحابہ کرام کے بارے میں امام ابن عبد البر نے، اور "الملل والنحل" میں ابوالحسن اشعری اور ابن حزم نے، اور "اصول الدین" میں باقلانی اور قاضی عبدالجبار نے، اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا مذہب اس سلسلہ میں مشہور ومعروف ہے، وہ سب تفضیل علی علیہ السلام میں ایک وحدت تھے، اور ان کے امام زید بن علی الشہید کا عقیدہ ذکر کیے جانے سے زیادہ مشہور ہے، اور یہی اہل بیت میں سے اُن کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔

ب۔ ابن تیمیہ کا کہنا: (جیسا کہ امام بیہقی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے)

میں کہتا ہوں: امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تفضیل سے مراد (واللہ اعلم) خلافت ہے۔

چنانچہ امام بیہقی کی کتاب "مناقب الشافعی" میں ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا:

(ا) ابن تیمیہ اور ان کی مثل لوگوں کے اقوال پر بحث کرنے سے قبل ہمیں یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ ابن تیمیہ نے اپنے مذہب کی کتب سے اغماض برتا اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی طرف منسوب کتابوں کو مدنظر رکھا، جن میں مذکور دلائل کا جواب دینے سے اکابر علماء تک قاصر ہیں۔ چھٹے باب کی تمہید اور اس کے حواشی میں ایسی بعض کتب سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

''صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی حضرت ابو بکر و عمر کی تفضیل میں اور اُن کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقدیم میں اختلاف نہیں کیا، اختلاف کرنے والوں نے فقط حضرت علی اور عثمان کے مابین اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت علی کو حضرتِ عثمان پر مقدم کیا اور بعض نے حضرت عثمان کو حضرت علی پر مقدم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا ہم اُن میں سے کسی کو خطا وار نہیں ٹھہراتے۔'' (مناقب الشافعی ج ۱ ص ۴۳۴)

یہ امام شافعیؒ کی عبارت کا اقتباس ہے، اُن کے قول ''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا ہم اُن میں سے کسی کو خطا وار نہیں ٹھہراتے'' میں ''فَعَلُوْا'' کے لفظ میں تصریح ہے کہ اس سے مراد خلافت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اسی معنیٰ کی اُن کی طرف نسبت کی جانی چاہیئے۔ پس مختلف پہلوؤں سے اختلاف ثابت ہو جانے کے بعد اجماع کے دعووں کا کوئی ٹھکانہ، نہ رہا۔

ج۔ ابن تیمیہ کا کہنا کہ: (اور اسی طرح علماء اسلام نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا......ماسوا اُن لوگوں کے جو لائق توجہ اور قابل التفات نہیں)۔

میں کہتا ہوں: یہ خوش گپی ہے اور ایسے مردود دعوے ہیں جو برائی کو لازم کرتے ہیں۔ ''ا'' کے تحت جو تبصرہ گذر چکا ہے اسے دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

د۔ ابن تیمیہ کا کہنا کہ: (اور میں نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں اہل فتویٰ حضرات سے کوئی اختلاف منقول ہو، ماسوا اُس کے جو حسن بن صالح بن حی سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی کو فضیلت دیتے تھے)۔

میں کہتا ہوں: یہ دعویٰ بھی مطلقاً خلافِ واقع ہے، کیونکہ اختلاف منقول اور معروف ہے، اور ابن تیمیہ نے جن مشہور علماء کا ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو

مقدم مانتے تھے، ان میں داود بن علی ظاہری اور ان کے پیروکار بھی شامل ہیں، اور یہ مشہور ہے کہ داود بن علی مسئلہ تفضیل میں توقف رکھتے تھے، ابن حزم اُن کے متبعین میں سے ہے اور وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو ابوبکر و عمر اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر مقدم مانتے تھے۔

امام مالک کے مشایخ اور شاگردوں میں سے بعض مذہب داود پر چلتے تھے اور امام ابوحنیفہ اور امام ثوری کے مشایخ میں سے بعض سیدنا علی علیہ السلام کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر مقدم مانتے تھے۔ یہاں حضرت معمر کا قول اور یحییٰ بن آدم کے کلمات بھی ذہن میں حاضر فرمالیجئے۔

اور رہے حسن بن صالح بن حی ہمدانی کوفی تو وہ زیدی المذہب تھے۔ پھر حسن بن صالح شیخین پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اُن سے قبل بڑے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب تھا اور متقدمین اشراف کا مذہب بھی یہی تھا۔(۱)

پھر یہ بھی جان لیجئے کہ حسن بن صالح تنہا نہیں تھے بلکہ اُن کے ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو شمشیر برّاں تھے، وہ کہتے تھے: حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل اور خلافت کے لیے سب سے بہتر تھے، تاہم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت غلط نہیں تھی۔ حسن بن صالح کوفی ہمدانی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے، اُن کا وصال ۱۶۸ھ میں ہوا۔ اُن کے شاگردوں میں بعض تابعین بھی تھے۔ ملاحظہ ہو: (مقالات الإسلامیین ج۱ ص۱۳۶، الفَرق بین الفِرق ص۲۴، الملل والنّحل ج۱، ص۱۳۲)

---

(۱) اسی لئے علامہ صالح مقبلی یمانی نے "العلم الشامخ" (ص ۳۹۰) میں شافعیہ میں سے بعض متقدمین قاضیوں کا وہ قول نقل کیا ہے جو انھوں نے اپنے شاگردوں کو تلقین کیا تھا کہ "دو مسئلوں میں سید سے رجوع نہ کرنا وہ انصاف نہیں کرے گا: ایک مسئلہ امامت اور دوسرا مسئلہ خمس۔ یعنی وہ سید اس قاضی کے مذہب کے مطابق ان دو مسئلوں میں انصاف نہیں کرے گا۔ باقی رہا اہل بیت کا مذہب تو وہ ایک جدا معاملہ ہے۔ اور اس کلام میں اجمال ہے۔

۵۔ ابن تیمیہ کا کہنا کہ: فرماتے ہیں: (اگر یہ نقل اُن کے متعلق صحیح بھی ہو تو اس سے امام شافعی کے نقل کردہ اجماع میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حسن بن صالح صحابہ سے ہے اور نہ ہی تابعین سے)۔

میں کہتا ہوں: اگر ابن تیمیہ نے فقط حسن بن صالح بن حی تک قناعت کی ہوتی تو بہتر ہوتا۔ اگر نہیں کی تو اس سید الجلیل کی شہادت لیجئے: امام ابن حبان نے اپنی کتاب "مشاهير علماء الأمصار" کے صفحہ ۶۲ میں مدینے کے مشہور تابعین کا ذکر کیا، پھر صفحہ ۶۳ میں سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، جو حضرت محمد اور حسین فرزندانِ علی بن حسین کے بھائی ہیں، ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ شیعہ انہیں اپنی طرف منسوب کرتے تھے، وہ اہل بیت کے بڑے علماء اور اعلیٰ عبادت گزاروں میں سے تھے۔ اُنہیں کوفہ میں ۱۲۲ھ میں شہید کر کے سولی پر لٹکا گیا تو عبادت گزار لوگ اُن کی سولی کے تختے کے قریب آ کر عبادت کرنے لگے، اور یہ دستور اُن کے جسم اقدس کو وہاں سے ہٹائے جانے تک قائم رہا، حتیٰ کہ جب بھی کسی شخص کو کوئی حاجت پیش آتی تو وہ سولی کے مقام پر آ کر دعا مانگتا تو اس کی دعا قبول ہوتی"۔

(مشاہیر علماء الأمصار لابن حبان ص ۶۲، ۶۳)

میں عرض کرتا ہوں: خدا کو گواہ بنا کر آپ فرمائیں، اور اے مسلمانو! تم بتلاؤ! حق اور اہل حق کہاں ہیں؟ ہم فکری اور جسمانی دہشت گردوں سے اور حق کا چہرہ مسخ کرنے والوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

یہ عظیم سید "زید بن علی" فرزندِ نبی و فاطمہ و علی علیہم السلام خلال کی "السنة" کے منہاج، ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور سفیانی قواعد کی رو سے بدعتی ہیں۔ اس پر کیا کہا جا سکتا ہے؟ ہمارا سینہ تنگ اور زبان گنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی محبت و ادب نصیب فرمائے۔

تنبیہ

ابن تیمیہ نے اپنی ''منہاج'' میں لکھا ہے:

''اور سلف حتی کہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ بھی شیخین کے مقدم ہونے پر متفق ہیں۔ ابن بطہ نے از ابو العباس بن مسروق از محمد بن حُمید از جریر از سفیان از عبداللہ بن زیاد از حُدیر روایت کیا ہے، اُنہوں نے کہا: ''ابو اسحاق سبیعی کوفہ آئے تو شمر بن عطیہ نے ہمیں اُن کی تعظیم کرنے کا حکم دیا تو ہم اُن کی مجلس میں جا بیٹھے، لوگوں نے باہم گفتگو کی تو ابو اسحاق کہنے لگا: جب میں کوفہ سے گیا تھا تو کوئی ایک شخص بھی علی کی فضیلت اور شیخین کے مقدم ہونے میں شک نہیں کرتا تھا۔ اور اب میں واپس آیا ہوں تو وہ کہہ رہے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں، اور اللہ کی قسم مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں''۔

(منہاج السنۃ ج ٦ ص ١٣٥، ١٣٦)

میں کہتا ہوں: عرش پر براجمان ہو کر مینا کاری کیجئے پھر بھی یہ روایت جھوٹ ہے، کیونکہ یہ ابن بطہ سے مروی ہے اور وہ کذاب ہے اور اس کے شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق طوسی کے متعلق دار قطنی نے کہا ہے کہ ''وہ قوی نہیں ہے اور معضل (منقطع سے بھی بدتر) روایات بیان کرتا ہے۔'' (لسان المیزان، ١، ٢٩٢)

اور محمد بن حُمید رازی کا حال معروف ہے۔

تنبیہ ثانی

ابن تیمیہ نے اپنی ''منہاج'' میں لکھا ہے:

''محدثین میں سے کسی شخص کو نہیں جانا گیا جو اُن (علی) کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو بلکہ اُن سے تشیع کی جو انتہا منقول ہے وہ سیدنا علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا ہے۔'' (منہاج السنۃ ج ٧ ص ٣٧٣)

میں کہتا ہوں: ان متضاد اور مرعوب کن دعووں کا تعاقب طویل ہوتا جارہا ہے لیکن ہم قلم برداشتہ عرض کیے دیتے ہیں کہ اُن کا کہنا کہ ”محدثین میں سے کسی شخص کو نہیں جانا گیا جو اُن (علی) کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو“ ہم کہتے ہیں ایسا ہرگز نہیں، محدثین میں ایسے لوگ ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دیتے ہیں۔ ناصبی محدث جوزجانی کی کتاب "أحوال الرّجال" ہمارے سامنے ہے، اُس میں اس نے ان تمام محدثین کا ذکر کیا ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دیتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے جو انتہائی صحیح سند کے ساتھ روایت گذری ہے اُسے بھی ذہن نشین رکھیے۔ وہ ثقہ حافظ ہیں، انہوں نے فرمایا ہے: ”گویا کہ کوفہ کی بنیاد ہی حب علی پر ہے، میں نے جس شخص سے بھی گفتگو کی اسے معتدل پایا، ان میں سے اکثر سیدنا علی علیہ السلام کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں۔“

گذشتہ صفحات میں ابن ابی خیثمہ کی نقل کردہ روایت بھی ذہن نشین رہے، اُنہوں نے فرمایا: میں نے یحییٰ بن معین سے سنا: یحییٰ بن آدم نے فرمایا: ”میں نے کوفہ میں ہر شخص کو افضلیت علی سے ابتدا کرتے ہوئے پایا۔“

میں کہتا ہوں: اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، یحییٰ بن آدم کی وفات ۲۰۳ھ میں اور حضرت معمر بن راشد کا وصال ۱۵۳ھ میں ہوا۔ کوفہ ان دونوں اکابر کے زمانے میں حب اہل بیت سے گونج رہا تھا اور اکابر حفاظ سے بھرپور تھا۔ چنانچہ حافظ ابوبکر محمد بن عمر جعابی متوفی ۳۵۵ھ کی محبانِ اہل بیت محدثین اور ان کے طبقات پر ایک مستقل کتاب ہے، اور حافظ الکبیر ابن عقدہ متوفی ۳۳۲ھ کی بھی ایسے محدثین کے بارے میں "الشّیعة من أصحاب الحدیث" (اصحابِ تشیع یعنی محبانِ اہل بیت محدثین) پر ایک تصنیف ہے، علاوہ ازیں بہت سے حفّاظ حدیث ہیں جنہوں نے اس لیے اپنا مذہب ظاہر نہیں فرمایا کہ انہیں ضعیف قرار دے دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو:

(الإحتفال رقم: ٦٨٩)

تنبیہ ثالث

ابن تیمیہ اپنی منہاج میں لکھتے ہیں:

”شیخین کریمین کی حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما پر فضیلت میں صحابہ، تابعین اور ائمہ اہل سنت میں سے کسی ایسے شخص نے اختلاف نہیں کیا جس کی امت میں قدر ہو بلکہ قرناً بعد قرنٍ اس مسئلہ پر ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع اُس سے بڑا رہا ہے جتنا اُن کا اجماع کبائر کے مرتکبین کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور اُن کے خروج از جہنم، حوض کوثر، میزان، خوارج و مانعین زکوۃ کے خلاف جنگ، سامان کے کرایہ پر لینے دینے کی صحت اور بھتیجی اور پھوپھی کو اور بھانجی اور خالہ کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر ہے۔“ (منہاج السنۃ ج ۸ ص ۲۲۳)

میں کہتا ہوں: یہ کم عقلی، اطلاقاتِ مردودہ، کھلا جھوٹ اور شریعت کے ساتھ زیادتی ہے۔ حق فرمایا گیا ہے کہ ”کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے“۔ عبد مناف کی اولاد کے بعض لوگوں نے تو حضرت عثمان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دی ہے، خصوصاً امویوں میں سے بعض اس بات کے قائل تھے۔ شروع شروع میں تو سابقین اوّلین میں سے خالد بن سعید نے اس کی تصریح کی تھی اور ابوسفیان بن حرب بھی اسی کے قائل تھے، اُن کا واقعہ مشہور ہے، باقلانی نے اسے اپنی کتاب (مناقب الائمۃ ص ۹۴) میں بعض متقدمین سے نقل کیا ہے، اور اسی نظریہ کی تصریح ولید بن عقبہ بن اَبی معیط اموی بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ (المستدرک ج ۴ ص ۱۱۲) میں ہے۔

رہی سیدنا علی کی حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر تفضیل تو اُس میں صحابہ اور بعد والے اہلِ اسلام کا جو اختلاف ہے وہ اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

تنبیہ رابع اور ابن تیمیہ کا اعتراف

آخر میں ہم سیدنا علی اور شیخین رضی اللہ عنہم میں تفضیل کے اختلاف پر ابن تیمیہ کا اعتراف پیش کر رہے ہیں۔وہ اختلاف کے اثبات پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکثر زیدی شیعہ، متأخرین معتزلہ اور دوسرے حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں، ان کے نزدیک مفضول کی خلافت جائز ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس کو ایسے کثیر لوگ جائز سمجھتے ہیں جو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک کی دوسرے پر تفضیل میں توقف رکھتے ہیں، نیز یہ اُن لوگوں کا بھی نظریہ ہے جن کے نزدیک یہ مسئلہ ظنی ہے اس میں کوئی ایسی قطعی دلیل نہیں ہے جو ایک معین شخص کی افضلیت کو ثابت کرے۔'' (منہاج السنۃ ج ۷، ص ۳۶۸)

میں کہتا ہوں: کاش ابن تیمیہ مذاہب کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے اور اختلافی مسئلہ کے بیان میں قطعیت کے چکر سے بچتے! بہر حال اُن کے اس اقتباس سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:

1. کثیر زیدی شیعہ سیدنا علی کو سب پر فضیلت دیتے ہیں۔میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ وہ تمام سیدنا علی فاطمہ اور حسنین کریمین علیہم السلام کو سب پر فضیلت دیتے ہیں، اور ان میں ائمہ اہل بیت زید بن علی اور بعد والے حضرات شامل ہیں۔
2. یہ متأخرین معتزلہ کا مذہب ہے۔میں کہتا ہوں: بلکہ یہ جمہور معتزلہ کا مذہب

ہے، جیسا کہ ابوجعفر الاسکافی، قاضی عبدالجبار اور ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے ائمہ معتزلہ سے نقل کیا ہے، اور اِن سب کی نقول پہلے گزر چکی ہیں۔

۳. بعض ائمہ تفضیل میں توقف اختیار کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں: پیچھے گذر چکا ہے کہ جمہور اہل مدینہ اور محدث داؤد اور ابن عبدالبر کا مذہب ہے۔

۴. "بعض ائمہ اس کو ظنی مسئلہ سمجھتے تھے جس پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں: یہی بات محققین ائمہ اہل سنت کے نزدیک معتمد ہے، جیسا کہ باقلانی، امام الحرمین، غزالی، آمدی، مازری، ابوالعباس قرطبی، عضدالدین الایجی، سعدالدین تفتازانی اور دوسرے حضرات۔

۵. ابن تیمیہ نے سیدنا علی کی سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کے قائلین میں اکثر زیدی شیعہ اور متأخرین معتزلہ کا ذکر کیا اور پھر کہا: "وغیرھم" (اور اُن کے علاوہ) اور انہوں نے اس "وغیرھم" کو مبہم رکھا، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ زیدیوں اور معتزلیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی افضلیت علی کے قائل ہیں لیکن انہوں نے اُن کو مبہم اس لیے رکھا تاکہ وہ اپنے مخالف کو اپنے خلاف دلیل قائم کرنے کا موقعہ فراہم نہ کریں۔ ورنہ حق یہ ہے کہ اس "وغیرھم" میں صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت شامل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

سادساً: ابن کثیر دمشقی کے ساتھ کچھ بحث ونظر

علامہ، مصنف ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنہایہ میں امام عبدالرزاق کی حضرت معمر سے نقل کردہ روایت بیان کی ہے جو جمیع صحابہ پر تفضیل مرتضوی کے حوالے سے پیچھے اہل کوفہ کے مذہب کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ابن کثیر نے اس کو ایسے عنوان

کے تحت بیان کیا ہے جو اُن کی نفسیت اور مطالعہ پر خوب دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ اُن پر آسانی فرمائے، وہ لکھتے ہیں:

غريبة من الغرائب وآبدة من الأوابد۔ (اوپری باتوں میں سے ایک بات اور بڑی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت) پھر لکھا ہے:

''اس کلام میں کافی فساد ہے، شاید معمر کو شبہہ لاحق ہوا ہے، کیونکہ بعض کوفیوں سے حضرت علی کی حضرت عثمان پر تفضیل تو مشہور ہے اور رہی شیخین پر تقدیم تو یہ ثابت نہیں، اور شیخین کی تمام صحابہ پر فضیلت کسی غبی پر ہی مخفی رہ سکتی ہے، پھر ان ائمہ پر کیسے مخفی رہ سکتی ہے؟ بلکہ کئی علماء مثلاً ایوب اور دارقطنی نے فرمایا ہے: جس شخص نے علی کو عثمان پر مقدم مانا تو اس نے مہاجرین اور انصار پر تہمت لگائی، اور یہی حق، سچ، صحیح اور عمدہ بات ہے''۔

(البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۷)

میں کہتا ہوں: پہلے تو ہم آپ کو وہ مواد پھر ذہن میں لے آنے کی درخواست کرتے ہیں جو چوتھی فصل کی تمہید میں اہل بیت علیہم السلام کی کتب کے متعلق گزر چکا ہے، پھر ہم عرض کرتے ہیں:

1. جب سند صحیح ہے تو پھر قواعد، اوہام اور صحابہ اور بعد والے اہل اسلام کے خلاف طبعی میلانات کی چڑھائی کا کوئی جواز نہیں۔ اجنبیت اور مصیبت اُس صحیح روایت میں نہیں ہے جو اہل کوفہ کو کے (۱) حال کو ایک ثقہ حافظ کی وساطت اور صحیح سند سے نقل کر رہی ہے، لیکن اجنبیت و مصیبت تو اس شخص کے حال میں ہے جو تاریخ اور تابعین، تبع تابعین اور ان کے ایسے کثیر پیروکاروں

(۱) اور ان میں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کے ائمہ کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

سے تجاہلِ عارفانہ برت رہا ہے جن میں تشیع (حب اہل بیت) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل مشہور تھی۔ ابن کثیر کے لئے تو ابو اسحاق جوزجانی کی کتاب "أحوال الرجال" کا مطالعہ ہی کافی تھا، اُس میں اُس نے اکابر کوفیوں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے: جن میں ابو اسحاق سبیعی، منصور بن معتمر، اعمش، عبید اللہ بن موسیٰ عبسی، ابو نعیم، فضل بن دکین، خالد بن مخلد قطوانی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ اصبہانی، ابو غسّان مالک بن اسماعیل نہدی، ابان بن تغلب، حسن بن صالح ہمدانی اور ان جیسے دوسرے حضرات شامل ہیں۔

جوزجانی جو ناصبیت میں مشہور ہے، کہتا ہے:

و كان قوم من أهل الكوفة لا يحمد الناس مذاهبهم، هم رؤوس محدثي الكوفة۔

ترجمہ: "اہلِ کوفہ کی ایک قوم ایسی ہے جن کے مذہب کی تعریف نہیں کی جا سکتی اور وہ کوفہ کے روٴساء (سردار) محدثین ہیں۔"

(أحوال الرجال ص ۷۹)

جوزجانی کے قول "لا يحمد الناس مذاهبهم" کا مطلب ہے: محبت، تفضیل، موالات اور نصرتِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کا مذہب۔

اور اکثر نقول گزر چکی ہیں کہ محدثین اور فقہاء کا بڑا گروہ امام زید بن علی کے مذہب کی جانب میلان رکھتا تھا اور امام زید بن علی علیہما السلام کے مذہب کو اختیار کرتا تھا، اور تفضیل میں اُن کا مذہب مشہور ہے۔

ابن الندیم الفہرست میں لکھتے ہیں:

"اکثر محدثین زیدی ہیں اور اس طرح محدثین فقہاء کی ایک قوم

بھی، مثلاً سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور اکثر محدثین۔''

(الفہرست لابن الندیم ص ۳۱۲)

گمان یہ ہے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے ابن کثیر کو سب معلوم ہے، لیکن تربیت ومذہب کی اپنی تاثیر ہوتی ہے۔

۲ رہا ابن کثیر کا یہ قول کہ شاید یہ بات ''معمر'' پر مشتبہ ہوگئی ہو۔اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ معمر ثقہ ہیں ثقہ ہیں ثقہ ہیں، اکابر حفاظِ اسلام سے ہیں، اور اشتباہ کسی لفظ یا معروف اور موقوف جیسی باتوں میں لاحق ہوتا ہے اور وہ اختلاف سے جانا جاسکتا ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ حضرت معمر رضی اللہ عنہ نے کسی کی مخالفت کی ہو تاکہ ہم انہیں خطاوار ٹھہرائیں اور ان پر وہم اور اشتباہ کا دعوی کریں۔
حضرت معمر رضی اللہ عنہ کا کلام ایک قوم کے مذہب اور اُن کے باہمی تبادلہ خیال کے متعلق ہے جس کو سچائی کے علاوہ کسی چیز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

۳ ابن کثیر کا کہنا ہے: ''شیخین کی تمام صحابہ پر فضیلت غبی کے علاوہ کسی شخص پر مخفی نہیں۔''

میں کہتا ہوں: شیخین کی فضیلت صحیح ومتواتر احادیث سے ثابت ہے، کوئی بھی عاقل شخص ان کا انکار نہیں کرسکتا لیکن فضیلت کا اقرار مسئلہ تفضیل میں اختلاف کرنے سے مانع نہیں ہے، ماسوا اُس شخص کے جس کے نزدیک علماء فقط وہ ہوں جو اس کے ہمنوا ہوں۔

۴ ابن کثیر نے کہا: ''بلکہ متعدد علماء (جیسا کہ ایوب اور دارقطنی) نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے علی کو عثمان پر مقدم مانا تو اس نے مہاجرین اور انصار پر تہمت لگائی۔''

میں کہتا ہوں: اس سے خلافت میں تقدیم مراد ہے، اور یہی تاویل ان کے حق میں احسن ہے۔

نیز یہ تاویل بھی مکمل ان دونوں ائمہ کے لئے تسلیم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ مجلسِ شوریٰ میں جو اختلاف رونما ہوا تھا اور بنو ہاشم، مقداد، عمار، سعید بن عاص اور انصار رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ خلافت میں سیدنا علی کی تفضیل کا قائل تھا، ایسے سب امور کسی بھی صاحبِ مطالعہ شخص پر مخفی نہیں بلکہ یہ بھی مخفی نہیں کہ سیدنا علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ اہل تھے۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام میں بیعتِ عثمان کی حدیث میں ہے: ''پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے کھڑے ہو گئے اور انہیں خلافت کی امید تھی''۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۷) بلکہ جویریہ سے سعید بن عامر کی روایت میں ہے: ''پس ہم نے صبح کی اور میں نہیں سمجھتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی بیعت کی جائے گی، یعنی قرائن سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔

واضح رہے کہ بیعتِ عثمان کی روایات اُن کی حضرت علی رضی اللہ عنہما پر افضلیت کی دلیل نہیں۔ بیعتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں ہم ''البدایۃ والنہایۃ'' کی ایک تصریح پر اکتفا کر رہے ہیں، اور وہ ابن کثیر کی پسندیدہ روایت ہے۔ اُس میں ہے:

''حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے لوگو میں نے تم سے اعلانیہ اور رازدارانہ طور پر تمھاری خواہشات معلوم کیں تو میں نے تمھیں اس حال میں پایا کہ تم کسی کو ان دو ہستیوں علی وعثمان رضی اللہ عنہما کے برابر نہیں سمجھتے۔ اے علی آپ میرے قریب تشریف لائیے! پھر اُنہوں نے کہا: کیا آپ مجھ سے اللہ کی کتاب اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر بیعت کرتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں اپنی طاقت اور کوشش کے مطابق بیعت کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں تو اُنہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: اے عثمان آپ میرے قریب تشریف لائیے؟ اُنہوں نے عثمان کا ہاتھ تھام کر کہا: کیا آپ مجھ سے اللہ کی کتاب، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر بیعت کرتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا:

ہاں ۔ پھر حضرت عبد الرحمان نے فرمایا: اے اللہ میں نے اپنی گردن کا بوجھ عثمان کی گردن پر ڈال دیا ہے، تو لوگوں نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔

(البدایۃ والنھایۃ ج ۷ ص ۱۷۷)

اس عبارت سے ہمارا موقف چند وجوہ سے مضبوط ہوتا ہے:

ا۔ یہ روایت اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ان کی افضلیت کے سبب کی گئی بلکہ اس سبب سے کی گئی کہ وہ کتاب وسنت اور ان دونوں پر زائد شیخین رضی اللہ عنہما کے فعل پر بیعت کے لئے راضی ہو گئے تھے، رہے حضرت علی علیہ السلام تو اُن کا علمی مقام مشہور ہے، اس لیے انہوں نے فقط کتاب و سنت پر اکتفاء کیا۔

ب۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام کی ابتداء اس قول سے کی ''میں نے تمہیں (مہاجرین وانصار) دیکھا کہ تم کسی کو ان دو ہستیوں کے برابر نہیں سمجھتے علی یا عثمان''، تو یہاں عثمان کی علی پر فضیلت کہاں ہے رضی اللہ عنہما؟

ج۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ابتدا حضرت علی سے کی، یہ کہتے ہوئے: هل أنت مبايعي علي ''کیا آپ مجھ سے بیعت کرتے ہیں؟ تو یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کہاں؟''

اس مقام پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے: فرض کیجئے کہ سیدنا علی حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کی شرط کی موافقت کرتے تو لامحالہ ابن عوف حضرت علی رضی اللہ عنہما کی لازماً بیعت کر لیتے، پھر تمام لوگ حضرت علی کی بیعت میں جلدی کرتے اور اُن کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بیعت کر لیتے تو پھر یہاں وہی قول لازم آتا:

من قدم عثمان على عليٍّ فقد أزرى بالمهاجرين والأنصار۔

ترجمہ: ''جس نے عثمان کو کو علی پر مقدم کیا تو اس نے مہاجرین اور انصار پر عیب لگایا''۔ فتأمّل۔

عقل مند کے لیے مفید تتمہ

ایک مرتبہ پھر مرعوب کن دعووں اور ''إِزْرَاء'' کے قائلین کا تعاقب۔ میں کہتا ہوں: فرض کیجئے کہ وہ تقدیم سے تفضیل کا قصد کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا کلام قرآن و سنت یا اجماع نہیں ہے کہ اُس کی اتباع واجب ہو۔ ''إِزْرَاء'' (مہاجرین و انصار پر عیب لگانے) کے قائلین پر امام ذہبی نے (سیر أعلام النبلاء ج١٦ ص٤٥٧) میں تنقید فرمائی ہے۔

''إِزْرَاء'' کے قائلین سیدنا علی کی سبقت، اُن کی اعلمیت، جہاد کی کثرت، نسب میں اقربیت اور روایۃً اور درایۃً اُن کی فضیلت میں وارد اکثر احادیث سے متصادم ہے۔

''إِزْرَاء'' کے قائلین حضرت عبداللہ بن عمر جو کہ مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے، کے قول سے بھی متصادم ہے۔ اُن کے قول میں صراحتاً سیدنا علی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر تفضیل ہے۔ چنانچہ امام عبدالرزاق، امام احمد اور امام نسائی سندِ صحیح کے ساتھ حضرت علاء بن عرار سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

> ''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق سوال کیا درآنحالیکہ وہ مسجد میں بیٹھے تھے تو فرمایا: تم علی کے متعلق مت پوچھو اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک مقام دیکھو، مسجد میں اُن کے گھر کے سوا اور کوئی گھر نہیں۔ رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو ان سے میدانِ احد میں بڑی غلطی ہوئی تھی تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کی مغفرت فرمائی اور تمہارے درمیان

ان سے اس سے کہیں چھوٹی غلطی ہوئی تو تم نے انہیں قتل کر ڈالا۔“

(المصنف لعبدالرزاق ج۱۱ص۲۳۲، فضائل الصحابة ج۲ ص۱۰، خصائص علی ص۱۰۱،۱۰۵،۱۰۴)

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا علی علیہ السلام کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ ”الاستیعاب“ میں ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ کے بارے میں فرمایا:

لله درّهم إن ولو ها الأصيلع كيف يحملهم على الحق، ولو كان السيف على عنقه. فقلتُ: أتعلم ذلك ولا توليه؟ قال: إن لم أستخلف فأتر كهم فقد تر كهم من هو خير مني.

ترجمہ: ”ان کی خوبی اللہ کے لئے ہے اگر ”اُصَیْلَع“ (جس کے سر کے اگلے بال گرے ہوئے ہوں) کو خلیفہ بنالیں وہ انہیں حق پر چلائے گا اگر چہ تلوار اُس کی گردن پر ہو۔ میں نے عرض کیا: اگر آپ یہ جانتے ہیں تو انہیں خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے؟ فرمایا: اگر میں خلیفہ نہ بناؤں اور لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دوں تو مجھ سے بہتر شخص نے بھی چھوڑا تھا۔“ (فتح الباری ۷ ص ۶۸)

تتمہ

شاہ ولی اللہ دھلوی نے دو کتابیں لکھی ہیں، ایک کا نام ”إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء“ اور دوسری کا نام ”قرة العينين بتفضيل الشيخين“ ہے اور دونوں فارسی زبان میں ہیں۔ شیخ محمد ادریس کاندھلوی نے دونوں کے لب لباب

کا عربی ترجمہ (التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح ج،ص ۳۲۲، ۳۴۲) میں درج کیا ہے، اور میں نے اُس کلام میں صریح ناصبیت دیکھی ہے۔

خانوادۂ علویہ کے امام سیدی احمد بن صدیق فرماتے ہیں: ''شیخین کی علی پر فضیلت کے موضوع پر، شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' تالیف کی ہے۔ جس میں وہ سیدنا علی علیہ السلام کی ہر فضیلت اور خصوصیت کے سلب کرنے میں ابن تیمیہ کے قریب پہنچ گئے بلکہ اس سے بھی افراط، اسراف اور بہت سے مسائل میں حد سے تجاوز کر گئے۔ یہاں تک کہ مصر میں شیخ الجماعۃ شیخ ابراہیم السقا سے جب اس کتاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو اُنھوں نے ایک ''جزئ'' کی شکل میں جواب دیا، جس میں انہوں نے دہلوی پر کڑی تنقید کی ہے یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ اسے اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت میں شامل کر دیں۔ جس بات نے دہلوی کو اس حد تک پہنچایا وہ اُن کی مولیٰ علی علیہ السلام سے خلافت کی نفی ہے، اور اُن کی تردید میں مشہور عالم دین عبد الحی لکھنوی کے والد علامہ عبد الحکیم لکھنوی نے بھی کتاب تالیف فرمائی تھی۔ نیز اسی طرح ہندوستان کے بعض محدثین نے بھی ان کی تردید پر ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی ہے۔

دسواں باب

حدیث واثر میں غور وخوض

حدیث اور اثر پر گفتگو کرنا باقی ہے۔

اوّل: مفاضلہ (فضائل کے موازنہ) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث۔

ثانی: شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے متعلق اثر علی علیہ السلام۔

سب سے پہلے ہم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جائزہ لیتے ہیں:

امام احمد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كنا في زمن النبي ﷺ لا نعدل بأبي بكر أحداً، ثم عمر ثم عثمان، ثم نترك أصحاب النبي ﷺ لا نفاضل بينهم۔

ترجمہ: "ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر عمر، پھر عثمان، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، اُن کے مابین مفاضلہ نہیں کرتے تھے"۔

(مسند أحمد ج ۲ ص ۱۴، بخاری رقم ۳۶۵۵، ۳۶۹۷)

اس حدیث کے متعدد طرق اور الفاظ ہیں۔ بعض میں ہے: "وَنَسكُتُ" (ہم خاموش ہو جاتے تھے) کہیں یہ الفاظ ہیں: "ثم لا نفاضل أحداً على أحد"

(پھر ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے) اور بعض روایات میں ہے:
"استوی الناس" (تمام لوگ برابر تھے)۔ یہ تمام الفاظ ثابت ہیں اور حفاظ نے
انہیں صحیح قرار دیا ہے۔

۱۔ یہ حدیث اشکال زدہ ہے اور بالاتفاق اس کا ظاہر معنیٰ متروک ہے، کیونکہ یہ اُس قرآن کے مخالف ہے جس نے سابقین کو اور اُن لوگوں کو فضیلت دی جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا، پھر یہ اُن احادیث نبویہ کے خلاف ہے جن میں تواتر کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کی دوسری جماعت اور بعض افراد کی بعض پر فضیلت آئی ہے، اور بعض احادیث میں کسی واحد صحابی کے مناقب آئے ہیں۔

اور یہ قول اُن احادیث سے بھی متصادم ہے جن میں اہل کساء کی، خلفاء اربعہ کی، عشرہ مبشرہ کی اور امہات المومنین کی تفضیل آئی ہے، اور یہ سابقین کی تفضیل میں جو فرمودات اور احادیثِ عظیمہ واقع ہوئی ہیں سب کے خلاف ہے۔ مثلاً ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''میں نے اپنی امت کے لئے وہ کچھ پسند کرلیا جس کو اُس کے لیے ابن مسعود نے پسند کیا'' اور جنت کا حضرات عمار، بلال، سلمان اور مقداد کا مشتاق ہونا۔ حسنین کریمین کے فضائل کی احادیث اور حضرات عباس، حمزہ، جعفر، عمار، حذیفہ، ابوذر اور انصار رضی اللہ عنہم کے فضائل میں آنے والی احادیث کے بھی خلاف ہے۔

اور یہ قول مسئلہ تفضیل میں اُس اختلاف سے بھی متصادم ہے جو پیچھے گذر چکا ہے۔

پھر یہ اشکال "استوی الناس" (تمام لوگ برابر تھے) کے الفاظ سے مزید شدید ہو جاتا ہے، بھلا کیونکر حضرات ابوعبیدہ، سعد، طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم طلقاء اور مؤلفۃ القلوب قسم کے لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں؟

یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والا اور

کفر و شرک کے خلاف لڑائی کرنے والا دوسروں کے برابر ہو؟ ٹھیک ہے کہ اسلام گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے لیکن سب کو برابر ٹھہرانا اور ان کے مابین تفضیل کے فرق کو ترک کرنا کتاب و سنت کی تصریحات مبارکہ کے خلاف ہے۔

اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اتفق العلماء علیٰ تأویل کلام ابن عمر هذا، لما تقرر عند أهل السنة قاطبة من تقديم علي بعد عثمان، و من تقديم بقية العشرة المبشرة على غيرهم، و من تقديم أهل بدر علىٰ من لم يشهدها، و غير ذلك. فالظاهر أن ابن عمر إنما أراد بهذا النفي أنهم كانوا يجتهدون في التفضيل فيظهر لهم فضائل الثلاثة ظهوراً بيناً فيجزمون به، ولم يكونوا اطلعوا على التنصيص، و يؤيد ما روى البزار عن ابن مسعود قال: "كنا نتحدث أن أفضل أهل المدينة علي بن أبي طالب" رجاله موثقون، وهو محمول علیٰ أن ذلك قاله ابن مسعود بعد قتل عمر.

ترجمہ: ''علماء کا ابن عمر رضی اللہ عنہم کے مذکورہ قول کی تاویل پر اتفاق ہے، کیونکہ تمام اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان کے بعد سیدنا علی کا سب پر، عشرہ مبشرہ کا دوسرے صحابہ پر اور بدر کے شرکاء کا شریک نہ ہونے والوں پر تقدم بالاتفاق ثابت ہے۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ ابن عمر کی اس نفی سے فقط یہ مراد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ

تفضیل میں غور وخوض کیا کرتے تھے تو اُن پر ان تینوں کے فضائل زیادہ واضح ہوتے تھے تو وہ انہیں پر قائم ہو جاتے، اور اُس وقت وہ تصریحات پر مطلع نہیں ہوئے تھے۔اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں افضل حضرت علی بن ابی طالب ہیں" اس کے راوی ثقہ ہیں، اور یہ اس معنیٰ پر محمول ہے کہ یہ قول ابن مسعود نے شہادتِ عمر رضی اللہ عنہم کے بعد کیا ہے۔" (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸)

میں کہتا ہوں: اتنا کافی ہے کہ علماء حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی تاویل پر متفق ہیں، باقی رہا حافظ ابن حجر عسقلانی کا "فالظاھر" کے بعد والا کلام تو وہ محل نظر ہے اور اُس پر بہت بڑا اعتراض ہوسکتا ہے۔

اور حافظ لکھتے ہیں

ترجمہ: "ابن عبد البر نے بھی دعوی کیا ہے کہ یہ قول اہل سنت کے مذہب کے خلاف ہے، بلاشبہہ سیدنا علی المرتضیٰ خلفاء ثلاثہ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت علی خلفاء ثلاثہ کے بعد پوری مخلوق سے افضل ہیں اور یہ اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر کا قول غلط ہے، اگرچہ اُس قول کی سند اُن تک صحیح ہے۔" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶)

۲ یہ قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف کے بھی مخالف ہے، کیونکہ انہوں نے باہمی تنازع کے وقت اس کو دلیل کے طور پر نہیں اپنایا تھا۔مثلاً:

۱۔ سقیفہ بنوساعدہ میں کسی نے بھی اُسے دلیل نہیں بنایا حالانکہ اُن میں مہاجرین

میں سے حضرت ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، اور نہ ہی حضرت ابو بکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بناتے وقت اس کو دلیل بنایا۔

ب۔ اور یہ قول اُس کے بھی منافی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحابِ شوریٰ میں برابری قرار دی تھی۔

ج۔ یہ قول مجلسِ شوریٰ میں واقع ہونے والے تمام امور کے اور حضرت عبد الرحمان بن عوف کی صحابہ کے ساتھ (شہادتِ فاروقی کے بعد) مشاورت کے بھی منافی ہے، بلکہ عبد الرحمٰن بن عوف نے تو آغاز ہی سیدنا علی سے کیا تھا۔

د۔ یہ قول سیدنا علی کے ذاتی موقف کے بھی خلاف ہے، کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل خلافت میں رغبت رکھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے: ''پھر وہ اُن سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہ امید پر تھے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۳)

ہ۔ اور یہ قول خود ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مجلسِ شوریٰ میں موقف کے بھی خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے مجلس شوریٰ میں اس کو حجت نہیں بنایا خصوصاً جبکہ وہ مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن تھے۔

و۔ اور یہ قول خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اُن تصریحات کے بھی خلاف ہے جو اُن سے حضرت عثمان پر حضرت علی کی تفضیل میں منقول ہیں رضی اللہ عنہم۔

۳ قولِ ابن عمر پر یحییٰ بن معین کا اشکال

امام ابن عبد البر ''الاستیعاب'' میں لکھتے ہیں:

''جن لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اِس قول: "کنا نقول علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أبوبكر، ثم عمر ثم عثمان، ثم نسكت، يعني لا نفاضل" (ہم رسول

اللہ ﷺ کے عہد میں کہا کرتے تھے: ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر خاموش ہو جاتے تھے، یعنی مفاضلہ کی بات نہیں کرتے تھے) سے دلیل لی ہے تو اُن پر امام یحییٰ بن معین نے اعتراض فرمایا ہے اور اُن کی مذمت میں سخت کلام فرمایا ہے، کیونکہ اس قول کا قائل اُس اجماع کے خلاف ہے جس پر سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام قائم ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ حضرت عثمان کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، اس میں اُنہوں نے کبھی اختلاف نہیں کیا، اُن کا اختلاف فقط سیدنا علی وعثمان رضی اللہ عنہما کے مابین تفضیل میں ہے۔

اور اسلاف کرام نے سیدنا علی اور حضرت ابو بکر کی تفضیل میں بھی اختلاف کیا ہے، اور ہم نے جو سب کے اجماع کا ذکر کیا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر کا قول وہم اور غلط ہے۔ اس کا مفہوم درست نہیں ہے اگر چہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس قول کی صحت کے قائل پر حضرت جابر وابو سعید رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث لازم آتی ہے: "كنا نبيع أمهات الأولاد على عهد رسول الله ﷺ" (ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ام ولد عورتوں [وہ باندیاں جن سے انسان کی اولاد ہو] کو فروخت کرتے تھے) اور وہ اس کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا تضاد کا شکار ہیں، اور اچھی توفیق اللہ کے پاس ہے۔" (الاستیعاب ج ۳ ص ۱۱۱۷ مطبعة دار الجيل)

۴۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ "الاستذکار" میں بکثرت ایسی احادیث لائے ہیں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے منافی ہیں۔ انہوں نے پہلے امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا:

لا أفضل أحداً من العشرة المبشرة و لا غيرهم علىٰ صاحبهِ۔

ترجمہ: ''میں نہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں اور نہ ہی دوسروں کو اُن پر۔''

پھر کہا: اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أدركت شيوخنا بالمدينة، و هذا رأيهم۔

ترجمہ: ''میں نے مدینہ مقدسہ میں اپنے مشائخ کو اسی رائے پر پایا ہے''۔

(الاستذکار ج ۱۴، ص ۲۴۰، ۲۴۲)

اس پر امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام مالک کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابن عمر سے منقول نافع کی یہ حدیث:

كنا نفاضل [۱] علىٰ عهد رسول الله ﷺ: فيقول أبوبكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم يسكت، فلا يفضّل أحداً۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مفاضلہ کی بات کرتے تھے: پس کوئی کہتا: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر وہ خاموش ہو جاتا پس کسی کو فضیلت نہ دیتا۔''

صحیح نہیں ہے۔ امام مالک سب لوگوں سے زیادہ حضرت نافع

[۱] یہ سخت الفاظ ہیں، سکوت اور توقف بہتر ہے، کیونکہ اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے پر اتفاق ہے۔

اور ان کی حدیث کا علم وفہم رکھتے تھے، اور اُن کے نزدیک حضرت نافع ان لوگوں میں سے تھے جن کی دین میں پیروی کی جاتی ہے، پس اگر اُن کے نزدیک ابن عمر سے مروی نافع کی یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ یہ قول نہ کرتے۔

یہ حدیث شاذ ہے، اصول دین کی کوئی بات اس کو تقویت نہیں دیتی، اور ہر وہ حدیث جس کی کوئی اصل نہ ہو اُس میں کوئی حجت نہیں ہوتی (۱) اکثر جہلاء لوگ اس کی طرف مائل ہیں اور وہ اپنی جہالت کے سبب اس کے ماسوا سے اختلاف کرنے پر جمع ہیں، اور وہ اپنے اس قول کے ساتھ اس تضاد کا بھی شکار ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل میں چوتھا تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ابن عمر سے اُن کی پسندیدہ حدیث میں ہے کہ صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے، اور خلفاء ثلاثہ کے بعد کسی کو کسی پر فضیلت دینے سے خاموش ہوجاتے تھے۔ پس جس بات کو انہوں نے اپنایا اسی کی ضد کا شکار ہو گئے، اللہ ہی اس زمانے کی جہالتِ عامہ سے ہمارا مددگار ہے۔"[۱]

(الاستذکار لابن عبد البرج ۱۴، ص ۲۴۰)

پھر ابن عبد البر نے حدیث ابن عمر کے مقابلہ میں دوسری احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

---

[۱] ابن عبد البر کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی، اگر وہ ابن تیمیہ کا زمانہ پاتے اور قول ابن عمر کی وجہ سے مولیٰ علی کو مؤخر کرنے کا مشاہدہ کرتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ بلکہ اگر ابن عبد البر ہمارا زمانہ پاتے تو کیسا محسوس کرتے؟ وہ مسئلہ تفضیل کے ظنی ہونے کی تصریح کرنے والے ہیں، لہٰذا وہ مکمل کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس فرماتے۔

۵۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس حدیث میں شبہ محسوس کر لیا تھا، اور وہ [شبہ] اُن کی سیدنا علی علیہ السلام کی فضیلت، اُن کے علم، اُن کے جہاد اور اُن کی سبقت سے خاموشی ہے، اور کبھی کبھار تو وہ اس سکوت کو بعض فضائل مرتضوی کے مترادف [ہم معنیٰ] سمجھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كنا نقول في زمن رسول الله ﷺ: رسول الله ﷺ خير الناس، ثم أبوبكر، ثم عمر. ولقد أعطى على بن أبي طالب ثلاث خصال، لأن يكون لي واحدة منهن أحب إلي من حمر النعم: زوجه رسول الله ﷺ ابنته وولدت له، وسدت الأبواب إلا بابه في المسجد، وأعطاه الراية يوم خيبر.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے بہتر ہیں، پھر ابو بکر پھر عمر اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو تین خوبیاں عطا کی گئیں اگر ان میں سے کوئی ایک خوبی مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ (بیش قیمت) اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اور ان سے اُن کی اولاد ہوئی۔

② آپ نے مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کروادیئے ماسوا اُن کے دروازہ کے۔

③ اور آپ نے خیبر کے روز پرچم اُنہیں کو عطا فرمایا"۔

یہ حدیث امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے علاء بن عرار سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے عرض کیا: مجھے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق بتلائیں تو امام نسائی نے حدیث بیان کی، جس میں ہے:

و أما علی فلا تسأل عنه أحداً، و انظر منزلته من رسول الله ﷺ قد سد أبوابنا فی المسجد و أقر بابه۔

ترجمہ: ''رہے علی، تو تم اُن کے متعلق کسی سے مت پوچھو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھو کہ آپ نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کرادیئے لیکن ان کے دروازے کو باقی رکھا۔''

اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں ماسوا علاء بن عرار کے، امام یحیٰی بن معین اور دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی توثیق فرمائی ہے''۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۵)

چونکہ قول ابن عمر مشکل المفھوم ہے اسی لیے علماء کرام اس کی ایسی توجیہات میں مشغول ہوئے جو اس کو ظاہری معنی سے حقیقت کی طرف لے گئیں۔ اگر آپ چاہیں تو امام خطابی کی [معالم السنن ج: ۷ ص: ۱۸] اور کرمانی کی شرح بخاری ملاحظہ فرمائیں، اور امام یحیٰی بن معین، ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے تبصرے تو پہلے ہی گذر چکے ہیں۔

۶۔ حضرت ابن عمر اس حدیث کے خلاف مذھب رکھتے تھے اور وہ افضلیتِ مرتضوی بر عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کی تصریح فرماتے تھے۔ چنانچہ امام عبد الرزاق، امام احمد اور امام نسائیؒ صحیح سند کے ساتھ از شعبہ یا از معمر از ابو اسحاق از علاء

بن عرار روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

''وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے غزوۂ احد میں پسپائی دکھائی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا، پھر ان سے کچھ بھول ہوئی تو لوگوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ پھر اس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کے متعلق مت پوچھو! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ نہیں دیکھا؟''

(المصنّف ج ۱۱ص ۲۳۲رقم ۲۰۴۰۸، فضائل الصحابۃ رقم ۱۰۱۲، خصائص علی رقم ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶)

میں کہتا ہوں: پھر اجماع کے دعووں، رفض کی تہمت ''إِزْرَاء''یعنی صحابہ پر عیب لگانے کا الزام اور سیدنا علی کو مؤخر ماننے پر اصرار اور حضرت علی کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر تفضیل کے قائلین پر فکری دباؤ پر مبنی عبارات وغیرہ کا کیا ٹھکانہ رہا؟

۷ میں نے اس حدیث کی توجیہ میں جو سب سے بہترین قول پایا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر کا یہ قول خلافت کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''حدیث ابن عمر کے بعض طرق میں آیا ہے کہ مذکورہ خیریت اور افضلیت کا تعلق خلافت کے ساتھ مقید ہے۔ اس سلسلہ امام ابن عساکر نے از عبد اللہ بن یسار، از سالم، از ابن عمر رضی اللہ عنہم نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

إنكم لتعلمون أنَّا كنَّا نقولُ على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبوبكر، وعمر، وعُثمان، يعني في الخلافة.

ترجمہ: ''یقیناً تم جانتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے: ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم یعنی خلافت میں۔''

ایسا ہی اصل حدیث میں ہے، اور اسی طرح عبید اللہ نے از نافع، از ابن عمر رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے کہ:

كُنَّا نقول في عهد رسول الله ﷺ من يكون أولیٰ بهذا الأمر؟ فنقول: أبوبكر، ثم عمر.

ترجمہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے: اس امر کا زیادہ حقدار کون ہے؟ پھر خود ہی کہتے تھے: حضرت ابو بکر پھر عمر رضی اللہ عنہم۔'' (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷)

اس پر عبد اللہ بن یسار کی عبد اللہ بن عمر العمری نے متابعت کی ہے از نافع، جیسا کہ امام احمد کی (فضائل الصحابة رقم: ٦٣) میں ہے۔

اس آخری مسلک سے حدیث میں موجود اشکال یقیناً زائل ہو جاتا ہے کہ تقدیم کا تعلق خلافت سے ہے، اور اس سے قبل وضاحت آچکی ہے کہ خلافت کی تقدیم سے تفضیل لازم نہیں آتی۔

لیکن اس مسلک کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو استعمال کیا اور نہ ذکر کیا اور نہ ہی شدید حاجت کے باوجود کسی خلیفہ کے انتخاب کے وقت اسے بطور دلیل پیش کیا بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں عبیدہ بن جراح کو خلیفہ نامزد کرتا پھر میرا رب مجھ سے پوچھتا: تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟ تو میں عرض کرتا: یارب! میں نے تیرے نبی کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: ''یہ اس امت کا امین ہے'' اور اگر میں سالم مولیٰ حذیفہ کو خلیفہ نامزد کرتا پھر میرا رب ان کے متعلق مجھ سے پوچھتا کہ کس چیز نے تجھے اس کام پر آمادہ کیا؟ تو میں عرض کرتا: یارب! میں نے تیرے نبی کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: ''یہ اللہ کے ساتھ دل سے سچی محبت کرتا ہے'' اور اگر میں معاذ بن جبل کو خلیفہ نامزد کرتا پھر میرا رب مجھ سے پوچھتا: تمہیں کس چیز

نے اس پر آمادہ کیا؟ تو میں عرض کرتا: یارب! میں نے تیرے نبی کو فرماتے ہوئے سنا تھا: ''جب علماء اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ان کے مقابلہ میں چٹان کی طرح بلند رتبہ ہوں گے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ ''قیامت کے دن جب علماء جمع ہوں گے تو معاذ بن جبل ان کے سامنے پہاڑ کی طرح بلند ہوں گے۔''

اس حدیث کو امام احمد، ابن شبہ، ابن سعد اور ابن ابی عاصم نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج۱ ص۱۸، فضائل الصحابة رقم: ۱۲۸۷، ۱۲۸۵، تاریخ مدینة ج۳ ص۸۸۶، الطبقات الکبریٰ ج۳ ص۴۱۳، الأحاد والمثانی ج۳ ص۴۱۸)

ثانیاً: مسئلہ تفضیل میں قولِ علی علیہ السلام پر کلام

امام احمد فرماتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے از منصور بن عبدالرحمٰن، از شعبی، از ابو جحیفة، جنہیں سیدنا علی نے وہب الخیر کا نام دیا تھا، روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو جحیفة کیا میں تمہیں اِس امت کے نبی کے بعد اِس امت کے افضل شخص کے متعلق نہ بتلاؤں؟: میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرماتے ہیں: حالانکہ میں کسی کو اُن سے افضل نہیں سمجھتا تھا، فرمایا: اِس اُمت میں اِس کے نبی کے بعد افضل شخص ابو بکر ہیں اور ابو بکر کے بعد عمر ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے اور اُس کا نام نہ لیا۔ رضی اللہ عنہم''

(مسند أحمد ج۱ ص۱۰۶)

یہ سند صحیح ہے اور یہ حضرت ابو جحیفہ سے کئی طریقوں سے منقول ہے، وہ صحابی ہیں اُن کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔

امام احمد کی وہب سوائی سے روایت کردہ حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہم سے خطاب کیا تو فرمایا: امت میں اس کے نبی کے بعد کون شخص بہتر ہے؟ تو میں نے عرض کیا: یا امیر المومنین آپ۔ فرمایا: نہیں، اس امت میں اس کے نبی کے بعد بہترین شخص ابو بکر پھر عمر رضی اللہ عنہم ہیں اور ہم اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ عمر کی زبان پر سکینہ گویا ہوتا ہے''۔

(مسند أحمد ج ا ص ١٠٦)

ابو اسحاق فزاری نے ثابت سند کے ساتھ اور اُن کی سند سے خطیب نے ''الکفایۃ'' میں نقل کیا ہے کہ فزاری، از شعبہ، از سلمہ بن کہیل، از ابو الزعرائ، از زید بن وھب روایت کرتے ہیں:

''حضرت سوید بن غفلہ جعفی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا امیر المؤمنین! میرا گزر کچھ ایسے افراد سے ہوا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر اُن کے اُس حق سے ہٹ کر کر رہے تھے جس کے وہ اسلام میں مستحق ہیں، اس لیے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ آپ بھی اُن کے بارے میں یہی خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ جرأت فقط اس لیے کی ہے کہ اُن کا گمان ہے کہ اُن کی یہ جرأت آپ کے موافق ہے۔ اور اُس نے حضرت علی کے خطبہ کا ذکر کیا اور اُنہوں نے حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کی جو شان بیان فرمائی اُس کا ذکر کیا اور

آخر میں حضرت علی کا یہ قول ذکر کیا: ''خبردار جس کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر جھوٹے کی حد لگاؤں گا۔'' (کتاب السیر ص ۳۲۷)

سوید بن غفلہ سے اس اثر کی ایک اور سند ہے جسے بحشل، آجری، امام خیثمہ اور لالکائی نے ذکر کیا ہے اور اس کی سند میں حسن بن عمارہ ہے۔

(تاریخ الواسط ص ۱۶۶، الشریعة للآجری رقم ۱۱۹۶، ۱۸۳۰، ۱۸۲۹، فضائل الصدیق ص ۱۲۲، شرح أصول إعتقاد أهل السنة للالكائي ج ۷، ص ۱۲۹۵)

اس اثر کو ابونعیم نے سوید سے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔

(فضائل الخلفاء الأربعة ص ۱۸۴۔ ۱۸۷)

انہیں الفاظ سے امام احمد نے دوسری دوضعیف سندوں سے بھی روایت کیا ہے۔ (فضائل الصحابۃ رقم ۴۹، ۴۸۴)

اس اثر (قولِ صحابی) پر بحث کے دو مقام ہیں:

مقامِ اول: سبب الأثر

ایک جماعت نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی میں تجاوز کیا پھر ایسا تاثر دیا کہ اُن کے کلام کا یہ مفہوم سیدنا علی علیہ السلام سے مؤید ہے، حالانکہ یہ اُن پر بہتان اور قبیح جرم ہے۔ لہٰذا مناسب تھا کہ آغاز ہی میں اس کا سد باب کر دیا جاتا، اور چونکہ یہ جماعت سیدنا علی کی محب اور اُنہیں حضرت ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتی تھی اس لیے اُن کی عقیدت کی زد حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم تینوں پر پڑتی تھی (وہ یوں کہ شیخین کریمین کی تو انہوں نے براہِ راست برائی کی تھی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہم اس برائی کا سبب ٹھہرتے تھے) لہٰذا امام علی علیہ السلام نے ایک واضح موقف لیتے ہوئے خود پر شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ترجیح دی اور انہیں مقدم رکھا، اور حد سے تجاوز کرنے والوں اور شیخین پر بہتان باندھنے والوں کو

وارننگ دی کہ اگرانہوں نے انہیں شیخین پر فضیلت دی تو وہ انہیں وہ سزا دیں گے جو بہتان تراش کو دی جاتی ہے، اور چھوٹی سے بڑی سزا کی وارننگ اور دھمکی دینا سد باب کے طور پر تنبیہ کے ادنیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف میلان ہوتا ہے، اور اس کا تعلق اُس باب سے ہے کہ جب واجب بات اس سے کم پر پوری نہ ہوتی ہو تو وہی سخت طریقہ واجب ہوتا ہے، اور مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تحفظ واجب ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ سیدنا علی علیہ السلام کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے اور اس کی عام اشاعت کرتے تو مفاضلہ ومقابلہ کی ایسی نامناسب راہ کھل جاتی جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی کی طرف لے جاتی۔ لہٰذا شیخین کے بارے میں تبادلہ خیال میں حد سے بڑھنے والوں کو روکنا واجب تھا، اور یہ واجب اُس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ انہیں جائز سے نہ روکا جاتا اور وہ افضلیت مِرتضوی کا تذکرہ ہے۔ اور شاید یہ فیصلہ مولیٰ علی علیہ السلام کے اقضی الصحابہ ہونے کی طرف لطیف اشارہ کر رہا ہے۔ فتدبّر۔

مقام ثانی

اس اثر میں متعدد فوائد ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1. کسی کی قطعی افضلیت اور اس قطعیت کی شہرت صحابہ کرام اور تابعین میں سے امام علی علیہ السلام کے کبار ساتھیوں کے نزدیک مقرر و معلوم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا جن میں اُن کے فرزند حضرت محمد ابن الحنفیہ بھی شامل ہیں، اور بہت سی روایات میں ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور ابتداءً ازخود انہیں فرمایا: "ألا أخبركم بأفضل هذه الأمة بعد نبيها؟" (کیا میں تمہیں اس امت کے نبی کے بعد افضل شخص کے متعلق نہ بتاؤں؟) اگر یہ بات صحابہ و

تابعین کے نزدیک روشن، قطعی واضح اور اجماعی ہوتی درآنحالیکہ اُن میں علماء اور فقہاء بھی تھے اور وہ اس مسئلہ میں متاخرین کی طرح مخاصمت کا شکار بھی ہوتے تو وہ اس سوال کے محتاج نہ ہوتے اور نہ ہی سیدنا علی علیہ السلام از خود اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے۔

۲ یہ اثر اس بات کی تصریح ہے کہ بعض وہ صحابہ جو سیدنا علی علیہ السلام کی جماعت میں تھے، وہ انہیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ لہٰذا اس سے اور اس جیسے دوسرے آثار سے اجماع کے دعوے مخدوش ہو گئے۔

۳ صحابہ کرام خصوصاً کبار صحابہ رضی اللہ عنہم خوف، ڈر، تقویٰ اور رہبت والے تھے اور جس کا یہ حال ہو وہ بلا ضرورت اپنی فضیلت یا افضلیت بیان نہیں کیا کرتا، اور اُن کا یہ حال اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت تھا۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود کہ آپ اُن سب انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا تخيروني على موسىٰ۔

ترجمہ: ''مجھے موسیٰ علیہ السلام سے بہتر نہ کہو۔'' (بخاری رقم: ۲۴۱۱، مسلم رقم: ۲۳۷۳)

اور فرمایا:

ما ينبغي لعبد أن يقول: أنا خير من يونس بن متى۔

ترجمہ: ''کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''

(بخاری رقم ۳۴۱۳، مسلم رقم ۲۳۷۶)

اور فرمایا:

لا تفضلوا بين الأنبياء۔

ترجمہ: ’’انبیاء کرام علیہم السلام کے مابین تفضیل نہ دو۔‘‘

(بخاری رقم ۳۴۱۴، مسلم رقم ۲۳۷۳)

ایک شخص نے آپ کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا:

یاخیر البریۃ، فقال رسول اللہ ﷺ: ذاك إبراهيم۔

ترجمہ: ’’اے تمام مخلوق سے بہتر! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ابراہیم ہیں علیہ السلام۔‘‘ (مسلم رقم ۲۳۶۹)

۴ اپنی ذات سے افضلیت کی نفی میں سیدنا علی علیہ السلام منفرد نہیں، دوسرے حضرات اُن پر سبقت کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عظیم اجتماع میں اپنی ذات سے افضلیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

إني وليتكم ولستُ بخيركم۔

ترجمہ: ’’میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔‘‘

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے سکوت سے اس بات کی موافقت فرمائی، حالانکہ وہ سب اُن کی فضیلت، تقویٰ، علم، جہاد، سچی صحبت، تقدم اور مناقب سے آگاہ تھے۔

ابن حزم لکھتے ہیں:

’’یہ بات صحیح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ’’لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں‘‘ یقیناً اُن سے یہ صحیح منقول ہے کہ انہوں نے جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے علی الاعلان فرمایا کہ وہ اُن سے بہتر نہیں ہیں اور اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس بات کا انکار نہ کیا، لہٰذا یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ انہوں نے اس خاموشی میں اُن کی پیروی کی ہے۔"

(الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۲۰۹)

امام ابونعیم اصبہانی لکھتے ہیں:

ترجمہ: "اگر کوئی شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قول سے دلیل لائے کہ انہوں نے فرمایا: "إني وليتكم ولستُ بخيرِكم" (میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں") تو اسے کہا جائے گا کہ اُن کا یہ کلام تواضع، اپنی ذات پر عیب لگانے اور نفس سے خود پسندی کو زائل کرنے کے معنیٰ میں ہے، اور صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں مگر نفس کی تحقیر اور خوف کے عالم میں اس نے انہیں کی طرح اور اُن سے بھی بڑھ کر کہا ہے، اور یہ خوف و تقویٰ کے پیکر حضرات کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے اعمال واحوال پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اپنی ذات پر تواضع و انکساری کو لازم کرتے ہیں۔ ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت نہ دو اور تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں" اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم کرے، اگر میں اتنا قید میں رہتا جتنا وہ رہے پھر میرے پاس بلانے والا آتا تو میں جلدی کرتا" اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے حقدار ہیں" یہ تمام اقوال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے فرمائے تاکہ مؤمنین آپ کی پیروی کریں اور اپنے آپ کو بلند نہ سمجھیں بلکہ عاجزی وانکساری کو لازم کریں۔" (الامامۃ ص ۲۶۸)

۶ اس قولِ صدیقی سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین کا معارضہ کیا جائے اور اُنہیں حضرت ابو بکر کے قول اور صحابہ کی اُن سے موافقت کے بارے میں کہا جائے تو اُن کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ خود کو پست ظاہر کرنے کے معنیٰ میں فرمایا تھا اور اسی معنیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کی موافقت فرمائی تھی۔

سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائلین بھی (سیدنا علی کے ایسے ارشادات کی توجیہ میں) لامحالہ اسی طرح کہتے ہیں، اور یہ حقیقت اُس قول سے اور زیادہ واضح اور روشن ہو جاتی ہے جو انہوں نے ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا "أبوك رجل من المسلمين" (تیرا باپ ایک عام مسلمان شخص ہے) کہ اُن کی مراد خود کو پست ظاہر کرنا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی کوئی خوبی ثابت نہیں فرمائی، اس کے باوجود سیدنا علی علیہ السلام کے ایسے خصائص و فضائل ہیں جن پر اکابر سابقین صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطلاع تھی، مثلاً حضرات عمر، اُن کے فرزند، سعد، سعید، ابن عباس، جابر، عبادہ بن صامت اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا کہ کتب صحاح، سنن اور مسانید میں یہ احادیث موجود ہیں۔

اور ایسی ہی تواضع اور پستی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان تھی، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مذکورہ سوال کے وقت یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اُس وقت تمام لوگوں سے بہتر ہیں تواضعاً فرمایا ہے، اس لیے کہ یہ سوال شہادتِ عثمان کے بعد ہوا تھا۔"

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴)

میں کہتا ہوں: تواضع وانکساری کیوں قواعدِ مذھبیہ کے مطابق ہو جاتی ہیں؟ اور ہم کیوں نہیں کہتے کہ اثر علی [لا يفضلني على أبي بكر ...] خود کو پست ظاہر کرنے اور تواضع کے طور پر صادر ہوا ہے، ہو بہو اثرِ صدیق کی مانند، لہٰذا وہ تفضیل میں کوئی نص نہیں۔

⑦ گذشتہ معنی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد تواضع و عاجزی تھا کی تائید اُس سے بھی ہوتی ہے جو بلاذری نے ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حضرت محمد ابن الحنفیہ جب شام تشریف لے گئے تو کُثیر عَزّہ نے ان کے سامنے یہ اشعار عرض کیے:

هديت يا مهدينا ابن المهتدى

أنت ابن خير الناس من بعد النبى

ترجمہ: "اے ہدایت یافتہ کے مھدی فرزند آپ نے ہمیں ہدایت دی،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ سب سے بہتر ہستی کے فرزند ہیں۔"

أنت إمام الحق لسنا نمترى

يا ابن على سِر و من مثل على

ترجمہ: "آپ حق کے امام ہیں، ہمیں شک نہیں، اے ابن علی تشریف لائیے، علی کی مثل کوئی نہیں۔" (أنساب الأشراف ج ۳ ص ۱۴۰۶)

حضرت محمد بن حنفیہ رضوان اللہ علیہ نے کثیر عزہ کے قول کو برقرار رکھا، اگر وہ سمجھتے کہ ان کے والد کا قول اپنے ظاہر پر ہے تو وہ کثیر عزہ کے قول کو برقرار نہ رکھتے۔

⑧ مقام احسان پر فائز ہستیوں کے دو مقام ہیں: مقامِ تواضع، جس میں وہ اپنے حق کو پست ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایک قول (لا يفضّلنى...) گزر چکا ہے، اور اُن کا ابن الحنفیہ سے فرمانا: "تمہارا باپ ایک عام مسلمان شخص ہے" اور دوسرا مقام وہ ہے جس میں وہ خود پر ہونے والے انعاماتِ الٰہیہ کا چرچا کرتے ہیں، جیسا کہ صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے متعدد مقامات پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر فرمایا، اور وہ ان تمام امور میں

اُس نبی ﷺ کے متبع ہیں جنہوں نے کبھی "لا تخیرونی علیٰ موسیٰ" (مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو) وغیرہ فرمایا اور کبھی فرمایا: "أنا سید ولد آدم و لا فخر" (میں اولادِ علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں)۔ فَتَدَبَّرْ۔

اثرِ مرتضوی پر امام زین العابدین علی بن حسین علیہم السلام کی تقریر

ہم اثر مرتضوی علیہ السلام پر اپنی بحث کا اختتام سید التابعین اور امام اہلِ بیتِ کرام امام علی زین العابدین کے بیان پر کر رہے ہیں تاکہ اس کا اختتام مشک پر ہو۔ جب میں مذکور الصدر بحث لکھ چکا تو اس کے بعد میں امام علی بن حسین اور اُن کے فرزند امام باقر علیہما السلام کے کلام پر مطلع ہوا جو کہ اہل انصاف کے نزدیک خالص حجت اور گذشتہ بحث کی تائید کرنے والا ہے۔ چنانچہ ابن الاعرابی از محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، از علی بن حکیم، از عبداللہ بن بکیر، از حکیم بن جبیر، از شعبی از ابو جحیفہ نقل کیا ہے [۱]، انہوں نے فرمایا:

ترجمہ: "ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ شروع کر دیا تو ہم نے پوچھا اُن میں سے افضل کون تھا؟ فرمایا: اس امت کے نبی کے بعد اِس امت کا افضل شخص ابو بکر پھر عمر ہے۔ اگر میں چاہوں تو ایک

---

[۱] محمد بن عثمان بن ابی شیبہ میں کلام ہے طریف بن عبید اللہ موصلی نے ابوجعفر کے ذکر کے بغیر تاریخ بغداد (ج ۹ ص ۳۶۴) اس کی متابعت کی ہے، اور طریف میں بھی کلام ہے اور اسی طرح عبد اللہ بن بکیر غنوی میں بھی کلام ہے لیکن ابن عساکر نے اس کو اپنی تاریخ میں حضرت ابو بکر صدیق اور سیدنا علی کے حالات میں طرق ثابتہ سے اسرائیل بن یونس سے از حکیم بن جبیر ذکر کیا ہے اور اسرائیل ثقہ حافظ ہے۔ نیز (المعجم الأوسط للطبرانی رقم ۲۷۲۸) ملاحظہ فرمائیں۔

اور شخص کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں: ہم نے سمجھا وہ شخص آپ خود ہیں۔ حکیم فرماتے ہیں: میں نے علی بن حسین (زین العابدین) سے یہ بات کہی تو اُنہوں نے اپنا ہاتھ میری ران پر مارا اور فرمایا: سعید بن مسیب موجود ہیں انہوں نے سعد بن مالک (ابو وقاص) سے روایت کیا ہے: انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا: ''تمہاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک بجزاس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا'' تو کونسا شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام؟ حکیم فرماتے ہیں: پس وہ مجھ پر غالب آ گئے مجھے کچھ نہ سوجھا کہ میں کیا کہوں، پھر میں ابو جعفر (امام محمد الباقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم) کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں یہ بات عرض کی تو انہوں نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو یہ حدیث ہے لیکن ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے آپ پر فضیلت دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں مکرم اور افضل وہی ہوتا ہے۔''

(معجم الشیوخ لابن الاعرابی رقم ۴۸۷)

میں کہتا ہوں: حکیم بن جبیر شیعی ہیں اور ان میں کلام ہے لیکن علماء کرام تفسیر میں ضعیف راوی کی روایات قبول کرنے پر متفق ہیں تو پھر آثار کی شرح کا کیا حکم ہوگا؟ بلکہ وہ آثار کی روایت میں بھی تجاوز کرتے ہیں۔ یہ تمام بحث ''التعریف'' کے مقدمے میں تفصیلاً مذکور ہے، اور جو چیز اس اثر کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ اس کا، مرفوع حدیث

کے معنی کے موافق ہونا ہے۔ بیشک حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی علیہ السلام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دلالۃ المطابقۃ کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔ اور حضرت علی کا اثر (قول) خود کو پست ظاہر کرنے کے طور پر صادر ہوا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

گیارھواں باب

خلفاء ثلاثہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم

ابتداء کی طرف لوٹتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ سابقین مہاجرین پھر وہ انصار رضی اللہ عنہم جنہوں نے ٹھکانہ فراہم کیا اور مدد کی۔ یقیناً ان سب لوگوں نے اسلام میں سبقت، خرچ کرنے، جہاد، نصرت، خیر خواہی، علم، مجاہدہ نفس، ہجرت، حمایتِ حق میں کھڑا ہونا، رحمت، نرمی، حیاء اور زہد میں وافر حصہ پایا ہے۔ میں اُن سب میں سے یہاں خصوصاً پانچ خلفاء راشدین کا ان کے زمانۂ خلافت کی رعایت سے ذکر کروں گا: حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور امام حسن رضی اللہ عنہم۔ پس وہ سب حضرات حق میں حق کی نصرت میں ایک ہاتھ اور یک جان تھے، ان کے بارے میں ایسی احادیثِ شریفہ صحیحہ آئی ہیں جو ان کے مناقب، فضائل اور خصائص کو بیان کرتی ہیں، اور خود انہیں سے ایک دوسرے کی شان میں انہیں تک موقوف آثارِ ثابتہ بھی آئے ہیں، پس کسی کی دوسرے پر تفضیل کا معنیٰ مفضول کی تنقیص نہیں ہوتا، بلاشبہ کبھی فاضل مفضول ہوتا ہے، اور علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

1. سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روشن دلائل والے تھے، خیر الکائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوات والتسلیمات کے ارشاد سے صدیق تھے، وہ سفر و حضر میں کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ وہ اظہار اسلام اور نصرت دین میں سابق تھے، اور اُن کی دعوت سے حضرات عثمان بن عفان، زبیر بن

عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔ انہوں نے سات غلاموں کو آزاد فرمایا۔ جن میں حضرات بلال بن ابی رباح اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی شان میں "وَ سَيُجَنَّبُهَا الأَتْقَى" (اور دور رکھا جائے گا اُس سے وہ نہایت پرہیزگار) [اللیل: ۱۷] آیت نازل فرمائی۔

۲ اِس فرمانِ الٰہی میں وہی مراد ہیں:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔

ترجمہ: "وہ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ فرمارہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقینا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی اُن کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا۔"

(التوبۃ: ۴۰)

یہاں صاحب سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اسی لیے علماء فرماتے ہیں: جس نے اُن کی صحابیت کا انکار کیا وہ بالاجماع کافر ہے۔ اُن کی شان میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: "اور وہ ہستی جو سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچ کی تصدیق کی وہی لوگ پرہیزگار ہیں"۔ (الزمر: ۳۳)

۳۔ امام احمد، امام مسلم، امام بخاری اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں:

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے لوگوں کو خطاب کیا تو فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اُس کی بارگاہ میں ہے کہ مابین اختیار دیا ہے تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے۔اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کرنے لگے: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ہم نے اُن کے رونے پر تعجب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسے بندے کی خبر دی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے۔پس وہ مختار (اختیار دیا ہوا بندہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے،اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ جانتے تھے''۔

(مسند احمد ج ۳،ص ۱۸،بخاری رقم ۳۶۵۴،مسلم ج ۷،ص ۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ پر اپنی صحبت اور مال سے احسان کرنے والے ابو بکر ہیں،اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا لیکن اخوت اسلامی اور اُس کی مودت ہے۔ ابو بکر کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ کھلا باقی نہ رکھا جائے''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے کہا: تو جھوٹا ہے،اور ابو بکر نے کہا: آپ سچے ہیں،اور اُس نے اپنی جان اور مال سے میری معاونت کی،تو کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑو گے؟''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب اور بکثرت رونے والے تھے۔حدیث شریف میں ہے:

''میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابو بکر ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے، اور ابن حبان اور دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج ۳ ص ۱۸۴، ۲۸۱، جامع الترمذی رقم ۳۷۹۱، صحیح ابن حبان رقم ۷۱۳۱، ۷۱۳۷، ۷۲۵۲)

۴۔ وہ اہل بیت علیہم السلام کے محب اور انہیں مقدم رکھنے والے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تائید فرمائی، پھر فرمایا: اے ابو بکر ہم نے آپ کی فضیلت کو پہچانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن کی قربت اور حق کا ذکر فرمایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کا خیال مجھے اپنی قرابت کے خیال سے زیادہ محبوب ہے۔'' (بخاری رقم ۳۷۱۲)

صحیح بخاری ہی میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی أهل بيته۔

ترجمہ: ''سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اہل بیت کے بارے میں ملحوظ رکھو۔''

(بخاری رقم ۳۷۱۳)

اس سلسلے میں متعدد احادیث، آثار اور تصانیف موجود ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

❶ اور فاروق امیر المومنین، سچے الہام والے، دین کی نصرت کرنے والے اور قرآن کی موافقت کرنے والے تھے، شیطان اُن سے ڈرتے تھے۔

امام احمد، امام ترمذی اور دوسرے محدثین کرام رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں اور انہوں نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔''

(مسند أحمد ج ۴ ص ۱۵۴، جامع الترمذی رقم ۳۶۸۶،۳۶۸۲)

۲۔ کئی وجوہ سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کر دیا ہے۔''

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی ہے: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناتے تو بہتر ہوتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ'' (اور تم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو)۔ [البقرۃ:۱۲۵]

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے نیک و بد ہر قسم کے آدمی آتے ہیں، اگر آپ انہیں پردہ کرنے کا حکم دیتے تو بہتر ہوتا، اس پر آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مقدسہ ایک مطالبہ پر جمع ہوگئیں تو اس موقعہ پر میں نے کہا: ''عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ'' [التحریم:۵] یعنی کچھ بعید نہیں کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا رب انہیں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے''۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۲۳، بخاری رقم ۴۰۲، ۴۹۱۶، جامع الترمذی رقم ۲۹۶۰)

ان تین کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں اُن کی موافقت ثابت ہے، انہیں میں سے بدر کے قیدیوں کا قصہ ہے اور انہیں میں سے ارشادِ الٰہی "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾" [المومن: ٦٤] (پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے)۔ بعض علماء کرام نے موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ پر مستقل کتاب لکھی ہے۔

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے فرزندِ خطّاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم جس راہ بھی چلتے ہو تو شیطان اُس سے کترا کر دوسری راہ لے لیتا ہے''۔

(مسند أحمد ج ١ص ١٧١، ١٨٢۔ ١٨٣، بخاری رقم ٣٢٩٤، مسلم رقم ٢٣٩٦)

٣۔ صحیحین میں ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا، اُنہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی تھیں، بعض قمیص سینے تک، بعض اس سے ذرا نیچے تک تھیں، اور مجھ پر عمر پیش کیے گئے اُن پر جو قمیص تھی وہ گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: دین''۔

امام احمد حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر ارشاد فرمایا:

''ہم اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر سکینہ نازل ہوتا ہے''۔ (مسند أحمد ج ١ص ١٠٦، فضائل الصحابۃ رقم ٣١٠)

٤۔ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان شدید محبت تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

فیصلوں میں حضرت علی کی طرف رجوع کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

امام بخاری اپنی صحیح میں کتاب الفضائل میں حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا:

''جب حضرت عمر کا جسد اطہر چار پائی پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے، وہ انہیں اٹھائے جانے سے قبل اُن کے حق میں دعا اور رحمت کر رہے تھے، میں بھی ان میں موجود تھا اچانک ایک شخص نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا میں نے دیکھا تو وہ علی تھے۔ اُنہوں نے عمر کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا: آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا فرد نہ چھوڑا جس کے کئے ہوئے اعمال کے ساتھ مجھے اللہ سے ملاقات کرنا پسند ہو۔ اللہ کی قسم مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا، اور میں یقین کرتا ہوں میں نے بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: میں ابو بکر اور عمر گئے، میں ابو بکر اور عمر داخل ہوئے اور میں ابو بکر اور عمر باہر آئے۔'' (بخاری رقم ۳۶۷۷، ۳۶۸۵)

۵ حضرت عمر بن خطاب نے سیدہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے شادی کی تھی۔ چنانچہ امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذھبی نے اُن کی موافقت کی ہے:

''حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب انہوں نے بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تو لوگوں کو کہا: کیا تم لوگ مجھے مبارک باد نہیں

دیتے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

”قیامت کے دن تمام سسرالی اور نسبی رشتے منقطع ہو جائیں گے ماسوا میرے سسرالی اور نسبی رشتے کے۔“

(مسند أحمد ج ۴ ص ۳۲۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۵۸)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۱ حضرت عثمان بن عفان ذی النورین رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ نے ان کا اپنی دو لخت جگر بیٹیوں علیہما السلام سے یکے بعد دیگرے نکاح فرمایا، پس آپ اُن کے ساتھ سسرالی قرابت داری پر راضی تھے اور خود اُنہیں سے بھی راضی تھے، اور نبی کریم ﷺ نے اُن کے جنتی ہونے کی شہادت دی۔

امام احمد اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”جب غزوۂ تبوک کے لشکر کی تیاری ہو رہی تھی تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک ہزار اشرفیاں لے آئے، راوی فرماتے ہیں: پھر وہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی جھولی میں ڈال دیں تو حضور ﷺ اپنے مبارک ہاتھ سے انہیں الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے: 'آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل انہیں تکلیف نہیں دے گا۔“

(مسند أحمد ج ۵ ص ۶۳، فضائل الصحابۃ رقم ۷۳۸، المستدرک ج ۳ ص ۱۰۲)

۲ صحیح مسلم اور مسند میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں“۔

(مسلم رقم ۲۴۰۲، مسند أحمد ج ۱ ص ۷۱)

امام احمد نے ''المسند'' اور فضائل میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ موسیٰ بن عقبہ کی حدیث نقل کی ہے کہ اُنہوں کہا:

''مجھے ام حبیبہ کے والد نے بتایا کہ وہ اُس گھر میں گئے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے اور انہوں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے گفتگو کی اجازت مانگ رہے ہیں، انہوں نے انہیں اجازت دی تو انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و ثناءِ الٰہی بیان کی پھر کہا: بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے بعد تم فتنہ اور اختلاف یا فرمایا اختلاف اور فتنہ پاؤ گے۔ تو لوگوں میں سے بعض نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم پر امین اور اُس کے ساتھی لازم ہیں اور حضرت عثمان کی طرف اشارہ کیا''۔

(مسند أحمد ج ۲ ص ۳۴۵، فضائل الصحابة رقم ۷۲۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع کیا اور انہوں نے جب شہادت پائی تو تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول تھے۔

◆ ۱ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

''وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا پھر ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾

''بیشک وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے

بھلائی تو وہی اس جہنم دور رکھے جائیں گے۔" [الأنبياء:۱۰۱]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ان دونوں روایتوں کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔(فضائل الصحابۃ ،رقم ۷۷۰، ۷۷۱)

سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام

اور رہے ابوتراب، صحابہ میں سب سے بڑے قاضی، اُن سب سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب، صحبت میں اُن سب سے زیادہ [۱]، اور اُن سب بڑے عالم، باب مدینۃ العلم، تمام نیکیوں میں سبقت فرمانے والے علی المرتضی علیہ السلام ہیں۔اکابر حفاظِ اسلام کی شہادت سے اُن کے فضائل میں جس قدر احادیث آئی ہیں کسی دوسرے کے حق میں نہیں آئیں، وہ غالب شیر تھے، لشکروں کو منتشر کرنے والے تھے۔امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل اور امام اسماعیل بن اسحاق قاضی نے فرمایا: "حسن اسانید کیساتھ کسی صحابی کے فضائل میں اتنی احادیث مروی نہیں ہوئی جس قدر علی بن ابی طالب کے فضائل میں مروی ہیں۔" (الاستیعاب ج ۳ ص ۲۱۳)

الامام الحافظ احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرح فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں ایک چوتھے حافظ کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ ہیں الحافظ الکبیر ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

بعض حفاظ حدیث نے سیدنا علی علیہ السلام کے خصائص میں وارد ہونے والی احادیث پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں: جیسا کہ حدیث الموالات (من کنت مولاہ)،

[۱] یہ بحث چھٹے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث الطیر، حدیث ردّ الشمس، حدیث منزلت اور حدیث باب مدینۃ العلم وغیرہا۔

الامام الحافظ الفقیہ الشہید ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی علیہ السلام کے خصائص میں مستقل کتاب جمع کرنے کے درپے ہوئے تو اس سلسلے میں اُن کی ایک مطبوع و مشہور کتاب ہے، لیکن وہ تمام "خصائص مرتضوی" کا احاطہ نہیں کر پائے۔

سیدنا علی علیہ السلام کی شان میں آیاتِ قرآنیہ بھی اس قدر نازل ہوئیں ہیں کہ اتنی کسی دوسرے کے حق میں نازل نہیں ہوئیں۔ حافظ حسکانی نے ان تمام آیات کو ایک ضخیم کتاب میں جمع کر دیا ہے جو "شواھد التنزیل لقواعد التفضیل" کے نام سے مطبوع ہے۔

۲۔ سیدنا علی المرتضیٰ ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان میں پہلے ہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"میں نے مؤرخین کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ علی بن ابی طالب اسلام میں سب سے اول ہیں"۔

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۲)

علامہ، مؤرخ، قاضی تقی الدین مقریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت علی بن ابی طالب قطعاً شرک میں مبتلا نہیں ہوئے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو انہیں اُن کے چچازاد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت میں دے دیا۔ پھر فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات کے ضرورت مند ہی نہیں ہوئے کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی، اور نہ ہی وہ مشرک تھے کہ انہیں کہا جاتا: اسلام لائیے! بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی فرمائی تو اُس وقت اُن کی عمر

آٹھ سال کی تھی، اور کہا گیا ہے کہ سات سال اور ایک روایت میں ہے گیارہ سال تھی۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی گھر میں اُن کے اہل وعیال میں اولاد کی طرح تھے اور تمام امور میں اُن کے پیروکار تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن اول اسلام لانے والوں میں تھے جن میں رسول اللہ ﷺ کے دفاع، حمایت اور نصرت کی اہلیت تھی۔ اس مسئلہ میں یہ وہ تحقیق ہے جو فریقین میں سے ہر اس شخص کے لیے حق ہے جو انصاف پسند ہو اور خواہش سے دور ہو۔'' (اِمتاع الأسماع ج ا ص ۱۶، ۱۷)

اس مسئلہ کی تائید میں صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ سے بھی اقوال منقول ہیں۔

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس مرتبہ پر فائز تھے نبی کریم ﷺ کے بعد وہ رتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ غیر أنه لا نبی بعدی۔

ترجمہ: ''تمہارا مرتبہ مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام سے، بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

پس حضرت ہارون علیہ السلام کے تمام درجات حضرت علی علیہ السلام کے درجات ہیں ماسوا نبوت کے، اور ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام لوگوں سے افضل، سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑھ کر متقی تھے۔

2. سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کی نصرت ومحبت کو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر واجب فرمایا ہے، اُن کے محبین کے حق میں دعا اور ان کے دشمنوں کے خلاف بددعا

فرمائی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ وہ ثقلین میں سے ایک ثقل ہیں اور وہ قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے۔ "خصائص علی" حدیث نمبر ۷۹ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لما رجع رسول الله ﷺ عن حجة الوداع ونزل غدير خم أمر بدوحاتٍ فَقُمِمْنَ ثم قال: كأنى دُعيتُ فأَجَبْتُ وإنى قد تركت فيكم الثقلين: أحدهما أكبر مِن الآخر، كتابَ الله و عِترَتى، أهلَ بيتى، فانظروا كيف تخلفونى فيهما، فإنهما لن يتفرقا حتىٰ يردا علىّ الحوض۔ ثم قال: إن الله مولاى، و أنا ولىُّ كل مؤمن، ثم أخذ بيد على، فقال: مَن كنتُ ولِيَّه فهذا وليُّه، اللّٰهم والِ من والاه، و عادِ من عاداه، فقلتُ لزيد: سمعتَه مِن رَّسولِ اللّٰه؟ فقال: ما كان فِي الدَّوحاتِ أحدٌ إلا رآه بعينيه، و سَمِعهٗ بأُذُنَيه۔

ترجمہ: "جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الودع سے پلٹے اور "غدیر خم" کے مقام پر اترے اور خیمے کھڑے کرنے کا حکم دیا تو وہ کھڑے کر دیئے گئے، پھر فرمایا: گویا مجھے بلایا گیا ہے تو میں نے بلاوا قبول کرلیا ہے اور میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں، ان میں سے ہر ایک دوسری سے بڑی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب

۲۔ اور میری اولاد، میرے اہل بیت

پس تم غور کرنا کہ ان دونوں چیزوں کے بارے میں تم میرا کتنا لحاظ رکھتے ہو؟ بلاشبہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسری سے جدا نہیں ہوں گی۔ حتیٰ کہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوض پر آئیں گی۔ پھر فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا مولیٰ ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جس شخص کا میں مولیٰ ہوں تو یہ بھی اس کے مولیٰ ہیں، اے اللہ! تو اس شخص سے محبت کر جو علی رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھے اور اُس شخص سے عداوت رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے۔ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ ارشاد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں (میں بھی اور میرے سوا) جو کوئی شخص بھی خیموں میں موجود تھا اُس نے اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا''۔

(خصائص علی بتحقیق البلوشی ص۹۶ رقم۷۹، شرح خصائص علی للفیضی ۲۰۲ رقم۷۶)

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں''۔

اور فرمایا:

''جس نے علی کو برا کہا تو اس نے مجھے برا کہا''۔

اور فرمایا:

''اے علی تجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق''۔

اور فرمایا:

''جس نے علی کو ایذا پہنچائی تو اس نے مجھے ایذا پہنچائی''۔

اور فرمایا:

''بیشک اللہ تمہارے قلب کو کشادہ کر دے گا اور تمہاری زبان کو سلامت رکھے گا''۔

اور فرمایا:

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، پس جو علم کا ارادہ کرے تو وہ دروازے سے آئے''۔

امام احمد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن منكم رجلاً يقاتل الناس على تأويل القرآن كما قاتلتُ على تنزيله، قال أبو بكر: أنا؟ قال: لا، قال عمر: أنا؟ قال: لا، ولكن صاحب [وفي رواية: خاصف] النعل۔

''تم میں سے ایک شخص تفسیر قرآن پر اسی طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے تنزیلِ قرآن پر جہاد کیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں، لیکن وہ جوتی (دوسرے الفاظ کے مطابق جوتی کی مرمت کرنے) والا ہے''۔[1]

(مسند أحمد ج۳ ص۳۱، فضائل الصحابة رقم ۱۰۷۱، خصائص علی بتحقیق البلوشی ص ۱۶۶ رقم ۱۵۶ و بتحقیق الحوینی ص ۱۳۴ رقم ۱۵۲)

[1] تفصیل کے لیے مترجم کی تالیف ''شرح خصائص علی رضی اللہ عنہ'' کی حدیث نمبر ۱۵۲ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

امام نسائی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بنو ولیعہ باز آجائیں ورنہ میں ان پر ایسے شخص کو بھیجوں گا جو میری جان کی طرح ہے۔''

اور اسی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اعزاز کو پانے کے لیے گردن بلند فرمائی اور انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اس کو طلب کیا لیکن وہ مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص تھا۔

(خصائص علی بتحقیق البلوشی ص ۸۹، رقم ۷۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۰)

اکابر سابقین صحابہ کرام مثلاً حضرات ابو بکر، عمر، سعد اور سعید رضی اللہ عنہم اُن کے مراتب کے حصول کی تمنا رکھتے تھے۔

پانچویں خلیفہ راشد سیدنا حسن بن علی علیہما السلام

پانچویں خلیفہ راشد، (۱) ابن کثیر ''البدایہ والنہایہ'' میں حدیث ''الخلافة فی أمتی ثلاثون عاماً، ثم ملك بعد ذلك'' (میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی) کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تیس برس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ساتھ مکمل ہوئے، پھر وہ معاویہ کی وجہ سے ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت سے تیسویں سال کی تکمیل تھی، کیونکہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع

---

(۱) امام حسن بن علی علیہما السلام پانچویں خلیفہ راشد ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر متقدمین اور معاصرین نے عملاً انہیں متروک کر رکھا ہے، حالانکہ وہ اہل بیت کی محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ اللہ ہی مددگار ہے۔

الاول ۱۱ھ میں ہوا تھا، اور یہ پیش گوئی نبوت کے دلائل میں سے

ہے۔" (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۶)

نیز ملاحظہ فرمائیے: (مآثر الإنافة للقلقشندی ج ۱، ص ۱۰۵،

تاریخ الخلفاء ص ۱۷۹)

سیدنا امام حسن مجتبیٰ نبی کریم ﷺ کے فرزند ہیں، ان کی گھٹی میں سید عالم ﷺ نے لعاب دہن دی اور اُن کا نام حسن رکھا، اور اُنہیں اپنی آغوش میں رکھ کر (دعا) فرمائی:

[اللھم] إنی أحبه فأحبه وأحب من یحبه۔

ترجمہ: "[اے اللہ!] میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت فرما۔"

اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔

(مسند أحمد ج ۱ ص ۲۴۹، بخاری رقم ۵۸۸۴، ۲۱۲۲، مسلم رقم ۲۴۲۱)

وہ اُن اہل کساء میں شامل ہیں جن سے اللہ نے ہر طرح کی پلیدی کو دور فرمایا ہے اور انہیں خوب پاک فرمایا ہے، اور وہ رسول اللہ ﷺ کے دو پھولوں میں سے ایک پھول ہیں اور نوجوانانِ اہل جنت کے دو سرداروں میں سے ایک ہیں۔

امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

أنا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم۔

"جو شخص تمہارے ساتھ جنگ کرے میں اُس کے لیے سراپا جنگ ہوں اور جو تمہارے ساتھ صلح رکھے میں اُس کے حق میں سراپا صلح ہوں۔"

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

(جامع الترمذی رقم ۳۸۷۰، صحیح ابن حبان رقم ۶۹۷۷، المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

دوسرے اہلِ فضیلت کا مختصر ذکر

پانچوں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ مہاجرین وانصار میں سے متعدد سابقین اور وہ جنہوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی ہے، وہ اُن فضائل ومناقب سے بہرہ ور ہیں جن کی بدولت وہ ایسے اعلیٰ درجات کے اہل ٹھہرے جو دوسروں کے ساتھ تفاضل و تقابل کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اُن میں سے چند حضرات یہ ہیں:

نوجوانانِ اہل جنت کے سردار امام حسین اور اُن کی والدہ ماجدہ، لختِ جگرِ مصطفی، سیدۃ نساء العالمین علیہما السلام، یہ ہستیاں تمام لوگوں سے زیادہ محبوبانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اُن کا مقام اس قدر بلند ہے کہ کوئی شخص اُن کے مقام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، کیونکہ وحی شریف کی رو سے یہ مقام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لاحق ہیں، اور یہ وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے پلیدی کو دور رکھا اور انہیں خوب پاک فرمایا، جو شخص ان سے وابستہ ہو جائے وہ گمراہ نہیں ہوسکتا، ان کے ساتھ سیدنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی بیٹیاں اور بیٹے سیدنا قاسم، طیب اور ابراہیم علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ ہم ان سے محبت کی بدولت جنت میں داخل ہوں گے۔

اور مؤمنین کی مائیں رضی اللہ عنہن، جن میں افضل ترین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ ہیں جو اسلام میں سابق اور خوشخبری یافتہ ہیں، انہوں نے اپنے رب کے کلام کی تصدیق فرمائی اور اپنی جان و مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت فرمائی اور انہیں سے ذریت طاہرہ نصیب ہوئی۔

اور اسی گروہ میں چودھویں کے چاند، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی سید الشہداء اور سب سے بڑھ کر نیک حضرت امیر حمزہ، اور ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کی مانند سیدنا عباس بن عبدالمطلب، اور اُن کے فرزند بڑے

عالم عبد اللہ بن عباس، اور جعفر طیار بن ابو طالب جو نیکیوں میں سبقت فرمانے والے اور صورت و سیرت میں شبیہ مصطفی ﷺ تھے، اور باقی عشرہ مبشرہ، اور تمام ماؤں سے زیادہ سعادت مند ماں آمنہ بنت وھب، اور سید المرسلین ﷺ کی پھوپھیاں، اور اُن کے ساتھ ہمارے سردار عمار بن یاسر، سلمان، عبد اللہ ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابو ذر غفاری، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، اُن کے فرزند قیس، اسید بن حضیر، مقداد بن اسود، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری، عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، مصعب بن عمیر، ابی بن کعب، عثمان بن ثابت، عبادۃ بن صامت، بلال، حذیفہ، ابو ایوب انصاری وغیرھم، وغیرھم سابقین اور مقدمین مہاجرین وانصار اور وہ جنہوں نیکی میں اُن کی پیروی کی بھی سب شامل ہیں۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ وعنا بھم

فصل

1. ہر مسلمان پر ان کی محبت ومودت اور انہیں الزامات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ پس اُن لوگوں کے لیے خرابی ہے جو ان کی تنقیص کرے اور رسوائی ہے اُس شخص کے لیے جو ان میں سے کسی پر سب و شتم کرتا ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبّ وشتم کے مسئلہ پر خاصی توجہ فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اُن میں سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں اور اسی طرح شارحین اور اکثر کتب عقائد میں بھی یہ بحث ہے، اور اسی طرح ابن قدامہ نے یہ بحث چلائی ہے، اور تقی الدین بکی نے اپنے رسالہ ''غیرۃ الإیمان الجلی لأبی بکر وعمر وعثمان وعلی'' میں، یہ رسالہ اُن کے فتاوی میں موجود ہے اور انہوں نے اپنی کتاب ''السیف المسلول

علیٰ من سبّ الرسول" میں، امام سیوطی نے "إلقام الحجر لمن زکی ساب أبی بکر و عمر" میں، ابن عابدین نے اپنے رسالہ "تنبیه الولاة والحکام علی أحکام شاتم خیرالأنام أو أحد أصحابه الکرام علیه و علیهم الصّلوٰة والسلام" میں، اور حفید آلوسی نے "صب العذاب علی من سبّ الأصحاب" میں عمدہ لکھا ہے اور یہ تمام کتابیں مطبوعہ ہیں۔

مذکورہ علماء نے شیخین کریمین، حضرت عثمان، عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے درپے ہونے والوں کی گرفت تو کی ہے لیکن مولی المؤمنین علی علیہ السلام کو برا کہنے والوں کا حکم بیان نہیں کیا، اور اگر کہیں ذکر کیا بھی گیا ہے تو دوسروں کے ضمن میں، مستقل طور پر نہیں۔

سبِّ شیخین سبِّ علی سے بڑا جرم ہے

❷ درست یہ تھا کہ سیدنا علی علیہ السلام پر سبّ وشتم کرنے والے کا حکم منفرد طور بیان کیا جاتا کیونکہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختص ہیں کہ اُنہیں جس نے سبّ کیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو سبّ کیا اور جس نے انہیں ایذاء پہنچائی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچائی، اور کیوں نہ علی ایسے ہوں جبکہ وہ "کنفسِ رسولِ اللہ" رسول اللہ ﷺ کے نفس کی مانند ہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔

❸ مسند احمد میں ثابت سند کے ساتھ ابو عبد اللہ الجدلی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تم میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہا جاتا ہے؟ میں نے کہا: معاذ اللہ، یا کہا: سبحان اللہ، یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا تو

انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے علی کو برا کہا تو اس نے مجھے برا کہا۔"

(مسند أحمد ج٦ ص ٣٢٣)

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"مدینہ پر آل مروان کے ایک شخص کو عامل بنایا گیا تو اس نے سہل بن سعد کو بلا کر کہا کہ وہ علی پر سبّ وشتم کریں، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا تو وہ کہنے لگا: اگر تم اس طرح کہنے سے انکاری ہو تو یوں کہو: ابوتراب پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا علی کو ابوتراب سے بڑھ کر کوئی نام محبوب نہیں تھا۔" (صحیح مسلم رقم ٢٤٠٩)

٤ مروان بن حکم نے بدتمیزی اور بیہودگی کی انتہا کرتے ہوئے عید کی نماز پر خطبے کو مقدم کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری (ج ١ ص ٣٢٦) وغیرہ میں ہے۔ اس لیے کہ لوگ نماز کے بعد بیٹھتے نہیں تھے تا کہ وہ ابوتراب پر سبّ وشتم اور لعنت سننے سے محفوظ رہیں، تو انہیں مروان نے خطبے کو نماز پر مقدم کر کے روک لیا۔"

ملاحظہ فرمائیے: (فتح الباری، مصنف عبد الرزاق ج٣ ص٢٤٨، المحلّٰی لابن حزم ج٥ ص٨٦، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام ج٤ ص١٩٧)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''حکمرانوں میں سے ایک امیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''تو اچھی طرح جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات یافتہ لوگوں کی برائی سے منع فرمایا ہے، پھر تو علی کو برا کیوں کہہ رہا ہے حالانکہ وہ وصال فرما چکے ہیں؟'' (مسند أحمد ج ۴ ص ۳۷۱)

میں کہتا ہوں: اس ناگفتہ بہ جرم کے آثار اور اس کی قبیح اخبار متواتر ہیں، اور یہ ایسا بڑا گناہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام بڑے گناہ چھوٹے ہیں، اور ایسا جرم ہے جس کے سامنے تمام جرائم چھوٹے ہیں، اور ایسی قباحت ہے جس کے سامنے تمام قباحتیں ہیچ ہیں۔

ایک شخص نے سیدنا علی علیہ السلام کی برائی کی تو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما اُس پر برہم ہوئے تھے، اس کا تذکرہ (مسند أحمد ج ۱، ص ۱۸۸، سنن أبی داؤد ج ۴ ص ۲۱۱) اور دوسری کتب میں موجود ہے۔

۵ اس سلسلے میں علامہ، فقیہ شیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو پہلے گزر چکا ہے اسے اور عالم مِکۃ المکرمہ الشیخ الشریف العربی التبانی المکی المالکی رحمۃ اللہ علیہ کی (النقد الموزون ص ۷۵) اور فقیہ محمد بن حسن الحجوی المالکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''ألفکر السامی فی تاریخ التشریع الإسلامی ج:۱، ص ۲۷۶'' اور علامہ سید محمد بن احمد الشاطری باعلوی الشافعی کی ''شرح الیاقوت النّفیس ج ۱ ص ۲۹۷، ۲۹۵'' ملاحظہ فرمائیں۔

۶ اور ''الفخری فی الآداب السلطانیة والدّول الأسلامیة'' میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے حالات میں صفحہ [۱۲۹] میں مذکور ہے کہ وہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ وسلامہ

پر سے سبّ وشتم کا سلسلہ منقطع فرمایا، اس سے قبل بنو امیہ منبروں پر انہیں سب وشتم کرتے تھے۔“

اس پر شعراء نے اُن کی تعریف کی، اُن میں سے کُثیر عزّہ نے جو نظم کہی اُس کا ایک شعر یہ ہے:

وُلیت فلم تشتم علیاً و لم تخف
بریا و لم تتبع مقالة مجرم

ترجمہ: ”تم نے زمامِ اقتدار سنبھالی تو نہ علی کو برا کہا، نہ مخلوق سے ڈرے، اور نہ ہی کسی مجرم کے قول کی پیروی کی۔“

شریف الرضی نے ان الفاظ میں اُن کے غم میں اشعار کہے:

① اے فرزندِ عبد العزیز اگر بنو امیہ کے کسی نوجوان کی موت پر آنکھیں روئیں تو میں تجھ پر روتا۔

② آپ نے ہمیں سبّ وشتم سے کھینچ لیا، اگر اس کی جزا ممکن ہوتی تو میں آپ کو ضرور جزا دیتا۔

میں کہتا ہوں: مولیٰ المومنین علی علیہ السلام پر زیادتی اور اُن کے ساتھ بغض کا سلسلہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت میں (کمزور ہوا تھا مگر) منقطع نہیں ہوا تھا۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے، اور ناصبی مجتہدین کی تعبیرات اور معقول ومنقول سے بیگانہ تاویلات کے زخم اس قدر گہرے ہیں جو مندمل نہیں ہو سکتے۔

۷ حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سبّ وشتم کا حکم لکھا ہے انہیں چاہیے تھا کہ وہ مولیٰ المومنین علی علیہ السلام پر سب وشتم وغیرہ کے وبال کو واضح کرتے لیکن علی پر رونے والی آنکھیں نہیں ہیں، جی ہاں لکھنے والوں کا یہ سکوت درگزر نہیں بلکہ اس کے پیچھے مقاصد ہیں، جس کی تفصیل بہت لمبی

ہے، اور اللہ ہی مستعان ہے۔

اس مسئلہ میں علامہ شیخ احمد الحفظی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رجزیہ قصیدے میں فرماتے ہیں:

و قد حکی الشیخ السیوطی: إنه

قد کان فیما جعلوه سنة

”شیخ سیوطی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے اس کام کو سنت بنالیا تھا۔“

سبعون ألف منبر و عشره

من فوقهن یلعنون حیدره

ترجمہ: ”اسی ہزار منبر تھے جن پر بیٹھ کر وہ حیدر (کرم اللہ وجھہ) پر لعنت کرتے تھے۔“

و هذه فی جنبها العظائم

تصغر بل نوجه اللوائم

ترجمہ: ”اس سازش کے پہلو میں بڑی مصیبتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں بلکہ ہم اسے لائق ملامت سمجھتے ہیں۔“

فهل تری من سنها یعادی

أولا، وهل یُستر أو یهادی

ترجمہ: ”جس نے یہ طریقہ جاری کیا، تم اسے دشمن سمجھتے ہو یا نہیں، اور کیا اس پر پردہ ڈالا جائے یا اُسے هدایت سمجھا جائے؟“

أو عالم یقول:عنه نسکتُ

أجِب فإنی للجواب منصتُ

ترجمہ: ”یا کوئی عالم یہ کہے گا کہ ہم اس کے متعلق سکوت اختیار کرتے ہیں؟ کچھ تو جواب دو! ہم جواب کے لیے ہمہ تن گوش ہیں۔“

ولیت شعری هل یقال: اجتهدا
کقولهم فی بغیه أم ألحدا

ترجمہ: ''کاش! میں جانتا کہ کیا جواب دیا جائے گا؟ آیا یہی کہ اس نے اجتہاد کیا، جیسا اُس کی بغاوت میں قول ہے، یا اُس نے بے دینی کی؟''

ألیس ذا یؤذیه أم لا؟ فاسمعن
إن الذی یؤذیه من ومن ومن

ترجمہ: ''کیا وہ ایذارساں ہے یا نہیں؟ سن لو، بیشک جو اسے ایذا پہنچائے خواہ وہ کوئی ہو۔''

بل جاء فی حدیث أم سلمه
هل فیکم النبی یُسَبُّ مَهٗ لِمَه

ترجمہ: ''بلکہ سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے: (ا) کیا تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا جاتا ہے؟ باز آجاؤ، باز آجاؤ!''

عاوِن أخا العرفان بالجواب
و عادِ من عادی أباتراب

ترجمہ: ''جواب میں معرفت والے بھائی کی معاونت کیجئے اور ابو تراب علیہ السلام کے دشمن سے عداوت کیجئے۔''

قصیدة: التحفة العلوية

خصائصِ مرتضوی علیہ السلام میں قصیدة

یہ قصیدة "التحفة العلوية" (مشہور غیر مقلد [اہلِ حدیث] مصنف) علامہ سید محمد بن اسماعیل امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جس میں اُنہوں نے امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کے خصائص بیان کیے ہیں، اس قصیدہ کی تکمیل انہیں اُن کے والد نے کرائی تھی۔ یہ یائی قصیدہ ہے، اس سے محبانِ مرتضیٰ سرور و ذوق حاصل کرتے ہیں اور وجد کرنے لگتے ہیں۔ناظم کے لیے خیر اللہ ہی کے پاس ہے، انہوں نے "الروضة الندية شرح التحفة العلوية" کے نام سے اس کی ایک شرح بھی کی ہے جو مطبوع ہے۔

تحفة تهدى لمن يهوى عليا
من رقى شأواً من المجد عليا

ترجمہ: ''علی کے چاہنے والے کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے، جس نے شرافت و بزرگی کے بلند مرتبے کو پایا۔''

و تحيي كل حي صادق
قلبه مُغرَى بمن حل الغريّا

ترجمہ: ''یہ تحفہ ہر اُس سچے زندہ کو مزید زندہ کرتا ہے جس کا دل عمدہ عمارت میں اترنے والے کی محبت سے لبریز ہے۔''

و تنادی كلَّ نادِ حافلٍ
بلسان ينشُرُ المسك ذكيا

ترجمہ: ''اور ہر مجلس کو ایسی فصاحت کے ساتھ گرماتا ہے کہ ہر سو عمدہ ترین مشک کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔''

لم يكن من مسك دارين و قد
ملأ الدارين عَرفاً معنويا

ترجمہ: ''یہ دو جہانوں کی خوشبو کی طرح نہیں مگر اس نے دونوں جہانوں کو عمدہ ترین حقیقی خوشبو سے مہکا دیا ہے۔''

ضمِّخوا أسماعَكم من نشره
و ارشُفوا كأساً من النظم رويا

ترجمہ: ''اس کی نشر و اشاعت سے اپنی سماعتوں کو تقویت دو، اور نظم کے ہر جام کو خوب چوس کر سیراب ہو جاؤ۔''

يا إماماً سبقَ الخلقَ إلى
طاعة المختار مُذ كان صبيا

ترجمہ: ''ہمارا امام احمد مختار کی اطاعت میں مخلوق پر سبقت لے گیا، جب وہ بچہ تھا۔''

باذلاً للنَّفسِ فيما يرتضی
سيد الرسل صباحاً و عشيا

ترجمہ: ''صبح و شام رسولوں کے سردار کی رضا جوئی، میں اپنی جان لڑاتا تھا۔''

فرَقَی فی مكة أكتافَه
فغدَتْ أصنامُهم منه جشيًّا

ترجمہ: ''وہ مکے میں نبیؐ کے کاندھوں پر بلند ہوا، تو اس کی ضربوں سے مشرکین کے بت اوندھے منہ گر پڑے۔''

كاد أن يَلْمسَ أفلاكَ السَّماء
ويُلاقي كفُّه كفَّ الثُّريَّا

ترجمہ: ''قریب تھا کہ وہ آسمان کے افلاک کو چھو لیتا، اور اس کی ہتھیلی، ثریا کی ہتھیلی سے مل جاتی۔''

وفداه ليلةً همَّتْ به
فتيَّةٌ تابعت الشيخَ الغويَّا

ترجمہ: ''اور وہ ان پر اس رات فدا ہو گیا جب، نوجوانوں نے گمراہ بوڑھوں کی موافقت میں آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔''

بات في مَضْجَعه حين سَرَىٍ
يابروحي سارياً كانَ سَرِيَّا

ترجمہ: ''اس نے نبیؐ کے بستر پر رات گزاری جب آپ سفر کے لئے روانہ ہوئے، میری جان قربان ہو، رات میں سفر کرنے والا شریف سردار تھا۔''

خابَ ما راموا وهبَّ المرتضى
و نجا المختارُ يَطْوي البيد طَيَّا

ترجمہ: ''وہ اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے اور مرتضیٰ کا اقبال بلند ہوا، اور احمد مختار جلدی کر کے آگے بڑھ گئے اور بیابان کی مسافت کو بخوبی طے کر لیا۔''

والأمانات إلى أربابها
عنه ادّاها ووافاه بَرِيًّا

ترجمہ: ''نبی کی جانب سے اس نے ہی امانتوں کو. ان کے مالکوں کے سپرد اور مخلوق کا مکمل حق ادا کر دیا۔''

كان سهما نافذاً حيثُ مَضَى
و على الأعداء سيفاً مَشرفيًّا

ترجمہ: ''آپؑ جس سمت جاتے تھے، سکے بٹھا دیا کرتے تھے، اور آپ دشمنوں پر لٹکتی ہوئی مشرفی تلوار تھے۔''

من ببدرٍ فَلَقَ الهامَ وقد
هام فى الشَّقْوةِ من كان شَقيًّا

ترجمہ: ''کس نے بدر میں سرداروں کو دو ٹکڑے کر دیا اور، جو شقی تھے انہیں ابدی شقاوت کے گھاٹ اتارا؟''

و بأحدٍ حين شبَّت نارها
فتيةٌ كانت بها أولىٰ صليًّا

ترجمہ: ''اور احد میں وہ کون نوجوان تھا کہ جب جنگ کی آگ بھڑکی، تو وہ آگ کی شدت برداشت کرنے میں سب سے آگے تھا؟''

و ابن وُدٍّمن ترى قَطَّرة
وهو ليثٌكان فى الحرب جَريا

ترجمہ: ''تیرے خیال میں، ابن ودّ کو کس نے پچھاڑا؟ وہ شیر ہے جو جنگ میں بہت تیز تھا۔''

و انشرُ الأخبارَ خیبرَیا
حبذا فتحُها کان بهیًّا

ترجمہ: ''جنگ خیبر کی باتوں کو مشہور کر، یہ کیا ہی خوب بات ہے کہ اس معرکے میں فتح بڑی دلکش تھی۔''

و أبو السِّبطین یشکو جَفْنَه
و بریق المصطفٰی عادَ بریًّا

ترجمہ: ''سبطین کے والد اپنی آنکھوں کے پپوٹوں کے شدید درد میں مبتلا تھے، اور مصطفیٰ کے لعاب دہن سے شفایاب ہو گئے۔''

ثُمَّ أعطاه بها رایتَه
بعد أن بشَّر بالفتح عشیًّا

ترجمہ: ''رات کو فتح کی خوشخبری دینے کے بعد آپ نے، علی کو خیبر میں اپنا پرچم عطا فرمایا۔''

ذا کراً أو صافَ من یحملُها
فتمنَّی الکُلّ لوکان علیًّا

ترجمہ: ''آپ نے اس پرچم کو اٹھانے والے کے اوصاف بیان فرمائے، تو ہر ایک نے تمنا کی کہ کاش وہ علی ہوتا۔''

فدَحَی الباب وأردی مرحباً
بعد أن صارع منهُ قَسْوریًّا

ترجمہ: ''آپؑ نے درِ خیبر اکھاڑ ڈالا اور شیر کی مانند، مرحب کو پچھاڑ کر اسے ہلاک کر ڈالا۔''

ثم كان الفتح والفيئُ بها
واصطفى المختارُ من تلك صفيًا

ترجمہ: ''پھر فتح خیبر ہوئی اور اس کا مال فے آیا۔اور احمد مختار نے اس میں سے وصفیہ کو چنا۔''

و حُنيناً سَل بها أبطالها
كم بها أردى من الكفر كميًا

ترجمہ: ''حنین سے اس کے دلیروں کے بارے میں پوچھو،وہ کفر کے مقابلے پر تعداد میں کس قدر کم تھے۔''

وسل الناكثَ والقاسطَ و ال
مارق الآخِذَ بالإيمان غيًا

ترجمہ: ''اور عہد شکن،باغی اور اُن دین بیزار لوگوں سے پوچھو جو اپنے ایمان میں لڑھک گئے۔''

و قضا يافتكه لو رُمتها
رُمتُ مَا يُعجزني ما دمتُ حيًا

ترجمہ: ''اور وہ عجیب جوابات کہ اگر میں اُن کا ذکر کروں تو ایسی چیز کا ذکر کروں گا جس کی تکمیل سے تا حیات عاجز رہوں گا۔''

و هي في شهرتها شمسُ الضحى
هل تُرى يجهلُ للشمس محيًا

ترجمہ: ''وہ اپنی شہرت میں چمکتے سورج کی مانند ہیں،کیا تم گمان کرتے ہو کہ سورج کا چہرہ جہالت سے چھپایا جا سکتا ہے؟''

و کذا ما خصّہ اللہ بہ
من خصال حصرھا لا یتھیّا

ترجمہ: ''اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں جن خوبیوں سے مخصوص فرمایا ہے اُن کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔''

من سواہ کان صنو المصطفٰی
أو سواہ بعدہ کان وصیا

ترجمہ: ''اُن کے علاوہ کون مصطفیٰ کا بھائی تھا، یا اُن کے سوا اُن کے بعد کون وصی تھا؟''

و أخی قال لہ خیرالوری
وھو أمرٌ ظاھرٌ لیس خفیًّا

ترجمہ: ''اور خیر الوریٰ نے اُنہیں اپنا بھائی کہا، اور یہ واضح بات ہے، مخفی نہیں ہے۔''

و کھارون غدا فی شأنہ
منہ إلا أنہ لیس نبیًّا

ترجمہ: ''نبی کے نزدیک منزلت میں وہ ہارون علیہ السلام کی طرح ہو گئے الآیہ کہ وہ نبی نہیں۔''

و بعیسیٰ صَحَّ فیہ مَثَلٌ
فسعیداً عُدَّ منھم وشقیًّا

ترجمہ: ''عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اُن کی تشبیہ حق ہے، سعید و شقی کا معاملہ اسی سے عیاں ہوتا ہے۔''

Scanned by TapScanner

و غداةَ الطَّيرِ من شارکَهُ
فيه إذ جاء له الطَّير شَوِيا

ترجمہ: ''پرندہ تناول کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون شریک ہوا، جب وہ اُن کی خدمت میں بھنا ہوا پیش ہوا۔''

و عليه الشمس رُدَّ فغدا
أُفقُها من بعد إظلامٍ مُضِيًّا

ترجمہ: ''اور اُن پر سورج کو لوٹایا گیا تو اس کا کنارہ تاریک ہونے کے بعد پھر روشن کرنے لگا۔''

وَ بِخُمٍّ قام فيهم خاطباً
تحت أشجار بها كان تفَيًّا

ترجمہ: ''اور خم کے مقام پر صحابہ کے درمیان درختوں کے سائے تلے خطاب کے لئے کھڑے ہوئے۔''

قائلاً من كنت مولاه فقد
صار مولاه كما كنت عليًّا

ترجمہ: ''یہ فرماتے ہوئے: میں جس کا مولیٰ ہوں تو علی (بھی) اس کے مولیٰ ہیں۔''

والذی زکّی بمافی کَفِّه
راكعاً أكرم به براً زَكيًّا

ترجمہ: ''وہ جس نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی حالت رکوع میں زکوٰۃ دے دی، کیا ہی عمدہ زکوۃ ہے۔''

Scanned by TapScanner

و نفا قُبغضُه صحّ کما
حُبُّه عنوانُ من کان تقیًّا

ترجمہ: ''اُن کے ساتھ بغض منافقت ہے، جس طرح اُن کے ساتھ محبت تقویٰ ہے۔''

بابُ علم المصطفی إن تأته
فهنیئاً لك بالعلمِ مَریًّا

ترجمہ: ''وہ علمِ مصطفیٰ کا باب ہیں اگر تو اس دروازے سے آئے تو تجھے مبارک علم حاصل ہوگا۔''

فهو بَحرٌ عنه فاضَت أبحُرٌ
فاغترف منه إذا کنت ذکیًّا

ترجمہ: ''وہ سمندر ہیں، اُن ہی سے سمندر پھوٹتے ہیں اگر تم سمجھ دار ہو تو اس سمندر سے ایک چلو بھر لو۔''

کم قضا یا حارَ صحبُ المصطفی
عندها أبدی لها حکماً جَلیًّا

ترجمہ: ''کتنے ہی فیصلے ہیں جن میں مصطفیٰ کے صحابہ دنگ رہ گئے، اُن میں انہوں نے واضح احکام ظاہر فرمائے۔''

وَ لَکم ظمآن وافی بحره
فغدا من بحره العَذب رَوِیًّا

ترجمہ: ''بے شمار پیاسے اُن کے سمندر پر آئے تو اُن کے میٹھے سمندر سے سیراب ہو گئے۔''

كُلُّ علم فإليه مسند
سنداً عند ذوی العلم عليا

ترجمہ: ''اہل علم کے نزدیک ہر علم کی انتہا اُن ہی پر ہوتی ہے۔''

من سواه و ضع النحو و قد
عه لحنٌ بمن قد حارَعياً

ترجمہ: ''اُن کے سوا کس نے علم نحو وضع کیا؟ جب اس شخص کی غلطی نے اُنہیں اس طرف متوجہ کیا جو صحیح کلام سے عاجز تھا۔''

و يدور الحق معه حيثما
دار فاعلمه حديثا نبويًّا

ترجمہ: ''وہ جدھر رُخ فرمائیں حق اُدھر ہو جاتا ہے، تم انہیں حدیث نبوی کا مصداق سمجھو۔''

و اختصاص الله بالزهراء له
لسواه مثله لم يتهيَّا

ترجمہ: ''اور اللہ نے زہراء کو اُن کے لئے مخصوص فرمایا، اُن کے سوا کسی کے لئے یہ شرف ممکن نہیں تھا۔''

فغدت عترته من أجلها
عترته المختار نصاً أحمديًّا

ترجمہ: ''احمد مختار کے فرمان کے مطابق فاطمہ زہراء کے سبب سے ان کی اولاد محمد مصطفیٰ کی اولاد ہوگئی۔''

و غد السبطان والآل إذا
نسبوهم نَبويّاً علويًّا

ترجمہ: ''اور دونوں نواسوں اور اولاد کو جب منسوب کیا جائے گا تو وہ نبوی اور علوی قرار پائیں گے۔''

و به باهل طه إذا أتى
وفد نجران إذا كنت غبيّاً

ترجمہ: ''اُنہیں ساتھ ملا کر طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کے وفد سے مباہلہ کیا، جب کے تم ناسمجھ تھے۔''

و إذا سماه طه نفسه
يا له مجداً به خُصَّ سَميّاً

ترجمہ: ''جب طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی مانند کہا تو پھر یہ کیسی بزرگی ہے جس سے وہ مخصوص ہوئے؟''

و بسبطيه و بالزهرا كما
ذكرهم في الذكر قد جاء جليّاً

ترجمہ: ''دونوں نواسوں اور زہراء کو بھی یہ اعزاز نصیب ہوا، جیسا کہ ان کا ذکر کتاب الٰہی میں واضح طور پر آیا ہے۔''

مُعرض عن هذه الدُّنيا يُرى
مقبلا إن كان أمرٌ أخُرويا

ترجمہ: ''وہ اس دنیا سے کنارہ کش تھے، اگر چہ امور آخرت میں سب سے آگے تھے۔''

ما ارتضى الدنيا ولا زهرتها
و أثاثاً حَسَناً فيها ورِيّاً

ترجمہ: ''انہوں دنیا، اس کی رونق اور اُس کے تروتازہ حسین سامان

کو پسند نہیں فرمایا۔"

قائلا أنت ثلاثاً طالقٌ
قَالیا وَشْیاً علیها وَ حُلیّا

ترجمہ: "یہ کہتے ہوئے کہ" تجھے تین طلاقیں ہیں" انہوں نے دنیا کی زیب وزینت کو مسترد کر دیا۔"

والبلاغاتُ إلیه تنتهی
نهجُه فیها یُری النهج السّوِیّا

ترجمہ: "اُن کی ذات پر فصاحت و بلاغت کی انتہا ہوگئی، بلاغت میں اُن ہی کے انداز کو معیار سمجھا جاتا ہے۔"

إن رقی المنبرَ یوماً خاطباً
عاد سحبانُ لدیه باقلیّا

ترجمہ: "اگر وہ منبر پر خطبہ کے لیے جلوہ افروز ہوں تو اُن کے سامنے سحبانِ وقت سبزی فروش کی طرح نظر آئے۔"

حِکَمُ الیونان والفرس معاً
ما تدانی منه لفظاً علویّا

ترجمہ: "فارس و یونان کی حکمتیں مل کر حکمتِ مرتضوی کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتیں۔"

لازم المحرابَ والحرب إلی
أن أتی أشقی الوری الأمر الفرِیّا

ترجمہ: "وہ ہمیشہ محراب و جنگ کے ساتھی رہے یہاں تک کہ مخلوق کے شقی ترین شخص نے فریب کاری کی۔"

و مضى نحو جوار المصطفىٰ

حبّذا دارٌ و جارٌ قد تهيّا

ترجمہ: ''اور وہ مصطفیٰ کے پڑوس میں چلے گئے، یہ کیا ہی اچھی ہمسائیگی اور مقام ہے۔''

قائلات حُورها حين أتى

مرحباً أهلا بذا الروح و حيا

ترجمہ: ''جب وہ تشریف لائے تو اُس پاکیزہ روح کو جنت کی حوریں مرحبا اور أھلاً کہنے لگیں۔''

و مضى الأشقى إلى قعرلظى

يَتَصَلّاها غُدُواً و عَشِيا

ترجمہ: ''اور قاتل شقی بھڑکتی آگ کے گڑھے میں جا گرا، جس کو وہ شب و روز برداشت کرتا ہے۔''

عاقرُ الناقة فيها جارُه

ليس جارا لأشقيا إلا شَقيّا

ترجمہ: ''اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا آگ میں اس کا پڑوسی ہے، بد بختوں کا پڑوسی بد بخت ہی ہوتا ہے۔''

ثم قُل من يسقى الخلق إذا

و ردوا فى الحشر ماءً كوثريا

ترجمہ: ''پھر تم پوچھو کہ مخلوق کو کون سیراب کرے گا؟ جب وہ حشر میں حوض کوثر پر پہنچیں گے۔''

ولواء الحمدِ من يحمله
غيرُه أكرم به فخراً عليًا

ترجمہ: ''اور لواء حمد کو اُن کے علاوہ کون تھامے گا وہی اس اعزاز سے مشرف ہوئے۔''

قل من المدح بماشئت فلم
تأتِ فيما قُلتهُ شيئاًفَريا

ترجمہ: ''تعریف وتوصیف میں جو چاہو کہو کہ تمہاری کہیں ہوئی باتوں میں کوئی جعلی بات نہیں۔''

كلُّ من رامَ يدانى شأوه
فى العُلى فاعده روماً أشعبيًا

ترجمہ: ''ہر وہ شخص جو اُن کی عظمت کی بلندیوں تک پہنچنا چاہتا ہے تو تم اس کا پہنچنا بعید سمجھو۔''

كتمت أعداؤُهُ من فضله
ما هو الشمسُ فما يُغنون شيًا

ترجمہ: ''اُن کے دشمنوں نے اُن کی فضیلتوں کو چھپانے کی کوشش کی، وہ سورج ہیں، لہٰذا وہ کچھ نہ بگاڑ سکے۔''

زعموا أن أن يُطفِئُوا أنواره
وهو نور الله ما انفك مضيا

ترجمہ: ''انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان کے انوور کو بجھادیں گے، وہ اللہ کا نور ہیں تو وہ کبھی غالب نہ آئیں گے۔''

كُلُّ مالِلصحب من مكرمة
فله السبقُ تراه الأوَّليَّا

ترجمہ: ''صحابہ کرام کو جتنی خوبیاں حاصل تھیں تم انہیں اُن سب میں مقدم پاؤ گے۔''

جُمِعت فيه وفيهم فرِّقَت
فلهذا فَوقَهم صارَ عليَّا

ترجمہ: ''وہ سب اُن میں جمع تھیں اور صحابہ میں متفرق تھیں، اسی لیے وہ علی ہوئے۔''

نالَ ما قد نالَكلُّ منهم
والذى سابقه عاد بَطِيَّا

ترجمہ: ''جس نے جو پایا سو پایا، پر جس نے مسابقت کی وہ پیچھے رہ گیا۔''

و كفاهُ كونُه للمصطفىٰ
ثانياً فى كلِّ ذِكرِ و صَفِيَّا

ترجمہ: ''ہر خوبی میں اُن کا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوسرا ہونا، اور وصی ہونا انہیں کافی ہے۔''

صلوات الله تترى لهما
و على الآل صَبَاحًا وعَشِيًّا

ترجمہ: ''اُن دونوں پر اور اُن کی اولاد پر صبح و شام پیہم اللہ کی رحمتیں ہوں۔''

قصیدہ

اہل بیت نبوی علیہم السلام کی محبت میں قصیدہ: اس قصیدہ کو ہم نے عارف باللہ علامہ

سید عبدالرحمان بن مصطفیٰ عیدروس باعلوی مصری کی کتاب "عقد الجواهر فی فضل أهل بيت النّبي الطّاهر" کے صفحہ (۱۷۵،۱۷۶،۱۷۷) میں پایا ہے اور یہ ان کے شیخ صاحبِ معرفت وعلومِ مفیدہ سید عبد اللہ بن جعفر مدہر باعلویؒ کا کلام ہے۔ اُن کا وصال ۱۱۶۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ یہ اشعار "تاریخ الشعراء الحضرمیین" جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ پر موجود ہیں۔ اُس میں وہ اہل بیت کی محبت وغم میں لکھتے ہیں:

لا تبرحن محالف البرحاء

متوجعاً صبا صباح مساء

ترجمہ: "صبح وشام تکلیف ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے، غم وحزن سے تعلق مت توڑ۔"

متذكراً جل المصاب مدبجاً

در المدامع من عقيق دماء

ترجمہ: "سر جھکا کر اُن عظیم ناگہانی مصیبتوں کو یاد کرتے ہوئے، آنکھوں سے سرخ خونی موتی بہا۔"

فأجلُ حزنٍ فی أجل رزيئة

فی الحس والمعنى بغير خفاء

ترجمہ: "غم کا سبب احساس ومعانی پر طاری، بلکہ پوشیدہ شدید مصائب میں ہے۔"

فاملا النواحی من بكائك إنّه

لا شك أعلامن هناء الراء

ترجمہ: "گرد وپیش کے علاقوں کو اپنی آہ و بکا سے بھر دے، بلاشبہ وہ یہاں سمندر کی جھاگ سے بلند تر ہے۔"

واجرِ الدموع فما کفی ما قد جری

وقف الرثاءَ علی ذوی العلیاء

ترجمہ: ''آنسو بہاؤ! جو ہو چکا اُس کے مقابلہ میں کافی نہیں، اور ذی مرتبت ہستیوں کے غم سے آشنا ہو۔''

لا تبك بعدهم سواهم حیث قد

ساد البكاء بسادة الشهداء

ترجمہ: ''ان کے بعد ان کے سوا کسی پر نہ رونا، شہداء کے سرداروں پر رونا ہی شرف و بزرگی ہے۔''

واندب بقلبك والعیون أكابراً

كانوا علی الغبرا نجوم سماء

ترجمہ: ''دل اور آنکھوں سے اکابر پر آنسو بہا، وہ (میدان جہاد کی) غبار میں آسمان کے ستارے تھے۔''

هم آل بیت المصطفی لاسیما

حسنین أشرف الشرفاء

ترجمہ: ''وہ آلِ مصطفیٰ ہیں خصوصاً حسنین تمام شرفاء سے بڑھ کر شرف والے ہیں۔''

ریحانتی طه سلالة فاطم

نجلی علی مفخرُ الكملاء

ترجمہ: ''طٰہٰ کے دو خوشبودار پھول، فاطمہ کی اولاد، کاملین کے عظیم فخر، علیؑ کی نسل ہیں۔''

سِر کربلا تخبرك عن كرب البلاء

فی یوم عاشوراء ذی اللأواء

ترجمہ: ''کربلاء چل! وہ تجھے عاشورہ کے گرم ترین دن کی تکالیف وغم بتائے گی۔''

مستنكراً فيها حييت غرائباً

تنبوبها الأسماع فی الأنباء

ترجمہ: ''اس میں گزری مصیبتیں، اور عجیب باتیں ہیں جن سے کان ناآشنا ہیں۔''

زادو انتقاماً فی الإساءة والجفاء

و أخو النقيصة زائد الأسواء

ترجمہ: ''وہ انتقاماً زیادتی و برائی میں حد سے بڑھ گئے، بدذات لوگ ہی کمینگی میں بڑھ جاتے ہیں۔''

قد قابلوا القربى بضدِّ مودةٍ

هووا عن الإجلال بالإيذاء

ترجمہ: ''انہوں نے اہل بیت کے ساتھ محبت کی بجائے عداوت کی، تعظیم کی بجائے توہین کی۔''

ذهب الإله بنورهم إذا حاربوا

نسل المفضل من بنی حواء

ترجمہ: ''معبود نے ان کا نور سلب کرلیا جب انہوں نے اولادِ حواء کی افضل ترین نسل سے جنگ کی۔''

بكت الأراضی والسماء لفقدهم

فجرت عيون الدمع كالأجواء

ترجمہ: ''زمین و آسمان اُن کی شہادت پر روئے اور اُن کے آنسوؤں سے چشمے جاری ہو گئے۔''

عظم المصاب فكل رزء بعده
من هوله جزء من الأجزاء

ترجمہ: ''وہ بڑی مصیبت تھی، اُس کے بعد ہر مصیبت و آفت اُس کے حصوں میں سے معمولی حصہ لگتی ہے۔''

خطب على الثقلين شق فشققت
منه القلوب بخنجر البأسا

ترجمہ: ''اس نے ثقلین سے خطاب کر کے گھائل کر دیا، تو اس شدید خنجر سے قلوب شق ہو گئے۔''

أكرم بآل المجتبى من سادةٍ
إن عد فضل من فخار سناء

ترجمہ: ''اگر تم فضل و افتخار کے خواہاں ہو تو شرف و سیادت والی مجتبیٰ کی اولاد کی تعظیم کرو۔''

أبناء باب مدينة العلم الذى
حبى له ديني وعقد ولائى

ترجمہ: ''وہ بابِ شہر علم کے بیٹے ہیں، اُن سے محبت میرا دین اور اُن سے دوستی میرا عقیدہ ہے۔''

من ذكره السامى العلى عبادة
قد قال ذلك سيد الشفعاء

ترجمہ: ''ان کا اعلیٰ ذکر عبادت ہے، یہ شافعین کے سردار کا ارشاد ہے۔''

قطب العبادة والشجاعة والندى
مأوى المفاخرِ مقتدى العلماء

ترجمہ: ”وہ عبادت، شجاعت اور جود وسخا کے قطب ہیں، مفاخر کا منبع اور علماء کے پیشوا ہیں۔“

مالاح فی یوم الوغی إلاغدت
شجعانها فی ذلة الغوغاء

ترجمہ: ”وہ شدید لڑائی کے دن ظاہر نہیں ہوا، الا یہ کہ، ان کے دلیر افراد ذلیل ٹڈی ہو گئے۔“

صنو النبی وصهره ووزيره
بعل البَتول البضعة الزهراء

ترجمہ: ”نبی کا بھائی، اُن کا داماد، وزیر اور جگر گوشہ مصطفیٰ بتول فاطمہ الزہراء کے شوہر۔“

تفدی علياً والبتول وولدها
روحی و جسمی والعدو فداء

ترجمہ: ”علی پر میں قربان ہوں، اور بتول اور اُن کی اولاد پر میری روح، میرا جسم اور دشمن قربان ہو جائیں۔“

لله سادات کرام طهروا
فی إنَّما بالنَّصِل لا الإیماء

ترجمہ: ”خدا کی قسم! سادات کرام پاک کر دیئے گئے آیت ”انّما“ کی تصریح سے، نہ کہ اشارے سے۔“

قاموا بأعباء العبادة والتُّقى
و تشرفوا حقاً فضل عباء

ترجمہ: ''انہوں نے عبادت وتقویٰ کی چادر اوڑھ لی، اور اس کی فضیلت سے کما حقہ مشرف ہو گئے۔''

وهمو همو فی نجدهم و جهادهم
ديناً كذا فى الجود والهيجاء

ترجمہ: ''وہ، وہ ہیں جن کے جود و جہاد میں دین ہے تو اسی طرح ان کی سخاوت اور لڑائی میں بھی دین ہے۔''

والعلم والحلم الأجل وكلما
تبديه من فخر وطيب ثناء

ترجمہ: ''جب تم نے علم، حلم اور تمام قابل فخر پاکیزہ باتوں پر اظہار کیا۔''

يمضى الزمان ولا انتهاء لوصفهم
والبحر لا ينهى بنزح ركاء

ترجمہ: ''تو زمانے گذر جائیں گے اور ان کی تعریف و توصیف کا سمندر یونہی ٹھاٹھیں مارتا رہے گا۔''

فامدح معانى لفظك العالى بهم
حيث الشهيد جوامع الإملاء

ترجمہ: ''اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ ان کی ایسی تعریف کر جو شہید کی مدح میں جامع تحریر ہو۔''

واسطره بالسبط الحسين وصنوه
و بنيهما التالين للآباء

ترجمہ: "اس میں نواسے حسین، ان کے سگے بھائی اور ان کے بعد آنے والے آباء کا ذکر بھی لکھ۔"

زين العبادة و بباقر وبصادق
والكاظم المُعْلى على رضاء

ترجمہ: "زین العابدین، باقر، صادق، بلندیوں کے حامل کاظم اور علی رضا کا ذکر لکھ۔"

و تقيهم ونقيهم وزكيهم
و جمالهم من خص بالإخفاء

ترجمہ: "اور ان کے تقی، نقی، زکی، اور جمال کا ذکر کر جو پوشیدگی کے ساتھ خاص ہو گئے۔"

كررثنا أوصاف أسماء لهم
تحظ بسر الوصف والأسماء

ترجمہ: "بار بار ان کے اسماء کے اوصاف بیان کرو تمہیں اُن کے اسماء کے اوصاف مخفی حصہ ملے گا۔"

وهم بدور الحق في أفق العلاء
و عدوهم مازال كالعواء

ترجمہ: "وہ افق اعلیٰ میں حق کے بدر منیر ہیں، اور ان کے دشمن ہمیشہ بھونکنے والے کتے کی مانند ہیں۔"

و هم بنو خير الخيار محمد
تهدى لحضرته مدى الآناء م

ترجمہ: "وہ اُس مختار ترین محمد ﷺ کی اولاد ہیں جن کی بارگاہ میں مسلسل

ہدیہ درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔"

و عليهم معه أجل تحية
من وامق متقرح الأحشاء

ترجمہ: "اور اُن کے ساتھ اُن پر بھی روشن سلام ہو کمزور اعضاء والے محب کی جانب سے۔"

خاتمہ

میں اللہ کی حمد اور اپنے سردار محمد ﷺ اور ان کی پاکیزہ و معزز ترین آل پر درود و سلام کے ساتھ کتاب کا اختتام کرتا ہوں اور ان کی محبت و نصرت کے حامل افراد کے لئے دعاء رحمت کرتا ہوں اور مناقب و خوبیوں کے حامل اکابر صحابہ، تابعین اور خیر کثیر کی حامل تمام شخصیتوں کی خوشنودی چاہتا ہوں۔

۲۹ ربیع النبوی ۱۴۲۴ھ طنجہ میں بیت صدیقیہ کے آنگن میں اپنے صدیق کی جائے قیام کے سامنے میں اس کتاب کی تصحیح سے شرف یاب ہوا۔

اور بنی عروس کے شمال مغرب بعید میں، مولانا، امام، عارف باللہ سیدی عبد السلام بن مشیش کی جائے قیام کے سامنے، پیر کی صبح بتاریخ ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ کو میں نے اس کی تصحیح مکمل کی۔

میں ابو ممدوح محمد سعید بن محمد ممدوح مصری شافعی اپنے رب کی رحمت کا محتاج و طلبگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری، میرے والدین، میرے مشائخ، میرے اہل و عیال اور جمیع مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

فتویٰ فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود مجددی محدث ❶ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سوال: فقیہہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود مجددی نقشبندی محدث دہلوی متوفی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء سے سوال یا گیا کہ جو شخص تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کو ظنی کہے جیسے کہ صاحب مواقف وشرح مواقف ومولانا سعد الدین تفتازانی و شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) ظنیت کے قائل ہیں کیا اس قول کی وجہ سے یہ اکابر شیعہ اور تفضیلیہ شمار کیے جائیں گے یا اہل سنت، اور جو شخص ان اکابر کو شیعہ یا تفضیلیہ کہے اس کا حکم کیا ہے؟ نیز کوئی شخص فضیلت شیخین ماننے کے باوجود مقام ولایت میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ترجیح دے اور غالب مانے ایسے شخص کو تفضیلیہ کہنے والے کا حکم کیا ہے۔

سائل نے مکتوبات شریف اور تفسیر مظہری وسیف المسلول کی عبارات بھی پیش کی ہیں جن میں کمالات ولایت میں مولا علی رضی اللہ عنہ کا تقدم بیان ہوا۔ اس سوال کے جواب میں حضرت محدث محمد مسعود مجددی فرماتے ہیں:

الجواب: معلوم کرنا چاہیے کہ اکابرِ دین مثل مولانا سعد الدین، شیخ عبد الحق دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما اہلِ سنت و جماعت سے ہیں، ان کو شیعہ یا تفضیلیہ کہنا موجب فسق کا ہے کیونکہ تفضیلیہ اے اصطلاح میں کہتے ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تفضیل دے اور یہ اکابر دین شیخین کو تفضیل دیتے ہیں اور یہی علامت اہلِ سنت و جماعت کی ہے جیسا کہ شرح فقہ اکبر میں ہے:

حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضیل الشیخین و محبة الختنین انتهی.

اور قائل ظنیت کا یہ مطلب ہے کہ ثبوتِ تفضیل شیخین دلیل ظنی سے ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان اکابر کو تفضیل شیخین میں ظن ہے بلکہ یقیناً ان کے نزدیک تفضیل شیخین کی ہے اور یہ قول بزرگانِ دین کا کہ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کو مقامِ ولایت میں ترجیح ہے۔ اہلِ سنت و جماعت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ فضل جزئی مانع فضل کلی کو نہیں ہے جیسے کہ فضیلتِ موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسب افاقہ کے بعد غشی کے یعنی جبکہ بعد بعث کے غشی فزع کی ہوگی تو اول موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئیں گے بعدہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمافی الحدیث:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تخیرونی علی موسٰی فان الناس یصعقون یوم القیٰمة فاصعق معهم فاکون اول من یفیق فاذا موسٰی باطش بجانب العرش فلا ادری کان فی من صعق فافاق قبلی او کان فی من استثنی الله متفق علیه۔

اور چنانچہ عدم کونچہ دینے کے شیطان کے عیسیٰ علیہ السلام کو فضیلت ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ کل بنی اٰدم یطعن الشیطان فی جنبه باصبعیه حین یولد غیر عیسٰی ابن مریم ذهب یطعن فطعن فی الحجاب متفق علیه۔

اسی طرح سے ہر ایک رسول میں اور نبی میں ایک خاص فضیلت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

و لقد فضلنا بعض النبیین علی بعض کموسٰی بالکلام و ابراهیم بالخلة و محمد صلی الله علیه وسلم بالاسراء۔ (تفسیر جلالین)

پس یہ خاص فضیلت ہر نبی کی مانع فضیلتِ کلی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں ہے، باوجود فضیلت جزوی ہر ایک نبی خاتم

---

❶ (اضافہ از مترجم)

النبیین کو تمام پر فضیلت ہے باعتبار فضیلت کلی کے اسی طرح سے فضیلت جزوی ولایت کی مانع فضیلت کلی صدیق اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو نہیں ہے باوجود فضیلت ہونے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت میں شیخین، حضرت علی سے فضیلت کلی رکھتے ہیں، بجا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت احادیث ثابت ہو:

عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ قال ان علیاً منی و انا منه وهو ولی کل مؤمن. (رواه الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس ولایت میں حضرت علی شیخین سے فضیلت رکھتے ہیں اس معنی میں کہ حضرت علی سے سلسلے ولایت کے بکثرت ہوں گے اور فیض ولایت کا ان سے بہت ہوگا۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ انا دار الحکمة و علی بابها. (رواه الترمذی)

پس یہ فضیلت حضرت علی کی فضیلت کمالات نبوت کو جو کہ شیخین کو حاصل تھی، مانع نہیں ہے بلکہ کمالات نبوت فوقیت رکھتے ہیں کمالات ولایت پر اور ان کمالات نبوت پر جو کہ شیخین کو حاصل ہیں، احادیث میں وارد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

عن ابی بکرة ان رجلا قال لرسول الله ﷺ رأیت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت و ابوبکر فرجحت انت ووزن ابوبکر و عمر فرجح ابوبکر و وزن عمر و عثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستار لها رسول الله ﷺ یعنی فساره ذٰلك فقال خلافة نبوة ثم یؤتی الله من یشاء. (رواه الترمذی وابوداؤد)

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پلڑا نبوت کا شیخین میں تھا اور صحابہ کے وقت اظہر تھا کہ اول فضیلت حضرت ابوبکر کو ہے اور بعدہٗ عمر کو بعدہٗ عثمان کو۔

عن ابن عمر قال کنا فی زمن رسول الله ﷺ لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم رواه البخاری.

اگرچہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اپنے کشف صریح سے ولایت حضرت علی کو ترجیح دی ولیکن چونکہ یہ کشف مطابق احادیث کے ہے اس لیے یہ کشف حجت ہے پس جن اکابر دین کا کشف مطابق احادیث کے ہو اس کو اہل شیعہ میں منسوب کرنا موجب زرِ عظیم کا ہے۔ آیا یہ نہیں معلوم کہ جانب نبوت کو جو کہ شیخین کی نسبت کی ہے کس قدر فوقیت ہے جانب ولایت پر، جو کہ حضرت علی کی نسبت ثابت کی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ ولایت نبوت فوق ہے ولایت ولی پر۔ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی ولایت ولی سے شان عظیم رکھتے ہیں مگر بہ نسبت ولایت نبوت جو کہ شیخین کو حاصل تھی شیخین کو فضیلت ہے، پس ثابت ہوا کہ نزدیک اکابر دین مندرجہ سوال کے شیخین کو فضیلت ہے ختنین پر۔ یہ ہے مذہب اہل سنت و جماعت کا۔

جو شخص کہ ان اکابر دین کو نسبت فسق کی کرے یا مرتکب کبیرہ کا جانے وہ خود فاسق ہے اور مرتکب کبیرہ کا۔ کما فی الحدیث:

عن ابی ذر قال قال رسول الله ﷺ لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه. کذٰلك رواه البخاری.

اگر کمالات و درجات حاملان نبوت کے بیان کیے جاویں تو ایک دفتر عظیم چاہیے۔ فالحر یکفیه الاشارة واللہ اعلم بالصواب۔ (حررہ واجابہ خاک رہ محمد مسعود نقشبندی مجددی دہلوی، ۱۶ صفر ۱۳۰۱ھ، بقلم نور محمد)

(فتاویٰ مسعودی، فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی صفحہ نمبر ۹۳ تا ۹۵، ناشر سرہند پبلی کیشنز، کراچی، سال طباعت: ۱۹۸۷ء)